

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

# اُرْدُو قَوَاعِد وَاِنْشَا

گیارہویں اور بارہویں جماعت  
کے طلبہ کے لیے



پنجاب کریولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔  
اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس،  
خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مصنف / مؤلف: \* پروفیسر محمد طاہر صدیقی

مدیران: \* ڈاکٹر جمیل الرحمن \* محمد ظہیر کاشر وٹو

ٹیکنیکل ریویو کمیٹی: \* پروفیسر ڈاکٹر علی محمد خاں \* پروفیسر ظفر الحق چشتی  
\* ڈاکٹر عظیم اقبال \* ڈاکٹر خادم حسین رائے

نظر ثانی: \* پروفیسر ڈاکٹر علی محمد خاں

زیر نگرانی: \* ڈاکٹر جمیل الرحمن \* محمد ظہیر کاشر وٹو \* سرفراز احمد فتیانہ

ڈائریکٹر مسودات: \* محترمہ ریحانہ فرحت

سینئر آرٹس ریڈیٹنگ ڈائریکٹر گرافکس: \* مسز انجم واصف

کمپوزنگ: \* محمد جمیل کبیرا

ڈیزائننگ: \* کامران افضل

مطبع:

ناشر:

تاریخ اشاعت ایڈیشن طباعت تعداد اشاعت قیمت

## پیش لفظ

اردو ہماری قومی اور رابطے کی زبان ہے۔ زبان کے ذریعے ہی سے فرد اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اردو زبان نہ صرف ذریعہ ابلاغ ہے بلکہ ہماری تہذیب کا نشان بھی ہے، لہذا لازم ہے کہ ہم اس نشان کو اپنی پہچان بناتے ہوئے اس پر فخر کریں۔ اردو لکھنے، پڑھنے اور بولنے سے ہمارا تہذیبی سرمایہ دنیا بھر میں اُجاگر ہوتا ہے، اس لیے اردو کے فروغ میں اپنی مساعی بروئے کار لانے والے تمام اصحاب، اساتذہ اور ادارے لائق تسمین ہیں۔

ادارہ پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور ساٹھ کی دہائی سے نسل نو کے لیے معیاری اور سستی کتابیں تیار کرتا چلا آ رہا ہے۔ اردو قواعد و انشا کے نام سے پرائمری، ایلمنٹری اور سیکنڈری سطح کے طلبہ کے لیے کتب کافی عرصہ سے موجود تھیں جب کہ انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کے لیے ادارہ کی سطح پر کوئی کتاب دستیاب نہیں تھی۔ اساتذہ اور طلبہ کی طرف سے بار بار تقاضا سامنے آ رہا تھا کہ انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کے لیے بھی اردو قواعد و انشا کی کوئی کتاب مرتب کی جائے۔ اسی بنا پر نصابی اور امتحانی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے زیر نظر کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی خیال رکھا گیا ہے کہ قواعد کے موضوعات کی بے جا تکرار نہ کی جائے کیوں کہ یہ موضوعات طلبہ اپنی سابقہ جماعتوں میں پڑھ چکے ہیں۔ البتہ کچھ نئے موضوعات مثلاً: صوتیات، علم ابجد، رسم الخط، اصناف ادب اور علم عروض وغیرہ کا جامع تعارف کرایا گیا ہے تاکہ طلبہ زبان و ادب کا بہتر ادراک کر سکیں۔ انشا پروازی کے لیے مناسب ہدایات کے ساتھ ساتھ نمونے کی تحریریں بھی شامل کی گئی ہیں۔ مزید یہ کہ تخلیقی مشق کے لیے عنوانات بھی تجویز کر دیے ہیں۔ زبان و ادب میں مہارت مسلسل مشق سے ہی ممکن ہوتی ہے۔ اس توسط سے طلبہ اساتذہ کی شاہکار تخلیقات کے مطالعے سے اپنا جداگانہ اسلوب وضع کرنے کے علاوہ اپنی تحریروں میں نکھار بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ اساتذہ اور والدین سے گزارش ہے کہ وہ اپنے بچوں کی لسانی اور ابلاغی مہارتوں پر زور دیں تاکہ طلبہ اپنے جذبات و احساسات کا بہتر اظہار کرتے ہوئے اغیار کی مرعوبیت سے بچ سکیں۔

[ادارہ]



## حُسن ترتیب

انشا پردازى		قواعد	
صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
75	تخصیص نگاری	5	علم قواعد: تعارف
79	مکتوب نگاری	5	اردو حروف تہجی
90	درخواست نویسی	5	شمسی اور قمری حروف
96	رسیدات	6	رسم الخط
100	مکالمہ نگاری	6	صرف و نحو
114	آپ بیتی	7	تذکیر و تائید (حقیقی و غیر حقیقی)
129	زوداد نویسی	8	واحد جمع
140	روزنامہ	10	سابقے اور لاحقے
146	مضمون نویسی	13	رموز اوقاف
146	مضامین کی اقسام	16	حروف
146	مضامین لکھنے کے لیے ضروری باتیں	17	مرکب تام
147	اہم مضامین	17	مرکب ناقص
192	مضامین کے لیے دیگر عنوانات	18	امدادی افعال
<p>ایجوکیشن بورڈ کے مطابق جماعت وار عنوانات کی تقسیم</p> <p>گیارہویں جماعت</p> <p>مکالمہ، زوداد، رسید، درخواست، تخصیص عبارت، شعری و ادبی اصطلاحات، تشبیہ، استعارہ، تلمیح، مطلع، مقطوع، ردیف، قافیہ، وغیرہ۔ غلط جملوں کی درستی، تذکیر و تائید۔</p> <p>بارہویں جماعت</p> <p>مضمون نویسی، مکتوب نگاری، آپ بیتی، رموز اوقاف، مطابقت، حروف، امدادی افعال کا درست استعمال۔</p>		21	مطابقت اور مطابقت کے اصول
		23	غلط جملوں کی درستی
		34	روزمرہ اور محاورہ
		48	ضرب الامثال
		55	علم بیان
		58	علم بدیع
		60	علم عروض
		62	چند شعری اصطلاحات
		64	اصناف نظم و نثر

## علم قواعد: تعارف

زبان سیکھنے اور زبان شناسی کے لیے قواعد سے آگاہی ناگزیر ہے۔ اردو زبان کے قواعد کی بنیاد علم ہجا، علم صرف اور علم نحو پر قائم ہے۔ علم ہجا کا تعلق املا سے ہے۔ اردو زبان کی تحریری صورت میں یہ علم بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ علم ہجا میں حروف تہجی کے دروبست، ان کے صوری و صوتی پہلوؤں کے بارے میں معلومات، ان کی چھوٹی بڑی اشکال اور حروف جوڑ کر الفاظ بنانے کے قرینے سیکھے جاتے ہیں۔ علم صرف قواعد کا وہ حصہ ہے جس کا موضوع لفظ ہے۔ صرفی اصولوں میں کلمات و الفاظ موضوع بحث ہوتے ہیں۔ علم صرف میں قواعد کے مطابق لفظوں کی بدلتی ہوئی صورت حال کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں، مثلاً کلمہ کیا ہے؟ مہمل کیا ہے؟ کلمے کی اقسام اسم، فعل اور حرف سے کیا مراد ہے؟ یہ کلمات اپنی شکلیں کن قواعد کے مطابق تبدیل کرتے ہیں وغیرہ؟ علم صرف میں ان تمام سوالوں کا جواب تلاش کیا جاتا ہے۔ نحو کا موضوع جملہ ہے۔ قواعد کا وہ حصہ نحو کہا جاتا ہے جس میں مرکب جملوں اور عبارتوں سے بحث کی جاتی ہے۔ گویا نحوی اصولوں میں جملہ اور اس کی بدلتی ہوئی صورت حال ہی موضوع بحث ہوتی ہے۔



## اردو حروف تہجی

حرف کا اصطلاحی معنی ہے زبان بننے کی آوازیں یا لفظ کا ایک جزو مثلاً: حرض کے تین حروف ہیں: ح، ر اور ص۔ سادہ آوازوں کو تحریری علامات میں لانے کا نام حرف ہے۔ ہر زبان کی بنیادی علامات کو حروف سے ظاہر کیا جاتا ہے جس پر اس زبان کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ یہ حروف زبان کے معیار اور مزاج کا تعین کرتے ہیں۔ بچے کو جب بولنا، پڑھنا یا لکھنا سکھایا جاتا ہے تو اس کی ابتدا انھی حروف سے کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے حروف کی آواز و اشکال سے پہچان ہوتی ہے، اس کے بعد ان حروف کی مدد سے الفاظ اور جملوں کی تشکیل کے مراحل سکھائے جاتے ہیں۔

اردو کے حروف تہجی: ا ب پ ت تھ ث ج جھ چ ح خ د دھ ڈ ڈھ ذ ر رھ ژ زھ ز  
س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ گھ ل لھ م مھ ن نھ و ہ وی ی

کل تعداد: (۵۴)



## شمسی اور قمری حروف

عربی زبان کے حروف تہجی میں ۱۴ ”حروف شمسی“ اور ۱۴ ”حروف قمری“ ہیں۔ اس پر (ال) لگانے سے ان کی امتیاز و خصوصیت واضح ہوتی ہے:

حروف شمسی: حروف شمسی کی وجہ تسمیہ (الشمس) ہے۔ عربی اسما میں بعض حروف ایسے ہیں کہ اگر ان کے شروع میں ال آتا ہے تو ان کا تلفظ نہیں کیا جاتا اور لفظ کا اول حرف تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے مثلاً: الشمس، الزحیحہ، النعمان وغیرہ۔ عربی میں ت، ث، ذ، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل اور ن حروف شمسی ہیں۔

حروف قمری: حروف قمری کی وجہ تسمیہ (القمر) ہے۔ عربی اسما میں جن حروف سے پہلے ال لکھا جائے اور ان کا تلفظ کیا جائے یعنی ال پڑھنے میں بھی آئے، حروف قمری کہلاتے ہیں مثلاً: القمر، العصر، الفجر وغیرہ۔ عربی میں ا، ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، ل، م، و، ہ اور ی حروف قمری ہیں۔



### رسم الخط

رسم الخط سے مراد ایسی تحریری علامات ہیں جن کو زبان سے ادا کیا جاتا ہے اور وہ اظہار و بیان کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انسان شروع میں اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے اور اپنا مدعا بیان کرنے کی خاطر اشاروں اور مختلف نقوش سے مدد لیتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان اشاروں اور نقوش نے باقاعدہ شکل اختیار کر لی اور یہ باقاعدہ شکل حروف اور لفظوں میں زبان کے رسم الخط کے طور پر متشکل ہو کر بتدریج موجودہ شکل تک پہنچی ہے۔ بقول ڈاکٹر سمیل بخاری: ”رسم الخط مختلف آوازوں کی تحریری علامتوں یعنی حروف ہجا کا ایک نظام ہے۔ انسان جب زبان کی بنیادی آوازیں ایجاد کر چکا تو اسے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کی آوازوں کے سمعی روپ کو بصری روپ میں تبدیل کر کے اس کے خیالات غیر حاضر شخص تک نہ صرف صحت اور قطعیت سے پہنچائے جاسکیں، بلکہ مستقبل میں ضرورت پڑنے کے لیے محفوظ بھی کیے جاسکیں تاکہ جو بھی چاہے ان سے حسب ضرورت استفادہ کر سکے۔“



### صرف و نحو

ہر زبان کی طرح اردو کے بھی کچھ اصول و ضوابط ہیں جنہیں انگریزی میں گرامر اور اردو میں قواعد کہا جاتا ہے۔ اردو زبان کے قواعد کے دو حصے ہیں: (۱) حصہ صرف (۲) حصہ نحو

### صرف

صرف کے لغوی معنی الٹ پھیر کرنا یا تبدیل کرنا کے ہیں۔ اس کا موضوع لفظ ہے۔ حروفِ جنبی سے تشکیل پانے والا ہر بمعنی یا باقعت لفظ کلمہ کہلاتا ہے جو کلام یعنی جملے کا کم از کم جزو ہوتا ہے۔ گویا ہر چھوٹا بڑا جملہ کلمات سے مل کر بنتا ہے۔ کلام یا جملے میں ہر کلمے کی اپنی خاص پہچان ہے۔ جملے میں ہر کلمے کا استعمال کبھی اس کی اصل شکل میں اور کبھی مجوزہ قواعد کے مطابق اس کی شکل بدل کر کیا جاتا ہے۔ قواعد کے مطابق کلمات کی واحد، جمع، مذکر، مؤنث، اسم، فعل اور حرف وغیرہ کی پہچان اور حسب ضرورت ان کی اشکال میں تبدیلی سے متعلق بحث یا مطالعہ صرف کہلاتا ہے۔ گویا صرفی اصولوں میں کلمات والفاظ ہی موضوع بحث ہوتے ہیں۔

## مُحْو

ٹھوکا موضوع جملہ ہے۔ قواعد اگر امر کا وہ حصہ ٹھوکھلاتا ہے جس میں مرکب جملوں اور عبارتوں سے بحث کی جاتی ہے۔ گویا نحوی اصولوں میں جملہ اور اس کی ہدایتی ہوئی صورت حال ہی موضوع بحث ہوتی ہے۔



## تذکیر و تانیث

اردو زبان میں تذکیر و تانیث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جان دار یا حقیقی اشیا کی تذکیر و تانیث (۲) بے جان یا غیر حقیقی اشیا کی تذکیر و تانیث



## تذکیر و تانیث حقیقی کی چند مثالیں

مؤنث	مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث	مذکر
بھتیجی	بھتیجا	بھانجی	بھانجا	بہنی	بیٹا	ماں	باپ
بہو	داماد	دلہن	دلہا	خالہ	خالو	پوتی	پوتا
بیوی	میاں	عورت	مرد	لڑکی	لڑکا	رانڈ	رنڈوا
سیدانی	سید	بندی	بندہ	نواسی	نواسا	مہانی	ماموں



## تذکیر و تانیث غیر حقیقی کی چند مثالیں

### مذکر الفاظ

ٹھیللا	نکٹ	پھول	ترس	اخبار	احسان
دہی	دن	دل	درد	درخت	چاند
قیام	قلم	قالین	عوام	ستارا	سکون
وقت	مکان	ماجرا	لفظ	لاچ	لغت
موم	جھاگ	مزاج	مرہم	قبض	تھوک
دہی	ریشم	چلن	کھیل	گدھ	انتظار
مرض	شہر خج	فرش	طلوٹی	جہنم	دشنام

### مؤنث الفاظ

چادر	ترازو	پلیٹ	بات	اینٹ	الماری
کانکات	زمین	روشنی	رات	دکان	کھڑکی
کہکشاں	کتاب	قمیص	عینک	شام	سڑک
پیاز	ہاکی	ناک	مدد	منڈی	مشکل
توپہ	آنکھ	زبان	گھاس	گیند	آواز
چٹان	طمع	قوس قزح	گھٹا	غرض	استدعا
ذکار	جنگ	طرز	سبزی	کچھڑ	قبا

### تذکیر و تانیث کے اصول

- ۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کے تمام نام، القاب اور خطابات مذکر ہیں۔
- ۲۔ دریاؤں میں سوائے گنگا اور جمنا کے باقی سب نام مذکر ہیں۔
- ۳۔ تمام نمازیں، تمام زبانیں، اسم مصغر اور اسم صوت مؤنث ہیں۔
- ۴۔ تمام درختوں اور پہاڑوں کے نام مذکر ہیں۔
- ۵۔ ستاروں اور سیاروں کے نام مذکر ہیں البتہ تاہید، مشتری، زہرا اور برجیں مؤنث ہیں۔
- ۶۔ تمام مہینوں کے نام مذکر ہیں۔
- ۷۔ چاندی، قلعی اور کانسی کے علاوہ تمام دھاتوں کے نام مذکر ہیں۔
- ۸۔ دنوں کے ناموں میں سوائے جمعرات کے باقی سب مذکر ہیں۔
- ۹۔ تمام کتابوں کے نام مؤنث ہیں۔
- ۱۰۔ محبت اور محبوب کے القاب بھی مذکر استعمال ہوتے ہیں۔

### واحد۔ جمع

’واحد کے معنی ایک اور جمع کے معنی ایک سے زیادہ کے ہیں۔‘

### واحد سے جمع بنانے کا طریقہ

- ۱۔ الف یا ’ذ‘ پر ختم ہونے والے مذکر الفاظ میں الف یا ’ذ‘ کو یائے مجہول سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً: لڑکا سے لڑکے، بستہ سے بستے وغیرہ۔
- ۲۔ جس مؤنث اسم کے آخر میں ’ی‘ ہو اس میں جمع بنانے کے لیے ’اں‘ کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً: لڑکی سے لڑکیاں، بکری سے بکریاں وغیرہ۔
- ۳۔ ’یا‘ پر ختم ہونے والے مؤنث اسم کو جمع بنانے کے لیے ’وں‘ زیادہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً: گڑیا سے گڑیاں، چیزیا سے چیزیاں وغیرہ۔

۴۔ جن مذکر لفظوں کے آخر میں 'اں' ہو ان کو جمع بنانے کے لیے الف کو و، ے اور نون عُذَّہ سے بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً: دھواں سے دھوئیں، کنواں سے کنوئیں وغیرہ۔

۵۔ واو یا الف پر ختم ہونے والے مؤنث الفاظ کی جمع 'ئیں' لگانے سے بنتی ہے۔ مثلاً: گھٹنا سے گھٹائیں، وفا سے وفائیں وغیرہ۔

۶۔ بعض مؤنث الفاظ کے آخر میں 'یں' بڑھا کر جمع بناتے ہیں۔ مثلاً: بات سے باتیں، گاجر سے گاجریں وغیرہ۔

۷۔ اردو میں فارسی کی جمع بھی مستعمل ہے، فارسی جمع بنانے کے قاعدے یہ ہیں:

• جاندار واحد اسما کے آخر میں 'اں' لگانے سے۔ مثلاً: مرد سے مرداں، زن سے زناں وغیرہ۔

• 'و' پر ختم ہونے والے اسما کی جمع بنانے کے لیے 'و' کو 'گ' سے بدل کر 'اں' لگاتے ہیں۔ مثلاً: بندو سے بندگان وغیرہ۔

• بے جان اسموں کے آخر میں 'ہا' بڑھا کر جمع بنائی جاتی ہے۔ مثلاً: سنگ سے سنگ ہا، صد سے صد ہا وغیرہ۔

۸۔ اردو میں عربی کی جمع بھی بکثرت مستعمل ہیں۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد
ادیان	دین	لقب	القاب	غرض	اغراض	ادب	آداب
ادعیہ	دعا	سلاح	اسلحہ	غذا	اغذیہ	دوا	ادویہ
شکوہ	شک	حق	حقوق	نفس	انفوس	عیب	عیوب
رفیق	رفیق	شاعر	شعرا	امیر	امرا	ادب	ادبا
مطالب	مطلب	مقصد	مقاصد	عندلیب	عنادل	مذہب	مذاہب
تقریر	تقریر	مکتوب	مکاتیب	حدیث	احادیث	اسلوب	اسالیب
رسل	رسول	مدینہ	مدائن	طریق	طرائق	کتاب	کتب
عشاق	عاشق	خادم	خدام	حافظ	حافظ	زہاد	زہاد
ہم	ہمت	محنت	محن	حکم	حکمت	حصہ	حصص
سنن	سنت	دولت	دول	امت	امم	صورت	صویر
کرام	کریم	عظیم	عظام	عبد	عباد	صفت	صفات



## سابقے اور لاحقے

ایک لفظ سے دوسرے لفظ بننے کا عمل اشتقاق کہلاتا ہے۔ اردو زبان کی تخصیص ہے کہ اس میں قواعد کے مطابق ایک لفظ سے کئی دوسرے الفاظ بن جاتے ہیں۔ اردو سابقے اور لاحقے کا دروبست بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

سابقے: سابقہ سے مراد وہ بامعنی یا بے معنی لفظ، حرف یا علامت ہے جو کسی موجود مفرد لفظ سے قبل یوں لکھی جائے کہ اس سے ایک ایسا نیا لفظ یا کلمہ ترکیب پا جائے جو نئے معنی کا حامل ہو، مثلاً: مراد سے با مراد، ادب سے بے ادب، چھوت سے اچھوت، وارث سے لا وارث، جان سے یک جان، قرآن سے صاحب قرآن وغیرہ۔

لاحقے: لاحقہ سے مراد وہ بامعنی یا بے معنی لفظ، حرف یا علامت ہے جو کسی موجود مفرد لفظ کے بعد یوں لکھی جائے کہ اس سے ایک ایسا نیا لفظ یا کلمہ ترکیب پا جائے جو نئے معنی کا حامل ہو، مثلاً: قلم سے قلم دان، علم سے علم بردار، میز سے میز پوش، ضرورت سے ضرورت مند، شہر سے شہر یار، مدد سے مددگار، قیام سے قیام گاہ وغیرہ۔

طلبہ کی سہولت کے لیے ذیل میں چند سابقے اور لاحقے دیے جاتے ہیں:

### سابقے

اُن	اُن پڑھ، اُن مول، اُن جان، اُن گنت، اُن تھک، اُن دیکھا
اہل	اہل بیت، اہل نظر، اہل کمال، اہل قلم، اہل وطن، اہل علم
با	با ادب، با خدا، با وفا، با وقار، با کمال، با قاعدہ
بر	برآمد، برآمدہ، بر باد، برتر، برحق، برخاست
بلا	بلا امتیاز، بلا ناعد، بلا قیمت، بلا اجازت، بلا ارادہ، بلا تکلف، بلا تامل
بلند	بلند کردار، بلند نظر، بلند ہمت، بلند اقبال، بلند فطرت، بلند پرواز
بن	بن بلا یا، بن دیکھا، بن بیابا، بن دام، بن روئے
بے	بے ادب، بے علم، بے عقل، بے خبر، بے نصیب، بے مثال، بے پروا، بے کار
پر	پر جوش، پر کیف، پر ہول، پر درد، پر وقار، پر آب، پر آشوب، پر معنی، پر نم
پس	پس منظر، پس ماندہ، پس پردہ، پس خوردہ، پس انداز
پیش	پیش بندی، پیش خدمت، پیش خیمہ، پیش رفت، پیش رو، پیش قدمی
خود	خود غرض، خود زو، خود آرا، خود ارادیت، خود پسندی، خود نمائی

خوش	خوش بو، خوش خلق، خوش باش، خوش گلو، خوش دامن، خوش مزاج، خوش خط
ذر	ذر پرود، ذر پئے، ذریش، ذرکار، ذرمیان، ذرگز، ذر آمد
زیر	زیر سایہ، زیر علاج، زیر دست، زیر لب، زیر بار، زیر حراست
زود	زود پشیمان، زود رنج، زود مضم، زود اثر، زود فہم، زود نویس
شاہ	شاہ راہ، شاہ رگ، شہباز، شہتوت، شہ بالا، شہ سوار، شہ کار
غیر	غیر ممکن، غیر معمولی، غیر موزوں، غیر ذمہ دار، غیر حاضر، غیر آباد، غیر مشروط
کم	کم نظر، کم ظرف، کم ہمت، کم حوصلہ، کم عقل، کم گو، کم خرچ، کم زور
لا	لا زوال، لا حاصل، لا علاج، لا وارث، لا تعداد، لا جواب، لا اولد، لا ثانی
نا	نامراد، نالائق، ناتواں، نادان، ناجائز، ناپاک، ناتجربہ کار، نابالغ، نادانستہ
نو	نوعمر، نو جوان، نوخیز، نو نہال، نو مسلم، نو وارد، نو زائیدہ، نو بہار، نو آموز، نو آباد
نیم	نیم جان، نیم روز، نیم حکیم، نیم مٹلا، نیم مردہ، نیم پختہ، نیم نکل، نیم کش
ہم	ہم سفر، ہم صفیر، ہم راز، ہم نام، ہم وطن، ہم جماعت، ہم چشم، ہم خیال
یک	یک رنگ، یک زبان، یک دل، یک لخت، یک دم، یک جہتی



### لاحقے

اندیش	خیر اندیش، بد اندیش، مصلحت اندیش، دور اندیش، عاقبت اندیش
انگیز	نفرت انگیز، حیرت انگیز، عبرت انگیز، درد انگیز، فکر انگیز
انداز	خلل انداز، دست انداز، در انداز، رخنہ انداز، تیر انداز، پس انداز
آرا	انجمن آرا، جہاں آرا، بزم آرا، صف آرا، عالم آرا، مسند آرا، گیتی آرا
آلود	خون آلود، زنگ آلود، گرد آلود، غبار آلود، قہر آلود، خشم آلود، عرق آلود
آور	تن آور، زور آور، بخت آور، حملہ آور، نشہ آور، تہ آور
بان	دربان، بستر بان، فیل بان، مہربان، باغبان، ساربان، نگہ بان، گلہ بان، میزبان
بخش	فرحت بخش، منفعت بخش، جان بخش، حیات بخش، خدا بخش، صحت بخش، مولا بخش

بردار	عَلم بردار، ناز بردار، فرماں بردار، مشعل بردار، حاشیہ بردار، عصا بردار
پرست	آتش پرست، بت پرست، حق پرست، خود پرست، سر پرست، زر پرست، قدامت پرست
پرور	بندہ پرور، تن پرور، سخن پرور، احباب پرور، غریب پرور، کتبہ پرور، کینہ پرور
پین	کنوار پین، گنوار پین، بچپن، لڑکپن، دیوانہ پین، بھول پین، اکھڑ پین، بانگ پین
پوش	میز پوش، سفید پوش، سرخ پوش، سیاہ پوش، پاپوش، گرد پوش، کبیل پوش، پانگ پوش
خانہ	جنیل خانہ، کار خانہ، باورچی خانہ، قمار خانہ، شفا خانہ، بت خانہ، غریب خانہ، غسل خانہ
خواہ	خیر خواہ، تنخواہ، بدخواہ، قرض خواہ، خاطر خواہ، بکلی خواہ، عذر خواہ، دادخواہ
خور	چغلی خور، غوطہ خور، حرام خور، حلال خور، آدم خور، مردار خور، شراب خور
خیز	زر خیز، مردم خیز، نو خیز، سحر خیز، قند خیز، بلا خیز، دھماکا خیز، تعجب خیز، قیامت خیز
دار	وفادار، جہاں دار، داغ دار، جان دار، سمجھ دار، سرمایہ دار، تاج دار، آب دار، پہرے دار
دان	قلم دان، قدر دان، پان دان، عطر دان، سیاست دان، ریاضی دان، نکتہ دان
رساں	چٹھی رساں، فیض رساں، سراغ رساں، پیغام رساں، ضرر رساں، ایذا رساں، نفع رساں
زار	لالہ زار، سبزہ زار، چمن زار، ریگ زار، گل زار، مرغ زار، خار زار
ساز	قانون ساز، جلد ساز، دو اساز، زمانہ ساز، چارہ ساز، سخن ساز، حیلہ ساز
ستان	کوہستان، گلستان، خارستان، نخلستان، قبرستان، پاکستان، بلوچستان، ازبکستان
شکن	بت شکن، حوصلہ شکن، قانون شکن، دندان شکن، پیمان شکن، خیر شکن، عہد شکن، دل شکن
شناس	اداشناس، مزاج شناس، حق شناس، خود شناس، موقع شناس، قدر شناس، روشناس
طلب	خیر طلب، آرام طلب، انصاف طلب، محنت طلب، جفا طلب، شہرت طلب، مرمت طلب
فروش	خوفروش، سرفروش، گل فروش، ضمیر فروش، کتب فروش، بردہ فروش، غلہ فروش
کدہ	بت کدہ، آتش کدہ، دولت کدہ، آرام کدہ، نعمت کدہ، صنم کدہ، غم کدہ، حیرت کدہ
گار	پروردگار، کردگار، روزگار، خدمت گار، پرہیز گار، مددگار، طلب گار، سازگار
گاہ	آرام گاہ، پناہ گاہ، بارگاہ، قیام گاہ، چراگاہ، عید گاہ، شکار گاہ، کمین گاہ
گر	آہن گر، بازی گر، کارگر، زرگر، غارت گر، جادوگر، چارہ گر، دریوزہ گر، شیشہ گر

بغل گیر، خیر گیر، دست گیر، دامن گیر، راہ گیر، دل گیر، عالم گیر، جاگیر، سخت گیر	گیر
حاجت مند، درد مند، دولت مند، فتح مند، خرد مند، تنو مند، ہنر مند، آرزو مند، غرض مند	مند
خطر ناک، درد ناک، غم ناک، دہشت ناک، افسوس ناک، ہیبت ناک، عبرت ناک	ناک
خاک نشیں، کرسی نشیں، دل نشیں، صحرا نشیں، گوشہ نشیں، خلوت نشیں، تخت نشیں، عجاوہ نشیں	نشیں
خوش نویس، اخبار نویس، عرضی نویس، خلاصہ نویس، وقائع نویس، لغت نویس	نویس
سخن ور، دیدہ ور، دانش ور، تاج ور، پیشہ ور، طاقت ور، جان ور، بہرہ ور، ہنر ور، نام ور	ور
فتح یاب، سزا یاب، ظفر یاب، کمیاب، فیض یاب، کامیاب، زریاب، دستیاب، نایاب	یاب



### رموز اوقاف (Punctuation)

رموز رمز کی جمع ہے جس کے معنی ہیں علامت، نشانی، اشارہ یا کنایہ وغیرہ جب کہ اوقاف وقف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وقف کرنا، رکنا یا ٹھہرنا وغیرہ۔ دراصل یہ وہ علامتیں ہیں جو ایک جملے کو دوسرے جملے سے یا کسی جملے کے ایک حصے کو دوسرے حصوں سے علیحدہ کرتی ہیں۔ رموز اوقاف کی علامتوں کے بغیر تحریر میں نکھار نہیں آتا کیوں کہ رموز اوقاف کی مدد سے پڑھنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جملوں کو کس طرح پڑھنا ہے یا جملے کے کس حصے کو کس طرح ادا کرنا ہے اور کہاں کہاں اور کس قدر توقف کرنا ہے۔ اگر یہ علامتیں نہ ہوں تو عبارت الفاظ و حروف کا ملغوبہ بن کر رہ جائے اور اس کا مفہوم سمجھنے میں دشواری پیش آئے۔ ان علامتوں کے نہ ہونے سے عبارت کے خلط ملط ہونے کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ رموز اوقاف کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے پڑھنا آسان ہو جاتا، نظر کو سکون ملتا اور پڑھنے والا ہر جملے کے ہر جزو کی اہمیت جان لیتا ہے۔ اردو میں اس مقصد کے لیے جو علامتیں استعمال کی جاتی ہیں، ان کے نام اور شکلیں حسب ذیل ہیں:

انگریزی نام	شکل	علامت کا اردو نام
Comma	,	سکتہ
Semi Colon	:	وقفہ
Colon	:	رابطہ
Colon and Dash	:-	تفصیلیہ
Full Stop	.	ختمہ
Sign of Interrogation	?	سوالیہ یا استقبہامیہ
Sign of Exclamation	!	ندائیہ یا فحاشیہ

Sign of Exclamation	!	ندائیہ یا فجاکیہ
Inverted Commas	“ ”	واوین
Brackets	( )	قوسین
Dash	—	خط

سکتے ، یہ علامت سب سے کم توقف کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جس لفظ کے بعد یہ علامت آئے وہاں قاری کو بغیر سانس ٹوٹے بالکل ذرا سی دیر کے لیے ٹھہرنا چاہیے۔ مثلاً:

۱۔ اسلم، امجد علی اور صہیب ہم جماعت ہیں۔ ۲۔ بشری کے بستے میں اردو، انگریزی، ریاضی اور اسلامیات کی کتابیں ہیں۔

وقفہ : یہ علامت جملے میں سکتے سے ذرا زیادہ ٹھہراؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کسی جملے میں مختلف الفاظ کی دو یا دو سے زائد تراکیب کے درمیان وقفہ کی علامت استعمال کرتے ہیں، مثلاً:

۱۔ عالیہ اور عظمیٰ؛ طاہرہ اور زاہدہ؛ تسنیم اور ناز الگ الگ ٹولیوں میں بیٹھی ہیں۔

۲۔ لاہور، پنجاب کا؛ کراچی سندھ کا؛ پشاور کے پی کے کا اور کوئٹہ بلوچستان کا دارالحکومت ہے۔

رابطہ : یہ علامت جملے میں وقفہ سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کسی کا قول، فرمان، حوالہ، کہاوت یا ضرب المثل نقل کرنے سے پہلے اور جملے کے الگ حصوں میں ربط پیدا کرنے کے لیے رابطہ کی علامت استعمال کرتے ہیں، مثلاً:

۱۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”کام، کام اور بس کام۔“

۲۔ کسی نے سچ کہا ہے: ”گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔“

تفصیلیہ :- یہ علامت جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے، کسی بات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے استعمال ہوتی ہے۔ عام طور پر اس کے استعمال سے پہلے ”حسب ذیل“ یا ”مندرجہ ذیل“ وغیرہ کے الفاظ لائے جاتے ہیں۔ یہ علامت بالعموم کسی طویل اقتباس یا فہرست وغیرہ کو پیش کرنے سے پہلے بھی استعمال ہوتی ہے جیسے:

۱۔ ناریل کے حسب ذیل فائدے ہیں:- اس کا تیل جلاتے ہیں؛ کھانے میں ڈالتے ہیں؛ بخول سے ڈونگے بناتے ہیں؛ اس

کاریشنری بننے کے کام آتا ہے؛ کچا ہو تو اس کا پانی پیتے ہیں؛ بکڑی سے ایندھن کا کام لیتے ہیں اور ادویات میں استعمال کرتے ہیں۔

۲۔ کچھ میری روزانہ زندگی کا حال سنو:- علی الصباح اٹھا، ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کیا، نماز پڑھی، تلاوت کی، اس کے

بعد نہا دھو کر ناشتا کیا، ڈاک دیکھی، اگر موسم خوش گوار ہو تو چھری لے کر ٹھیلے چلا گیا اور نہ گھر ہی میں پڑا رہا۔

ختمہ - ختمہ کی علامت، جسے انگلش میں فل اسٹاپ (Full Stop) کہتے ہیں، نقطے سے ذرا بڑی ہوتی ہے اور ایک جملے کو دوسرے

جملے سے علاحدہ کرتی ہے۔ عام طور پر یہ علامت بیانیہ جملے کے اختتام پر لگاتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ دنیا فانی ہے۔  
۲۔ میں ایک محنتی طالب علم ہوں۔

استفہامیہ؟ یہ علامت کسی سے سوال کرنے یا استفسار کے لیے لکھے گئے جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے، مثلاً:

۱۔ یہ کتاب کس کی ہے؟  
۲۔ آج کیا تاریخ ہے؟

ندائیہ! یہ علامت دراصل لفظ ”ندا“ کا مخفف ہے اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں کسی کو ندا دینا، پکارنا یا خطاب کرنا مقصود ہو۔ مثلاً:

۱۔ خدایا! میری آرزو پوری کر دے۔  
۲۔ اے بھائی! ذرا میری بات سنو۔ (اس صورت میں یہ علامت ندا کی کہلاتی ہے)

فجائیہ! جب تحریر و تقریر میں غصہ، حقارت، استعجاب، تمنا، ادب، تعظیم، ندامت، خوف، حسین و آفرین وغیرہ جیسے جذبات یا جوش کو ظاہر کرنا مقصود ہو تو بھی یہ علامت استعمال ہوتی ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بلا اختیار یا خود بخود زبان سے نکل گئے ہیں۔ جذبات کی شدت کی مناسبت سے ایک سے زیادہ علامتیں بھی لگادیتے ہیں، مثلاً:

۱۔ وہ اور رحم! اس کی امید فضول ہے۔  
۲۔ بس! صاحب بس!! بہت ہو چکا، اب آپ خاموش ہو جائیے۔

واوین ”“ اس علامت کا استعمال کسی کا قول من و عن اسی کے الفاظ میں نقل کرتے وقت یا کسی اقتباس کا اندراج کرتے وقت اس قول یا اقتباس کی ابتدا اور اس کے آخر میں کیا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ واوین کے اندر والی عبارت گفت گو کرنے والے ہی کے الفاظ پر مشتمل ہے، مثلاً:

۱۔ باپ نے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: ”بیٹا! محنت کرو، محنت کا پھل ضرور ملے گا۔“

۲۔ میں نے ملازم سے کہا: ”جاؤ میرا سامان گاڑی سے اتار لاؤ۔“

قوسین ( ) اس علامت میں کسی بات کی وضاحت کے لیے ایسے الفاظ لکھے جاتے ہیں جو لفظ معترضہ یا جملہ معترضہ کے طور پر آتے ہیں اور انہیں حذف کر دینے سے عبارت کے ربط و تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا، مثلاً:

۱۔ انور صاحب (مرحوم) سے ہمارے بھی دیرینہ تعلقات تھے۔

۲۔ میرا گھر (مکان کا وہ حصہ جس میں میری سکونت ہے) بوسیدہ ہو گیا ہے۔

خط — انگریزی میں اس علامت کو ڈیش (Dash) کہا جاتا ہے۔ جس طرح قوسین جملہ معترضہ کو رواں تحریر سے الگ کرتی ہے اسی طرح یہ علامت بھی نیم ختمہ کا کام دیتے ہوئے جملہ ختم کیے بغیر اس میں اچانک تبدیلی کو ظاہر کرتی ہے، مثلاً:

۱۔ میں بیمار ہوں — آپ سے ملنا بھی ضروری تھا۔

۲۔ اب تو اسی تنخواہ میں — وہ جتنی بھی ہے — گزارہ کرنا ہوگا۔



پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: یک بیک، یکا یک، یک با رگی، دفعتاً، اتفاقاً، ناگاہ، اچانک، ناگہاں وغیرہ۔  
حروف بیان: وہ حروف ہیں جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیے جائیں اور بالعموم وہ حرف ”کہ“ ہے۔ مثلاً: استاد نے شاگرد سے کہا کہ سبق پڑھو۔ باپ نے بیٹے سے کہا کہ محنت سے کام لو وغیرہ۔

### مرکبات اور ان کی اقسام

مرکب: دو یا دو سے زیادہ با معنی لفظوں کے مجموعے کو مرکب یا کلام کہتے ہیں۔ مثلاً: میرا قلم، لڑکا نیک ہے۔

مرکب کی قسمیں: (۱) مرکب تام (۲) مرکب ناقص

#### مرکب تام

مرکب تام: دو یا دو سے زیادہ با معنی لفظوں کا ایسا مجموعہ جس سے کہنے والے کا مقصد پورا ہو جائے اور سننے والے کو بات اچھی طرح

سمجھ میں آجائے۔ مرکب تام کی دو قسمیں ہیں: (۱) جملہ انشائیہ (۲) جملہ خبریہ

جملہ انشائیہ: وہ جملہ جس میں فعل امر، نہی، استفہام، تعجب، ہد، تحسین، انبساط، تاسف، قسم، تمنا، تمجید، نصیحت اور دعا پائی جائے۔ مثلاً: شورت کرو، کھڑے ہو جاؤ وغیرہ۔

جملہ خبریہ: وہ جملہ جس میں کسی بات کی خبر دی جائے۔ جملہ خبریہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) جملہ اسمیہ (۲) جملہ فعلیہ

جملہ اسمیہ: کوئی بھی جملہ ہو، اس کے اجزا میں ایسا تعلق ہوتا ہے جو کلام کو مکمل کر دیتا ہے یعنی سننے والا اس سے پورا فائدہ حاصل کرتا ہے اور مزید بیان کی گنجائش نہیں رہتی، ایسے تعلق کا نام ’اسناد‘ ہے جس چیز کا تعلق ہوتا ہے، اسے ’مسند‘ اور جس چیز سے تعلق ہوتا ہے اسے ’مسند الیہ‘ کہتے ہیں۔ جس جملے میں مسند الیہ اور مسند دونوں اسم ہوں وہ جملہ اسمیہ کہلاتا ہے۔ جملہ اسمیہ کے

چار اجزا ہوتے ہیں: (۱) اسم یا مبتدا (۲) خبر (۳) متعلق خبر (۴) فعل ناقص

جملہ فعلیہ: وہ جملہ جو کم از کم فعل اور فاعل سے بنا ہو۔ ایسے جملے میں فاعل مسند الیہ ہوتا ہے اور فعل مسند۔ جیسے: اسلم چلا۔ اس میں ’چلا‘

فعل اور ’اسلم‘ فاعل ہے۔ جملہ فعلیہ کے چار اجزا ہیں: (۱) فعل (۲) فاعل (۳) مفعول (۴) متعلق فعل



### مرکب ناقص

مرکب ناقص: مرکب ناقص وہ کلام ہے جس سے سننے یا پڑھنے والے کو پورا پورا مفہوم حاصل نہ ہو۔ مثلاً: احمد کا گھر، چالاک بھینڑیا، پھول اور کانٹا وغیرہ۔

مرکب ناقص کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً: مرکب اضافی، مرکب توصیفی، مرکب عطفی، مرکب عددی، مرکب

جاری، مرکب اشاری، مرکب ندائیہ، مرکب تاکیدی، تابع مہمل، تابع موضوع، مرکب بیانی وغیرہ۔ مگر ہم یہاں ابتدائی چار مرکبات کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) مرکب اضافی: وہ مرکب ہے جو مضاف، مضاف الیہ اور حروفِ اضافت (کا، کے، کی) سے مل کر بنے۔ مثلاً: اور لیس کا گھر، احمد کے ابا جان، توصیف کی کتاب وغیرہ۔ اردو میں فارسی مرکبات کثرت سے مستعمل ہیں۔ فارسی میں حروفِ اضافت (کا، کے، کی) کی جگہ اضافتِ کسرہ (-) یا ہمزہ (ہ) آتا ہے۔ جیسے: صاحب خانہ، ذرّہ خاک وغیرہ۔

(۲) مرکب توصیفی: وہ مرکب ہے جو صفت اور موصوف سے مل کر بنے۔ مثلاً: نیک آدمی، بد کردار، اونچا درخت، معصوم بچہ وغیرہ۔ ان مرکبات میں بالترتیب نیک، بد، اونچا اور معصوم کے الفاظ صفت ہیں جب کہ آدمی، کردار، درخت اور بچہ موصوف ہیں۔ فارسی مرکبات میں اردو کے برعکس موصوف پہلے اور صفت بعد میں آتی ہے۔ مثلاً: مرد میدان، بچہ معصوم وغیرہ۔

(۳) مرکب عطفی: وہ مرکب جو معطوف الیہ، حرفِ عطف (و، اور) اور معطوف سے مل کر بنے۔ حرفِ عطف سے پہلے آنے والے کلمے کو معطوف الیہ اور حرفِ عطف کے بعد آنے والے کلمے کو معطوف کہتے ہیں۔ مثلاً: ارض و سما، خار و خس، پھول اور کانا وغیرہ۔ ان مثالوں میں حرفِ عطف سے پہلے آنے والے سما، ارض، خار، پھول ہیں۔ ان کو معطوف کہتے ہیں، جب کہ سما، خس اور کانا کے اسما معطوف الیہ کہلا سکیں گے۔

(۴) مرکب عددی: وہ مرکب ہے جو کسی اسم کی تعداد یا گنتی کو ظاہر کرے جیسے: گیارہ کتابیں، بیس آم، چالیس درخت وغیرہ۔ ان میں گیارہ، بیس اور چالیس اسمِ عدد اور کتابیں، آم اور درخت معدود ہیں۔ اس طرح عدد اور معدود مل کر مرکبِ عددی بنتے ہیں۔

**نوٹ:** یاد رہے، حرفِ عطف واو (و) ہمیشہ فارسی یا عربی الفاظ میں آتا ہے۔ ہندی، اردو یا انگریزی الفاظ کے ساتھ اس کا استعمال نہیں ہوتا۔ مثلاً: گل و لالہ، لوح و قلم، خشک و تر وغیرہ مرکبات درست ہیں لیکن کالج و یونیورسٹی، گائے و بھینس، باغ و سڑک مرکبات درست نہیں، ان کے بجائے کالج اور یونیورسٹی، گائے اور بھینس، باغ اور سڑک کہنا ہی درست ہوگا۔

### امدادی افعال

اردو زبان کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس زبان میں امدادی فعل نے بڑی وسعت اور نزاکت پیدا کر دی ہے۔ تحریر و تقریر میں اکثر اوقات اصل فعل کے ساتھ کوئی دوسرا فعل یا اس کا جزو استعمال کیا جاتا ہے جس سے اصل فعل میں تھوڑا بہت تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ امدادی فعل اصل فعل کے معنوں میں زیادہ قوت پیدا کرتا ہے اور کلام میں حسن و خوبی یا فصاحت و بلاغت آجاتی ہے۔ وہ افعال یا ان کے اجزا جو اصل فعل کی مدد یا معاونت کے طور پر آتے ہیں، امدادی افعال یا افعالِ معاون کہلاتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ تمام بنیادی افعال، امدادی افعال کے طور پر استعمال نہیں ہوتے جب کہ تمام

امدادی افعال بھی بنیادی افعال نہیں ہوتے ہیں۔ عام طور پر امدادی فعل اصل فعل کے بعد ہی آتا ہے، جیسے امدادی فعل ”دینا اور لینا“ کی مناسبت سے یہ جملے:

۱۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ ۲۔ یہ رقم رکھ لیجیے۔

لیکن کبھی کبھی امدادی فعل اصل فعل سے پہلے بھی آجاتا ہے۔ جیسے:

۱۔ ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا ۲۔ مجھ کو لے ڈوبا تر اشہر میں یکتا ہونا

اردو میں بالعموم استعمال ہونے والے امدادی افعال جن مصادر سے بنتے ہیں وہ یہ ہیں:

دینا، لینا، آنا، جانا، ڈالنا، پڑنا، رہنا، ہونا، بیٹھنا، اٹھنا، چلنا، سکانا، پانا، کرنا، نکلنا، گلنا، چاہنا، رکھنا۔

ذیل کی سطور میں ان مصادر کو جملوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ ان مثالوں کو بغور دیکھیے، ان میں شعری مثالیں بھی شامل ہیں:

(۱) دینا ۱۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ ۲۔ پھر وہ چل دیا۔

۳۔ براہ کرم مجھے جانے دو۔ ۴۔ باپ نے ناخلف بیٹے کو گھر سے نکال دیا۔

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو

(۲) لینا ۱۔ یہ رقم رکھ لیجیے۔ ۲۔ میں نے تمہاری بات سن لی ہے۔

۳۔ یہ خط پڑھ لیجیے۔ ۴۔ راستے میں طوفان نے آلیا۔

روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی

(۳) آنا ۱۔ اگر بن آیا تو تمہاری طرف بھی آؤں گا۔ ۲۔ جاؤ پہلے بیچے کو سکول چھوڑ آؤ۔

۳۔ جب چاہو چلے آنا۔ ۴۔ یہ خیال کیسے ابھر آیا؟

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

(۴) جانا ۱۔ پتے بکھر گئے۔ ۲۔ ابھی بیٹھو پھر چلے جانا۔

۳۔ وہ اپنی ہی کبے جاتا ہے۔ ۴۔ میں خط لکھتا جاتا تھا اور وہ پڑھتا جاتا تھا۔

کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کرتے ہیں جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں

(۵) ڈالنا ۱۔ ”مار ڈالو یار تیری جو اب طلبی نے۔“ ۲۔ بیچے نے چیونٹی کو پاؤں تلے مسل ڈالا۔

۳۔ جودل میں ہے ابھی سے کہ ڈالو۔ ۴۔ لگائی بھائی نے بالآخر بھائیوں میں جدائی کر ڈالی۔

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا

(۶) پڑنا ۱۔ آج بہت دنوں بعد دکھائی پڑے ہو؟ ۲۔ اسے گہرائی میں اترنا پڑا۔



۳۔ آج خالد محمود سے الٹھ پڑا۔

۴۔ آپ کو مجھ سے معافی مانگنی پڑے گی۔

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار

۱۔ اگر وہ آیا ہوتا تو مجھے ضرور اطلاع ہوتی۔

۲۔ یہ تمام واقعہ میرا سنا ہوا ہے۔

۳۔ غالباً اس نے ایسا ضرور کیا ہوگا۔

۴۔ وہ ہوسٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا

۱۔ ہم تو اپنی قسمت کو رو بیٹھے ہیں۔

۲۔ دراصل وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔

۳۔ وہ ایسے کام اکثر بے سوچے سمجھے کر بیٹھتا ہے۔

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

۱۔ میں ہی پوچھ بیٹھا ہوں تو بتا دو۔

۲۔ میں ہی پوچھ بیٹھا ہوں تو بتا دو۔

۳۔ کھلونا دیکھتے ہی بچے کا دل مچل اٹھا۔

کیا فلک ٹوٹ پڑا بعد فنا بھی مجھ پر

۱۔ وہ یکا یک بول اٹھا۔

۲۔ وہ درد کی شدت سے چیخ اٹھا۔

۳۔ میری بات سنتے ہی وہ بھڑک اٹھا۔

۴۔ کھلونا دیکھتے ہی بچے کا دل مچل اٹھا۔

دل کے پھپھو لے لے جل اٹھے سینے کے داغ سے

۱۔ کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے۔

۲۔ وہ بولتا رہا اور میں چپ چاپ سنتا رہا۔

۳۔ وہ اکثر یہاں آتا رہتا ہے۔

۴۔ کیا سوچ رہے ہو؟

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

۱۔ میں خط لکھ چکا ہوں۔

۲۔ وہ کھانا کھا چکا ہے۔

۳۔ جو کہنا ہے کہ چلو۔

وائے ناکامی! متاع کارواں جاتا رہا

۱۔ میں خط لکھ چکا ہوں۔

۲۔ وہ کھانا کھا چکا ہے۔

۳۔ جو کہنا ہے کہ چلو۔

ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح

۱۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟

۲۔ میں یہ کام بخوبی کر سکتا ہوں۔

۳۔ میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔

طے کر چکا جو منزلِ شب، کارواںِ صبح

۱۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟

۲۔ میں یہ کام بخوبی کر سکتا ہوں۔

۳۔ میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔

میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں ٹو سنا سکتے

۱۔ ابھی آدھا ہی راستہ طے کر پایا تھا کہ طوفان نے آیا۔

۲۔ کیا مجال کہ آدمی ٹھہرنے پائے۔

۳۔ میں یہ کام شاید کل تک ختم کر پاؤں گا۔

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکتے

۱۔ ابھی آدھا ہی راستہ طے کر پایا تھا کہ طوفان نے آیا۔

۲۔ کیا مجال کہ آدمی ٹھہرنے پائے۔

۳۔ میں یہ کام شاید کل تک ختم کر پاؤں گا۔

اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

۱۔ جو نبی میں نے اسے روتا دیکھا تو میں بھی پھوٹ بہ لگا۔

۲۔ مسافر گھر سے منہ اندھیرے چل نکلا۔

پنہاں تھا دامِ سختِ قریبِ آشیان کے

۱۔ جو نبی میں نے اسے روتا دیکھا تو میں بھی پھوٹ بہ لگا۔

۲۔ مسافر گھر سے منہ اندھیرے چل نکلا۔

۳۔ وہ وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلا۔ ۴۔ پھوڑا پک گیا تو پھوٹ نکلا۔

یہ امدادی فعل شاید انہی تین چار مصدروں کے ساتھ آتا ہے۔ (بحوالہ: مولوی عبدالحق، اردو صرف و نحو، ص ۷۳)

(۱۵) کرنا ۱۔ بچہ دیر تک رویا گیا۔ ۲۔ ذرا صبح سویرے اٹھ جایا کرو۔

۳۔ دل لگا کر پڑھا کرو۔ ۴۔ اچھے لوگوں کی صحبت میں رہا کرو۔

ہن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

(۱۶) لگنا ۱۔ وہ اپنی داستان غم سنانے لگا۔ ۲۔ پہلے تو وہ چپ رہا پھر اچانک بولنے لگا۔

۳۔ جلی نے ادھر ادھر دیکھا پھر چپکے سے دودھ پیئے گی۔ ۴۔ زلزلے سے شہر کے درو دیوار لرزنے لگے۔

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

(۱۷) چاہنا ۱۔ کھانا آیا چاہتا ہے۔ ۲۔ دیکھیے، کیا ہوا چاہتا ہے۔

۳۔ اس غلطی سے بچنا چاہیے۔ ۴۔ میں سونا چاہتا ہوں۔

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہل محفل چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

(۱۸) رکھنا ۱۔ اس نے مجھے صُبح سے بٹھائے رکھا۔ ۲۔ میں نے اسے سمجھا رکھا ہے۔

۳۔ سن رکھو، میں تمہارے چکے میں آنے والا نہیں۔ ۴۔ میں نے یہ کام اگلے سال کے لیے اٹھا رکھا ہے۔

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں



### مطابقت

مطابقت کے لغوی معنی ہیں مطابق ہونا، موافق ہونا یا برابر ہونا لیکن قواعد کی رو سے فعل کی اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ، صفت کی اپنے موصوف کے ساتھ اور علامتِ اضافت (کا، کے، کی وغیرہ) کی اپنے مضاف کے ساتھ نسبت کے بدلنے کو مطابقت کہتے ہیں۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ، صفت اپنے موصوف کے ساتھ اور علامتِ اضافت اپنے مضاف کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ مثلاً ان جملوں پر غور کیجیے:

ماں چلی گئی، بیٹا چلا گیا۔ ماں اور بیٹا دونوں چلے گئے۔

علم انسان کا درجہ بڑھا دیتا ہے۔ علم اور نیک چلن، انسان کا درجہ بڑھا دیتے ہیں۔

لڑکی نے پانی پیا۔ لڑکی نے کہانی پڑھی۔



## مطابقت کے چند اہم اصول

- فاعل مذکر ہو تو فعل بھی مذکر آئے گا۔ جیسے: استاد سبق پڑھاتا ہے۔
- فاعل مؤنث ہو تو فعل بھی مؤنث آئے گا۔ جیسے: استانی سبق پڑھاتی ہے۔
- فاعل واحد ہو تو فعل بھی واحد آئے گا۔ جیسے: بی بی پاؤں چاٹتی ہے۔
- فاعل جمع ہو تو فعل بھی جمع آئے گا۔ جیسے: لڑکے کتاب پڑھتے ہیں۔
- اسم صفت سے متعلق ہم جنس فاعل ایک سے زیادہ ہوں تو فعل واحد اور جنس کے مطابق آئے گا۔ جیسے: برائی اور بد چلنی ہمیشہ نقصان دیتی ہے۔ خاموش رہنے سے رعب اور وقار بڑھتا ہے۔
- اسم صفت سے متعلق فاعل ایک سے زیادہ ہوں تو فعل جمع اور جنس کے مطابق آئے گا۔ جیسے: جھوٹ اور سچ ایک ساتھ نہیں چلتے۔
- مختلف جنس کے فاعل دو سے زیادہ ہوں تو فعل آخری فاعل کے مطابق آئے گا۔ جیسے: ہمیں دیکھنے کو آنکھیں، سننے کو کان اور بولنے کو زبان ملی ہے۔
- دو یا دو سے زیادہ ضمیریں بطور فاعل آئیں تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے: میں اور وہ ایک ہی کتاب پڑھتے ہیں۔
- دو اسم حرف عطف کے بغیر بطور فاعل آئیں تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے: ماں باپ ہمیشہ بچوں پر شفقت کرتے ہیں۔
- ایک ہی کلمے سے متعلق دو اسم حرف عطف کے بغیر بطور فاعل آئیں تو فعل واحد آئے گا۔ جیسے: میں نے کتاب کا حرف پڑھا ہے۔ قلم دوات کہاں رکھی ہے؟
- دو یا دو سے زیادہ اسم بطور فاعل آئیں اور ان کے آخر میں 'سب' کا لفظ آئے تو فعل آخری اسم کے مطابق آئے گا۔ جیسے: عبداللہ، کاغھر، دکان، زمین، زیورات سب بک گئے۔
- دو یا دو سے زیادہ اسم بطور فاعل آئیں اور ان کے آخر میں 'کوئی' یا 'کچھ' کا لفظ آئے تو فعل واحد مذکر آئے گا۔ جیسے: ظفر، شفقت، کوثر، طاہر کوئی محفل میں نہیں پہنچا۔ مال، دولت، زمین، جائیداد کچھ نہ بچا۔
- اخباروں، کتابوں اور رسالوں کے نام جمع ہونے کے باوجود فعل واحد ہی آئے گا۔ جیسے: میں نے "حکایاتِ سعدی" پڑھی۔ ریاض مجید کی "کلیاتِ نعت" چھپ گئی ہے۔
- تعظیمی فاعل ہو تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے: مولانا تشریف لائے ہیں۔ والد صاحب لاہور گئے ہیں۔
- جملے میں علامتِ فاعل 'نے' آئے تو فعل مفعول کے مطابق واحد، جمع، مذکر یا مؤنث آئے گا۔ جیسے: اسلم نے کتاب پڑھی۔ سلمیٰ نے سبق پڑھا۔ میں نے پھل اور پھول دیکھے۔
- جملے میں علامتِ مفعول 'کو' آئے تو فعل فاعل کے مطابق واحد، جمع، مذکر یا مؤنث آئے گا۔ جیسے: زاہد نے اپنی بیٹی کو پڑھایا۔ سلمیٰ نے اپنے بھائی کو چاکلیٹ دی۔ چور نے پولیس کو دیکھا۔
- جملے میں علامتِ مفعول 'کو' آئے تو صفت واحد مذکر آئے گی۔ جیسے: میں نے اپنی بیٹی کو سچا پایا۔

## غلط جملوں کی دُرستی

تحریر و تقریر میں زبان اور بیان کی صحت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ گفت گو کے دوران میں درست اور خوب صورت الفاظ کا استعمال بولنے والے کی شخصیت کو باوقار بنا دیتا ہے۔ جب کہ غلط سلسلہ الفاظ کا استعمال اور کم زور لہجہ شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ زبان دانی میں اس موضوع پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ذیل میں طلبہ کی سہولت کے لیے زبان دانی کے چند بنیادی اور اہم اصول بیان کیے جاتے ہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ وہ تحریر و تقریر میں ان اصولوں کو پیش نظر رکھیں:

### زبان دانی کے چند اہم اصول

- (۱) جمع اسموں میں پہلے ”بر“ کا لفظ لکھتا یا بولنا غلط ہے۔ مثلاً: ہر ممالک یا ہر اشخاص کہنا غلط ہے۔ اس کے بجائے ہر ملک اور ہر شخص کہنا درست ہے۔
- (۲) ایک جملے میں دو ہم معنی الفاظ کا لانا غلط ہے۔ مثلاً: آب زم زم کا پانی کی جگہ صرف آب زم زم کہنا چاہیے۔ اسی طرح کوہ ہمالیہ کا پہاڑ کہنا غلط ہے، اس کی جگہ صرف کوہ ہمالیہ اور ماہ رمضان کے مہینے کے روزے کی جگہ ماہ رمضان کے روزے کہنا چاہیے۔
- (۳) مصدر کے ساتھ ”نے“ کا استعمال صحیح نہیں ہے۔ مثلاً: تم نے کہاں جانا ہے؟ کی جگہ تمہیں کہاں جانا ہے؟ صحیح اور درست ہوگا۔
- (۴) اردو میں کسی اسم کے آخر میں آنے والے حروف ”الف“ یا ”و“ کو یائے مجہول (ے) سے بدلنے کا نام اِمالہ ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ لفظ حمیما بولنے میں آئے گا ویسا ہی لکھنے میں آئے گا۔ مثلاً: ”جلسہ میں بہت لوگ آئے تھے“ کی جگہ ”جلسے میں بہت لوگ آئے تھے“ لکھا اور بولا جائے گا۔
- (۵) مؤنث فعل کی گردان میں نون غنۃ (ں) کا اضافہ صحیح نہیں ہوتا۔ مثلاً: ”لڑکیاں پڑھ رہی ہیں۔“ غلط ہے۔ ”لڑکیاں پڑھ رہی ہیں۔“ صحیح ہے۔ اسی طرح ”عورتیں سویٹر بن رہی ہیں۔“ غلط ہے۔ ”عورتیں سویٹر بن رہی ہیں۔“ صحیح ہے۔
- (۶) علامتِ اضافت (زیر) اور حرفِ عطف واو (و) صرف فارسی اور عربی الفاظ میں لائے جاتے ہیں۔ کسی اردو یا ہندی لفظ کے ساتھ ان کا استعمال جائز نہیں۔ مثلاً: ”دامن کوہ“ صحیح ہے۔ ”دامن پہاڑ“ کہنا غلط ہوگا۔ اسی طرح روٹی اور پانی کہنا صحیح ہوگا مگر روٹی و پانی کہنا غلط ہوگا۔
- (۷) عربی میں جمع تین کے عدد سے شروع ہوتی ہے۔ دو کے لیے مثنوی کا صیغہ آتا ہے، چنانچہ عربی میں دو کے لیے جمع کا صیغہ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً: دو اشعار، دو کتب کہنا غلط ہے جب کہ دو شعر، دو کتابیں کہنا صحیح ہوگا۔
- (۸) قشاپ (ہم آواز) لفظوں کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ مثلاً: انھوں نے حساب بے باک کر دیا۔“ اس جملے میں ”بے باک“ کی جگہ ”باق“ ہونا چاہیے۔

(۹) اہلی زبان کے روز مزد کی پیروی بھی لازم ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ”ہر روز“ کو ”ہر دن“ اور ”آئے دن“ کو ”آئے روز“ کہنا غلط ہوگا۔

(۱۰) محاورے اور ضرب المثل کے الفاظ میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً: لال پیلا ہونا کی جگہ نیلا پیلا ہونا اور ایک انار سو پیار کی جگہ ایک انار ہزار پیار کہنا غلط ہوگا۔

(۱۱) ”مبادا“ کے معنی ہیں: ”ایسا نہ ہو“ چنانچہ تحریر و تقریر میں ”مبادا“ کے ساتھ ”نہ“ کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً: یہ کہنا غلط ہوگا: ”محنت کرو، مبادا فیل نہ ہو جاؤ۔“ صحیح جملہ یوں ہوگا: ”محنت کرو مبادا فیل ہو جاؤ۔“

(۱۲) جب کسی جملے میں ”چوں کہ“ استعمال ہوگا تو اس کے بعد ”اس لیے“ ضرور آئے گا۔ اسی طرح ”جوں جوں“ کے بعد ”توں توں“ اور ”جیسے جیسے“ کے بعد ”ویسے ویسے“ لازماً آتا ہے۔ مثلاً: چوں کہ وہ بیمار ہے اس لیے آج کالج نہیں آیا۔ جوں جوں ہم بلندی پر جائیں: توں توں سردی بڑھتی ہے۔ جیسے جیسے منزل قریب آتی گئی: ویسے ویسے ہم خوش ہوتے گئے، کہنا ہی درست ہوگا۔

(۱۳) ہائے مختلف والے لفظ کو حالتِ فاعلی میں لانے کے لیے لفظ کے آخر میں ”گی“ لگاتے ہیں، جیسے: تازہ سے تازگی، شگفتہ سے شگفتگی وغیرہ۔ یہ اصول صرف ہائے مختلف والے لفظ کے لیے ہے بصورت دیگر درستی، فوتگی، ناراضگی جیسے الفاظ بنانا غلطی تصور ہوتا ہے۔



اب ہم طالب علموں کے استفادے کے لیے مختلف حوالوں سے کچھ غلط اور درست جملے لکھتے ہیں۔ انہیں اپنی تحریر و تقریر میں ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

### املا کی اغلاط

غلط جملے	درست جملے
اسلام و علیکم کے بعد عرض ہے۔	اسلام علیکم کے بعد عرض ہے۔
مجھے تمہاری مخالفت کی کوئی پروا نہیں۔	مجھے تمہاری مخالفت کی کوئی پروا نہیں۔
مجھے ایک ضروری کام پڑھ گیا ہے۔	مجھے ایک ضروری کام پڑھ گیا ہے۔
اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے؟	اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے؟
مجھے یہ بات سن کر حیرانی ہوئی۔	مجھے یہ بات سن کر حیرانی ہوئی۔
یہ جملہ صحیح نہیں ہے۔	یہ جملہ صحیح نہیں ہے۔
میں اس معاملے میں بالکل خاموش ہوں۔	میں اس معاملے میں بالکل خاموش ہوں۔

قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کے بانی ہیں۔	قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کے بانی ہیں۔
میٹھے خربوزے کو شہد سے تشبیہ دیتے ہیں۔	میٹھے خربوزے کو شہد سے تشبیہ دیتے ہیں۔
پھولوں پہ پڑمردی چھائی ہوئی ہے۔	پھولوں پہ پڑمردی چھائی ہوئی ہے۔
عالیہ اور شاز یہ پڑھ رہی ہیں۔	عالیہ اور شاز یہ پڑھ رہی ہیں۔
تجاوزات ختم کر دیے جائیں گے۔	تجاوزات ختم کر دی جائیں گی۔
یہ شعر اردو ادب میں ایک نئی جدت ہے۔	یہ شعر اردو ادب میں ایک نئی جدت ہے۔
میں فی الحال نہیں آسکتا۔	میں فی الحال ابھی نہیں آسکتا۔



### واحد - جمع کی اغلاط

یہاں ہر امراض کا علاج ہوتا ہے۔	یہاں ہر امراض کا علاج ہوتا ہے۔
میں نے ہر ملک کی سیر کی ہے۔	میں نے ہر ملک کی سیر کی ہے۔
احمد نے دو من گیہوں خریدا۔	احمد نے دو من گیہوں خریدا۔
حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے ولی اللہ ہوئے ہیں۔	حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے اولیا اللہ ہوئے ہیں۔
میں نے تمام مشکلات کا مقابلہ کیا۔	میں نے تمام مشکلات کا مقابلہ کیا۔
یہ دونوں کتابیں میری پسندیدہ ہیں۔	یہ دونوں کتب میری پسندیدہ ہیں۔
وہ کئی سال سے یہیں مقیم ہے۔	وہ کئی سالوں سے یہیں مقیم ہے۔
فریقین نے آپس میں صلح کر لی۔	دونوں فریقین نے آپس میں صلح کر لی۔



### تذکیر و تانیث کی اغلاط

جناب ہیڈ مسٹریس!	جناب ہیڈ مسٹریس صاحبہ!
علی نے اخبار پڑھ لیا ہے۔	علی نے اخبار پڑھ لی ہے۔
اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا۔	اسے ابھی تک ہوش نہیں آئی۔

قاسم کے سر میں درد ہو رہی ہے۔	قاسم کے سر میں درد ہو رہا ہے۔
لوگ گہری غاروں میں رہتے تھے۔	لوگ گہرے غاروں میں رہتے تھے۔
آج میں نے سائیکل چلایا۔	آج میں نے سائیکل چلائی۔
فٹ بال میری پسندیدہ کھیل ہے۔	فٹ بال میرا پسندیدہ کھیل ہے۔
رات میں نے ایک خواب دیکھی۔	رات میں نے ایک خواب دیکھا۔
میری قلم کہاں ہے؟	میرا قلم کہاں ہے؟
رابعد یہ بات سن کر لٹی لٹی رہ گئی۔	رابعد یہ بات سن کر ہٹکا ہٹکا رہ گئی۔
مرض بڑھتی گئی جوں جوں دوا کی۔	مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔
میں صبح سے آپ کا راہ دیکھ رہا ہوں۔	میں صبح سے آپ کی راہ دیکھ رہا ہوں۔
بچے کا ناک بہ رہا ہے۔	بچے کی ناک بہ رہی ہے۔
اس دکان کی دہی کھٹی ہے۔	اس دکان کا دہی کھٹا ہے۔
مجھے اردو نہیں آتا۔	مجھے اردو نہیں آتی۔
میں نے آج کی اخبار نہیں پڑھی۔	میں نے آج کا اخبار نہیں پڑھا۔
میں نے آپ کی بہت انتظار کی۔	میں نے آپ کا بہت انتظار کیا۔
آج کل چین کی طوطی بول رہی ہے۔	آج کل چین کا طوطی بول رہا ہے۔
صابن سے میل اتر جاتی ہے۔	صابن سے میل اتر جاتا ہے۔
بچے کی قلم گم ہو گئی۔	بچے کا قلم گم ہو گیا۔
گلی میں بہت زیادہ کچھڑ تھا۔	گلی میں بہت زیادہ کچھڑ تھی۔
ہرا ہرا گھاس دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔	ہری ہری گھاس دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔
مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہے۔	مجھے اس بات کی بڑی فکر ہے۔
یہ پتھر بہت بھارا ہے۔	یہ پتھر بہت بھاری ہے۔
کمرے کا چھت ٹپکنے لگا ہے۔	کمرے کی چھت ٹپکنے لگی ہے۔
”مکتوبات غالب“ چھپ گئے ہیں۔	”مکتوبات غالب“ چھپ گئی ہے۔

زائد اور متشابہ الفاظ کی اخلاط

نذیر اکبر آبادی کو عوامی شاعر کہا جاتا ہے۔	نذیر اکبر آبادی کو عوامی شاعر کہا جاتا ہے۔
ڈپٹی نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔	ڈپٹی نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔
میں یہ کتاب آپ کی نظر کرتا ہوں۔	میں یہ کتاب آپ کی نظر کرتا ہوں۔
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے۔	مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے۔
صدائیش دوراں دکھاتا نہیں	صدائیش دوراں دکھاتا نہیں
میں نے سب کا مرتبہ کھایا۔	میں نے سب کا مرتبہ کھایا۔
ابن بطوطہ بہت مشہور سیاح تھا۔	ابن بطوطہ بہت مشہور سیاح تھا۔
پہلی رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔	پہلی رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔
ہم سب بخیریت ہیں۔	ہم سب بخیریت سے ہیں۔
وہ بمشکل گھر پہنچا۔	وہ بمشکل سے گھر پہنچا۔
درحقیقت وہ سچا تھا۔	درحقیقت میں وہ سچا تھا۔
سنگ مرمر کا پتھر بڑا خوب صورت ہوتا ہے۔	سنگ مرمر کا پتھر بڑا خوب صورت ہوتا ہے۔
مریض کی عیادت کرنا کارِ ثواب کا کام ہے۔	مریض کی عیادت کرنا کارِ ثواب کا کام ہے۔
آج شپ برات ہے۔	آج شپ برات کی رات ہے۔
محنت کرو مہادائیل ہو جاؤ۔	محنت کرو مہادائیل نہ ہو جاؤ۔
کیا آپ نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے؟	کیا آپ نے اس کتاب سے استفادہ حاصل کیا ہے؟
ان کی شادی بتاریخ ۱۷ دسمبر ہوئی تھی۔	ان کی شادی بتاریخ ۱۷ دسمبر ہوئی تھی۔
یہ شارع عام نہیں ہے۔	یہ راستہ شارع عام نہیں ہے۔
اس نے میرے برخلاف گواہی دی۔	اس نے میرے برخلاف گواہی دی۔
وہ نوزلا ہور سے نہیں آیا۔	وہ نوزلا ہور سے نہیں آیا۔
آپ اسلام آباد سے کب لوٹیں گے؟	آپ اسلام آباد سے کب واپس لوٹیں گے؟

### امالہ کی اغلاط

یہ آپ ہی کے فائدہ کی بات ہے۔	یہ آپ ہی کے فائدہ کی بات ہے۔
انسان کو قاعدہ قانون کے مطابق چلنا چاہیے۔	انسان کو قاعدہ قانون کے مطابق چلنا چاہیے۔
اکرم آج کل نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔	اکرم آج کل نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھرتا ہے۔
مجھے اس جھگڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟	مجھے اس جھگڑا میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟
لوگ اُس کا کھیل دیکھ کر ہٹکا رہ گئے۔	لوگ اُس کا کھیل دیکھ کر ہٹے رہ گئے۔
یہ بچہ بڑے حیلے بہانہ کرتا ہے۔	یہ بچہ بڑے حیلہ بہانہ کرتا ہے۔
ہر ذرے میں خدا کا نور جلوہ گر ہے۔	ہر ذرہ میں خدا کا نور جلوہ گر ہے۔
بچہ روتاروتا سو گیا۔	بچہ روتا روتا سو گیا۔
جلسے میں بہت زیادہ لوگ آئے تھے۔	جلسہ میں بہت زیادہ لوگ آئے تھے۔
آپ کو ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔	آپ کو ہمت اور حوصلہ سے کام لینا چاہیے۔
مجھے اس کھیل تماشا سے کوئی دل چسپی نہیں۔	مجھے اس کھیل تماشا سے کوئی دل چسپی نہیں۔
پاسا مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے	پاسا مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے
کعبہ کے تعلقہ کو بدل دیتا ہے لیکن	کعبہ کے تعلقہ کو بدل دیتا ہے لیکن
طیبہ کی طرف حرفِ امالہ نہیں جاتا	طیبہ کی طرف حرفِ امالہ نہیں جاتا



### اضافت و عطف کی اغلاط

موسیٰ شدت دھوپ سے ہانپنے لگے۔	موسیٰ شدت دھوپ سے ہانپنے لگے۔
سو گھٹنے اور پچھنے میں بڑا فرق ہے۔	سو گھٹنے و پچھنے میں بڑا فرق ہے۔
یہ چیخ و پکار کی آواز کیسی ہے؟	یہ چیخ و پکار کی کیسی ہے؟
کیا آپ صحیح سلامت گھر پہنچ گئے؟	کیا آپ صحیح و سلامت گھر پہنچ گئے؟
انہوں نے میری خوب خاطر مدارت کی۔	انہوں نے میری خوب خاطر و مدارت کی۔
ان دونوں لڑکوں کی لیاقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔	ان دونوں لڑکوں کی لیاقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ہمیں آپس میں پیار و محبت سے رہنا چاہیے۔	ہمیں آپس میں پیار و محبت سے رہنا چاہیے۔
قوم کے لیڈروں کا احترام کرنا چاہیے۔	لیڈران قوم کا احترام کرنا چاہیے۔
لہذا ہمیں جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے۔	لہذا ہمیں آگ جہنم سے محفوظ رکھے۔
بارش سے سبزے کا رنگ روپ نکھر گیا۔	بارش سے سبزے کا رنگ و روپ نکھر گیا۔
فضاؤں میں ہے ہر سو جلوہ ذات خداوندی	فضاؤں میں ہے ہر سو جلوہ ذات خداوندی
کمال گرمی سعی تلاش دیدنہ پوچھ	کمال گرمی سعی تلاش دیدنہ پوچھ



### مطابقت کی افلاط

آپ ہمارے یہاں کب تشریف لائے گے؟	آپ ہمارے یہاں کب تشریف لائے گے؟
براہ کرم آپ یہاں سے چلے جائیں۔	براہ کرم آپ یہاں سے چلے جاؤ۔
بچیاں سبق یاد کر رہی ہیں۔	بچیاں سبق یاد کر رہی ہیں۔
جلے میں عورتیں بھی آئی ہوئی تھیں۔	جلے میں عورتیں بھی آئی ہوئیں تھیں۔
آئیے آئیے! تشریف رکھیے۔	آؤ آؤ تشریف رکھو۔
میں نے چار کرسیاں اور ایک میز خریدی۔	میں نے چار کرسیاں اور ایک میز خریدیں۔
باہر کون صاحب ہیں؟	باہر کون صاحب ہے؟
’بانگِ درا‘ شائع ہو گئی ہے۔	’بانگِ درا‘ شائع ہو گیا ہے۔
’نوائے وقت‘ چھپ کر آ گیا ہے۔	’نوائے وقت‘ چھپ کر آ گئی ہے۔
آپ منہ ہاتھ دھولیں۔	آپ منہ ہاتھ دھولو۔
احمد اور اس کا بھائی راستہ بھول گئے۔	احمد اور اس کا بھائی راستہ بھول گیا۔
بچے کو ابھی تک ہوش نہیں آیا۔	بچے کو ابھی تک ہوش نہیں آئی۔
میں اور اسلم بازار گئے تھے۔	میں اور اسلم بازار گیا تھا۔
چچا اور بھتیجا لڑ پڑے۔	چچا اور بھتیجا لڑ پڑا۔
زندگی کھیل اور تماشا ہوتی ہے۔	زندگی کھیل اور تماشا ہوتی ہیں۔

”ادبی دنیا“ بند ہو چکی ہے۔	”ادبی دنیا“ بند ہو چکا ہے۔
نیکی کا راہ بہت کٹھن ہے۔	نیکی کی راہ بہت کٹھن ہے۔
اب تو دن رات چین سے گزر رہی ہے، عاقبت کی خبر خدا جانے۔	اب تو دن رات چین سے گزر رہے ہیں، عاقبت کی خبر خدا جانے۔
وہ گھوڑا گاڑی کس کا ہے؟	وہ گھوڑا گاڑی کس کی ہے؟



### ”نے“ اور ”کو“ کی اغلاط

میں نے آج ہی واپس جانا ہے۔	مجھے آج ہی واپس جانا ہے۔
یہ سبق ہم نے پڑھا ہوا ہے۔	یہ سبق ہمارا پڑھا ہوا ہے۔
اسلم نے آپ کو کیا کہا تھا؟	اسلم نے آپ سے کیا کہا تھا؟
دشمن میرے بال کو بیکانہ کر سکے۔	دشمن میرا بال بیکانہ کر سکے۔
ہم کو اپنے وعدے پر قائم رہنا چاہیے۔	ہمیں اپنے وعدے پر قائم رہنا چاہیے۔
میں نے آپ کے گھر کو نہیں دیکھا۔	میں نے آپ کا گھر نہیں دیکھا۔
براہ کرم! آپ میری خطا کو معاف کریں۔	براہ کرم! آپ میری خطا معاف کریں۔
دروازے کو بند کریں۔	دروازہ بند کریں۔
جناب پرنسپل نے طلبہ کو خطاب کیا۔	جناب پرنسپل نے طلبہ سے خطاب کیا۔
جو کچھ تم نے کہنا ہے، کہہ لو۔	جو کچھ تمہیں کہنا ہے، کہہ لو۔
ایک دن سبھی نے مرنا ہے۔	ایک دن سبھی کو مرنا ہے۔
میری بات کو غور سے سنو۔	میری بات غور سے سنو۔
میں نے دو ٹکٹ کو خریدا۔	میں نے دو ٹکٹ خریدے۔
اس نے کراچی جانا ہے۔	اسے کراچی جانا ہے۔
میری باتیں کان کو کھول کر سن لو۔	میری باتیں کان کھول کر سن لو۔
وہ آپ کو ملنے کا خواہش مند ہے۔	وہ آپ سے ملنے کا خواہش مند ہے۔



## ضرب الامثال اور محاورات کی اغلاط

ایک انا ہزار پیار۔	ایک انا سو پیار۔
پانی دیکھو، پانی کی دھار دیکھو۔	تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو۔
دھو بی کا کتا نہ گھر کا نہ باہر کا۔	دھو بی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔
جس کی لاشمی اس کی گائے۔	جس کی لاشمی اس کی بھینس۔
بچہ گود میں ڈھنڈورا شہر میں۔	بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔
دودھ کا جلائی بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔	دودھ کا جلا چھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔
بھینس بڑی کہ عقل۔	عقل بڑی کہ بھینس۔
گائے کے آگے بین بھانا۔	بھینس کے آگے بین بھانا۔
گیہوں کے ساتھ جو بھی پس جاتا ہے۔	گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔
نہ دس من تیل ہوگا، نہ رادھانا چے گی۔	نہ نو من تیل ہوگا، نہ رادھانا چے گی۔
آسمان سے گرا کوٹھے پراٹکا۔	آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔
لکڑی کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی۔	کاٹھ کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی۔
بھاگتے چور کا جوتا ہی سہی۔	بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی۔
بوڑھی گھوڑی سرخ لگام۔	بوڑھی گھوڑی لال لگام۔
جتنی چادر دیکھو اتنے ہاتھ پھیلاؤ۔	جتنی چادر دیکھو اتنے پاؤں پھیلاؤ۔
چور کی داڑھی میں شہتیر۔	چور کی داڑھی میں تنکا۔
امیر کی جو رو سب کی بھابھی۔	غریب کی جو رو سب کی بھابھی۔
قاضی جی کے گھر کے چو ہے بھی عقل مند۔	قاضی جی کے گھر کے چو ہے بھی سیانے۔
آٹھ سو چو ہے کھا کے بئی ج کو چلی۔	نو سو چو ہے کھا کے بئی ج کو چلی۔
سر منڈاتے ہی پتھر پڑے۔	سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔
وہ ایک چھڑی سے سب کو ہانکتے ہیں۔	وہ ایک ہی لاشمی سے سب کو ہانکتے ہیں۔
اسرائیل عربوں کے سینے پر مونگ دل رہا ہے۔	اسرائیل عربوں کی چھاتی پر مونگ دل رہا ہے۔

فوج نے دریا کے کنارے ڈیرہ ڈال دیا۔	فوج نے دریا کے کنارے ڈیرہ ڈال دیا۔
میرے ساتھ تین پانچ مت کرو۔	میرے ساتھ چار پانچ مت کرو۔
یہ بڑھیا آفت کا پرکالا ہے۔	یہ بڑھیا آفت کی پرکالی ہے۔
یہاں تل دھرنے کی جگہ نہیں۔	یہاں سوئی دھرنے کی جگہ نہیں۔
حامد نے محمود کو آڑے ہاتھوں لیا۔	حامد نے محمود کو آڑے ہاتھ لیا۔
اس نے مجھے گالی دی۔	اس نے مجھے گالی نکالی۔
آپ نے کیا اوجھم مچا رکھی ہے؟	آپ نے کیا اوجھم مچا رکھا ہے؟
یہ خبر سن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔	یہ خبر سن کر میرے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔



### روزمرہ کی اغلاط

بلال دن بدن کمزور ہو رہا ہے۔	بلال دن بدن کمزور ہو رہا ہے۔
مہنگائی کے ہاتھوں غریب فاقوں مر رہے ہیں۔	مہنگائی کے ہاتھوں غریب فاقے مر رہے ہیں۔
روز روز کا آنا جانا قدر کھودیتا ہے۔	دن دن کا آنا جانا قدر کھودیتا ہے۔
مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمہاری بات کا کیا جواب دوں؟	مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمہاری بات کا کیا جواب دوں؟
اسلم آئے روز غیر حاضر رہتا ہے۔	اسلم آئے روز غیر حاضر رہتا ہے۔
شور سن کر بچے کی آنکھ کھل گئی۔	شور سن کر بچے کی نیند کھل گئی۔
ہم ہر روز سیر کو جاتے ہیں۔	ہم ہر دن سیر کو جاتے ہیں۔
یہ عورت بڑی لڑاکی ہے۔	یہ عورت بڑی لڑاکی ہے۔
دہشت گردوں نے اندھیرا مچا رکھا ہے۔	دہشت گردوں نے اندھیرا مچا رکھا ہے۔
یہ سبق میرا پڑھا ہوا ہے۔	میں نے یہ سبق پڑھا ہوا ہے۔
بارش ہو رہی ہے۔	بارش برس رہی ہے۔
مسافر کو بے نیل و مرام لوٹنا پڑا۔	مسافر کو بے نیل و مرام لوٹنا پڑا۔
کیا تم چپ نہیں رہ سکتے؟	کیا تم چپ نہیں کر سکتے؟

آپ کو یہ خبر کیسے معلوم ہوئی؟	آپ کو یہ خبر کیسے ملی؟
ہمارا مکان برلپ سڑک ہے۔	ہمارا مکان سڑک کے کنارے واقع ہے۔
اسلم بے ناغہ سکول آتا ہے۔	اسلم بلا ناغہ سکول آتا ہے۔
حامد محمود کے سخت برخلاف ہے۔	حامد محمود کے سخت خلاف ہے۔
آپ میری بات کا برا نہ منائیں۔	آپ میری بات کا برا نہ مانیں۔
میں آپ کا بہت مشکور ہوں۔	میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔
میں آج ہی واپس لوٹ جاؤں گا۔	میں آج ہی لوٹ جاؤں گا۔
ان دونوں کی عمروں میں اٹھارہ بیس کا فرق ہے۔	ان دونوں کی عمروں میں انیس بیس کا فرق ہے۔
میرے سوا سب موجود تھے۔	میرے علاوہ سب موجود تھے۔
وہ گھر پہ گھر اور گلی پہ گلی پھرے۔	وہ گھر گھر اور گلی گلی پھرے۔
خدا خدا کر کے دن نکلا۔	خدا خدا کر کے دن چڑھا۔
آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتا ہوں۔	آپ کی خیریت نیک مطلوب ہے۔
میں آپ کا تابع ہوں۔	میں آپ کا تابع فرمان ہوں۔
ہم بلا روک ٹوک آگے بڑھ گئے۔	ہم بے روک ٹوک آگے بڑھ گئے۔
ہم نے ٹوپی اوڑھ رکھی ہے۔	ہم نے ٹوپی پہن رکھی ہے۔
برائے مہربانی کر کے میرے خط کا جواب ضرور دیں۔	براہ مہربانی میرے خط کا جواب ضرور دیں۔
میں ضرور پہ ضرور آؤں گا۔	میں ضرور بالضرور آؤں گا۔
اس کی ہوش جاتی رہی۔	اس کے ہوش جاتے رہے۔
چار پانچ کرنا شریفوں کا کام نہیں۔	تین پانچ کرنا شریفوں کا کام نہیں۔
اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟	اس میں براماننے کی کیا بات ہے؟
آپ کا مزاج کیسا ہے؟	آپ کے مزاج کیسے ہیں؟
ضد کرنی بری بات ہے؟	ضد کرنا بری بات ہے؟
چیر تو بدن میں اہو نہیں۔	کانو تو بدن میں اہو نہیں۔

شور نہ ڈالو۔	شور مت کرو۔
ممتحن نے پرچہ بڑا مشکل ڈالا ہے۔	ممتحن نے پرچہ بڑا مشکل بنایا ہے۔
اس کی صورت دیکھ کر ڈراتا ہے۔	اس کی صورت دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔



### روزمرہ اور محاورہ

#### روزمرہ

روزمرہ اس بول چال کا نام ہے جو خاص اہل زبان استعمال کرتے ہیں لیکن روزمرہ میں الفاظ کے استعمال کا ایک خاص انداز ہوتا ہے اور وہ الفاظ اپنے لغوی معنی دیتے ہیں۔ اس میں قیاس کو دخل نہیں بلکہ سماعت پر دارو مدار ہے۔ مثال کے طور پر انہیں میں کے فرق کو ہم نہیں اکیس کا فرق اور دو چار ہاتھ کو دو پانچ ہاتھ نہیں کہہ سکتے۔ روزمرہ کی چند مزید مثالیں درج ذیل ہیں:

آئے دن	وہ آئے دن پیار رہتا ہے۔
ہر روز	وہ ہر روز سیر کو جاتا ہے۔
تقدیر کا لکھا	تقدیر کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔
تو بہ ہی بھلی	ایسے کاموں سے تو بہ ہی بھلی۔
خدا واسطے کا بیر	کفار کو مسلمانوں کے ساتھ خدا واسطے کا بیر ہے۔
آنکھ کا تارا	بچہ تو ہمیشہ ماں کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے۔
آنکھ جھپکنا	بس آنکھ جھپکنے کی دیر تھی کہ کوئی میرا سامان لے اڑا۔
بچوں کا کھیل	مکان کی تعمیر کوئی بچوں کا کھیل نہیں، سخت مشقت کا کام ہے۔
دیکھتے دیکھتے	ہمارے دیکھتے دیکھتے زمانے کے حالات بدل گئے۔
ڈنکے کی چوٹ	فوجی جوانوں نے ڈنکے کی چوٹ پر دہشت گردوں کا صفایا کر دیا۔
رات کی رات	محفل تو صرف رات کی رات ہے، صبح تم کہاں ہم کہاں!
زمین کھاگئی یا آسمان	میں نے اپنی کتاب یہیں رکھی تھی، اسے زمین کھاگئی یا آسمان!
گا جرمولی کی طرح	ہم اپنے دشمن کو گا جرمولی کی طرح کاٹ کے رکھ دیں گے۔



## مجاورہ

روزمرہ کی طرح مجاورہ بھی اہل زبان ہی کی بول چال سے رواج پاتا ہے۔ اس لیے ہر مجاورہ روزمرہ ہوتا ہے لیکن ہر روزمرہ مجاورہ نہیں ہوتا۔ روزمرہ اپنے حقیقی معنوں کے قریب تر ہوتا ہے، جب کہ مجاورہ اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ روزمرہ ایک لفظ کا بھی ہو سکتا ہے جب کہ مجاورہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ سے ترکیب پاتا ہے۔ مجاورے کے الفاظ میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی اسے قواعد زبان کے اصولوں کے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے بلکہ مجاورے کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور اس مقصد کے لیے اہل زبان کی تحریروں کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے۔ ذیل میں طلبہ کی سہولت کے لیے حروف تہجی کی ترتیب سے کچھ مجاورات، ان کے معنی اور ان کا استعمال درج ہیں تاکہ تحریر و تقریر کے دوران میں مجاورات کا درست استعمال کر سکیں۔

مجاورات	معانی	استعمال
آب آب ہونا	شرمندہ ہونا	مجاہد کی جب چوری پکڑی گئی تو وہ شرم سے آب آب ہو گیا۔
آب دیدہ ہونا	آنکھوں میں آنسو بھر آنا	میں اس کی غم بھری داستان سن کر آب دیدہ ہو گیا۔
آبرو خاک میں ملانا	ذلیل کرنا	اچھے بچے بزرگوں کی آبرو کبھی خاک میں نہیں ملاتے۔
آب ودانہ اٹھنا	وقت پورا ہو جانا	جب آدمی کا دنیا سے آب ودانہ اٹھ جائے تو کوئی دوا کام نہیں آتی۔
آپے سے باہر ہونا	غصے یا خوشی کی حد عبور کرنا	اسلم کو جب گالی دی گئی تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔
آٹے میں نمک ہونا	بہت کم مقدار ہونا	ہمارے ہاں اچھے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔
آڑے آنا	مشکل میں کام آنا	اچھا دوست ہر مصیبت میں دوستوں کے آڑے آتا ہے۔
آڑے ہاتھوں لینا	خوب خبر لینا	پولیس نے چور کو آڑے ہاتھوں لیا۔
آستین کا سانپ ہونا	دشمن کا بظاہر دوست ہونا	میر صادق جیسے لوگ آستین کے سانپ ثابت ہوئے۔
آسمان ٹوٹ پڑنا	اچانک مصیبت آنا	اس کے والد کی وفات سے اس پر آسمان ٹوٹ پڑا۔
آسمان سر پر اٹھانا	بہت شور کرنا	چھٹی کے اعلان پر طلبہ نے آسمان سر پر اٹھالیا۔
آسمان سے باتیں کرنا	بہت بلند ہونا	کوہ ہمالیہ کی چوٹی آسمان سے باتیں کرتی ہے۔
آسمان میں تھگی لگانا	کمال عیاری دکھانا	رائی تو اتنی تیز اور چالاک ہے کہ آسمان میں تھگی لگاتی ہے۔
آنکھ لگانا	نیند آنا	سحری کھانے کے بعد ذرا سی آنکھ لگ گئی۔
آنکھوں پر ہٹھانا	بہت عزت کرنا	میں اپنے اساتذہ کو ہمیشہ آنکھوں پر ہٹھاتا ہوں۔
آنکھوں پر ٹھیکری رکھنا	پروا نہ کرنا	وہ تمہارا محسن ہے، اس کے لیے یوں آنکھوں پر ٹھیکری رکھنا، مناسب عمل نہیں۔

آنکھیں دکھانا	ڈانٹ ڈپٹ کرنا	میرا کوئی قصور نہیں، تم مجھے بلاوجہ آنکھیں دکھا رہے ہو۔
آنکھیں بچھانا	ادب سے پیش آنا	علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جب محفل میں آتے تو تمام لوگ ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتے تھے۔
آنکھیں پھیر لینا	بے وفائی کرنا	کم ظرف لوگ مشکل وقت میں آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔
آنکھیں چرانا	نظریں بچھانا	وہ اپنی غلطی پر نادم ہے اس لیے مجھ سے آنکھیں چراتا ہے۔
آنکھیں سفید ہونا	ناپینا ہو جانا	حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کی وجہ سے رو رو کر آنکھیں سفید ہو گئیں۔
آگ بگولا ہونا	بہت غصے میں ہونا	وہ ذرا سی بات پر آگ بگولا ہو جاتا ہے۔
آئینہ کر دینا	واضح کر دینا	ممتاز نے اپنا پورا منصوبہ مجھ پر آئینہ کر دیا ہے۔
آئینے میں بال آنا	شک پیدا ہونا	اگر ایک دفعہ آئینے میں بال آجائے تو اعتبار باقی نہیں رہتا۔
اپنا آٹو سیدھا کرنا	مطلب نکالنا	خوشامدی لوگ خوشامد کر کے اپنا آٹو سیدھا کر لیتے ہیں۔
اپنا سامنہ لے کر جانا	شرمندہ ہونا	آئینہ دیکھا اپنا سامنہ لے کے رہ گئے صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غور تھا
اپنے منہ میاں مٹھوینا	اپنی تعریف خود کرنا	شہرت پسند شاعر اپنے منہ میاں مٹھوینتے رہتے ہیں۔
اڑتی چیز یا کے پرگننا	تیز طرار ہونا	اشرف بہت چالاک ہے، وہ تو اڑتی چیز یا کے پرگن لیتا ہے۔
انہی آنتیں گلے پڑنا	لینے کو پینے پڑ جانا	میں نے کار منافع حاصل کرنے کو خریدی تھی، بیچی تو گھانا دے گئی، گو یا انہی آنتیں گلے پڑ گئیں۔
انہی گنگا بہانا	رواج کے خلاف چلنا	جشن کے موقع پر مرثیہ سنانا انہی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔
آٹو بولنا	ویرانی ہونا	چھٹی کے دن تو کالج میں آٹو بولتے ہیں۔
اللہ تللے کرنا	بے دریغ خرچ کرنا	اس نے اپنے ماں باپ کی جمع پونجی اللہ تللے کرتے ہوئے اڑا دی۔
امید برآنا	امید پوری ہونا	کوئی امید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
انگاروں پر لوٹنا	سخت تکلیف میں ہونا	بیمار بیٹے کو دیکھ کر ماں ساری رات انگاروں پر لوٹتی رہی۔
آگشت بدنداں ہونا	حیران ہونا	ریحان سعید اتنا سیریلانو جوان ہے کہ اس سے غزل سن کر میں آگشت بدنداں رہ گیا۔
اوس پڑنا	مایوسی کی حالت میں ہونا	امتحان میں فیل ہوتے ہی میری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔
ایک لڑی میں پرونا	یک جہتی پیدا کرنا	پاکستان کے لوگوں کو اردو زبان نے ایک لڑی میں پرو رکھا ہے۔
اینٹ سے اینٹ بچھانا	تناہ کر دینا	محمد بن قاسم نے راجا داہر کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بچھا دی۔

باتیں بنانا	حیلے بہانے کرنا	اسے بہت زیادہ باتیں بنانا آتی ہیں۔
بات رہ جانا	عزت بچ جانا	مہمان توقع سے زیادہ آگے لیکن کھانا کم نہ پڑا، شکر ہے بات رہ گئی۔
باچھیں کھلنا	بے حد خوش ہونا	ایوارڈ کے لیے نام زد ہونے پر آصفہ کی باچھیں کھل گئیں۔
بازار گرم ہونا	کثرت ہونا	ہوشیار ہاش! آج کل نوسر بازی کا بازار گرم ہے۔
باغ باغ ہونا	بہت خوش ہونا	ہر کوئی اپنی کامیابی کی خبر سن کر باغ باغ ہو جاتا ہے۔
بال بال بچنا	بہ مشکل بچنا	ریل گاڑی حادثے سے بال بال بچی۔
بال بیکا کرنا	نقصان پہنچانا	ہمارے دلوں میں ایمان کی قوت ہے، دشمن ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔
بال کی کھال اتارنا	بہت چھان بین کرنا	خالہ جان! وال کا بھانڈا یہی ہے، آپ کیوں بال کی کھال اتارتی ہیں؟
بغل گیر ہونا	گلے ملنا	وہ مجھ سے بغل گیر ہوا تو میرے سب گلے شکوے دور ہو گئے۔
بغلیں جھانکنا	شرمندہ ہونا	لڑکے کو اس کی چوری کا ثبوت جب اسے دکھایا گیا تو وہ بغلیں جھانکنے لگا۔
بے پرکی اڑانا	جھوٹی بات پھیلانا	نجمہ کی باتوں میں نہ آنا، وہ تو بے پرکی اڑاتی رہتی ہے۔
پیزا اٹھانا	ذمہ داری قبول کرنا	قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی آزادی کا بیڑا اٹھایا۔
بیل منڈھے چڑھنا	منصوبہ پورا ہونا	یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔
بھانڈا پھوڑنا	راز فاش ہونا	آخر کار پولیس نے چور کا بھانڈا پھوڑ دیا۔
پاپڑ بیلنا	مشقت اٹھانا	غریب آدمی کو زندگی بسر کرنے کے لیے بہت پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔
پالا پڑنا	واسطہ پڑنا	اللہ کرے ہمارا کسی رشوت خور افسر سے پالا نہ پڑے۔
پانچوں گھی میں ہونا	مزے ہونا	آج کل اس کی پانچوں گھی میں ہیں کیوں کہ اس کا انعام نکل آیا ہے۔
پانی بھرنا	فلای کرنا	وہ ساری زندگی اپنے مرشد کا پانی بھرتا رہا۔
پانی پانی ہونا	شرمندہ ہونا	وہ نقل کرتا پکڑا گیا تو شرم سے پانی پانی ہو گیا۔
پانی پھیر دینا	برباد کر دینا	بیٹے نے قیل ہو کر باپ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔
پٹا پانی ہونا	خوف زدہ ہونا	سانپ کے خوف سے میرا تو پٹا پانی ہو گیا۔
پٹی پڑھانا	بہکانا	ماں نے بیٹے سے کہا: بیٹا! تمہاری بیوی تمہیں غلط پٹی پڑھا رہی ہے۔
پرتولنا	تیار ہونا	آج کل صہیب لندن جانے کے لیے پرتول رہا ہے۔
پرزے اڑانا	شدید تکلیف چینی کرنا	اشکر فاروقی نے فریاد صدیقی کی غزل کے پرزے اڑا کر رکھ دیے۔

پُرسا دینا	تعزیت کے لیے جانا	اکرم کے ابوکی وفات پر میں اسے پرسا دینے اس کے گھر گیا۔
پروان چڑھنا	پھلنا پھولنا	دل میں کتنی ہی امیدیں پروان چڑھیں مگر ایک بھی پوری نہ ہوئی۔
پگڑی اچھالنا	بے عزت کرنا	بزرگوں کی پگڑی اچھالنا انتہا درجے کی بداخلاقی ہے۔
پہل پڑنا	ٹوٹ پڑنا	شہد کی ہکھیوں کے چھتوں کو چھیڑا گیا تو وہ لڑکوں پر پہل پڑیں۔
پو بارہ ہونا	دارے نیارے ہونا	اچھی نوکری ملنے پر علی کے تو گو یا پو بارہ ہو گئے ہیں۔
پیٹ پر پتھر باندھنا	بھوک کا سامنا کرنا	غریب آدمی پیٹ پر پتھر باندھ کر زندگی گزارتا ہے۔
پیٹ کاٹنا	خرچ میں کمی کرنا	ماں نے پیٹ کاٹ کاٹ کر اپنے بیٹے کو پڑھایا۔
پیٹ کا ہلکا ہونا	راز نہ رکھ سکتا	وہ پیٹ کا بہت ہلکا ہے ہر راز اپنے دل میں نہیں رکھ سکتا۔
پھوٹ بہنا	زار زار رونا	آج تو غم کے بادل ایسے اٹھے کہ وہ سب کے سامنے ہی پھوٹ بہا۔
تاخت و تاراج کرنا	لوٹ مار کرنا، برباد کرنا	دلی کوتاہت و تاراج کیا گیا تو میر تقی میر لکھنو ہجرت کر گئے۔
تارے گننا	بے چینی میں رات کاٹنا	بچہ بیمار تھا اس لیے ماں نے ساری رات تارے گن کر گزاری۔
ترکی بہ ترکی جواب دینا	منہ توڑ جواب دینا	مدعی کا وکیل مضم کے وکیل کو ترکی بہ ترکی جواب دیتا رہا۔
ترکی تمام ہونا	بہادری ختم ہونا	ہماری فوج کے جوانی حملے پر دشمن فوج کی ترکی تمام ہو گئی۔
تنگنی کا ناچ نچانا	بہت پریشان کرنا	بہو نے گھر آتے ہیں ساس کو خوب تنگی کا ناچ نچایا۔
تن بدن میں آگ لگنا	بہت غصے میں آنا	کڑوا سچ سن کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔
تین پانچ کرنا	بحث کرنا	میرے ساتھ تین پانچ نہ کرو، اپنے بھائی سے سچی بات پوچھ لو۔
تین تیرہ ہونا	منتشر ہونا	پولیس پہنچی تو تھوڑی ہی دیر میں جلوس مال روڈ سے تین تیرہ ہو گیا۔
تین حرف بھیجنا	لعنت بھیجنا	میں جھوٹوں پر تین حرف بھیجتا ہوں۔
ٹاک ٹوئیاں مارنا	اندازے سے کام لینا	ٹاک ٹوئیاں مارنے سے منزل نہیں ملتی۔
ٹاک سا جواب دینا	صاف جواب دے دینا	تھوڑی سی مدد کیا مانگ لی، تم نے تو ٹاک سا جواب دے دیا۔
ٹس سے مس نہ ہونا	ذرا بھی اثر نہ ہونا	سلمیٰ کو اس کی والدہ نے بہت سمجھایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔
ٹسے بہانا	جھوٹ موٹ کارونا	ٹسے مت بہاؤ، مجھے تمھاری فطرت کا پتا ہے۔
ٹیزھی آنکھ سے دیکھنا	غصے سے دیکھنا	نہ جانے کیوں وہ آج تمھیں ٹیزھی آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔
ٹیزھی کھیر ہونا	کام کا مشکل ہونا	پہاڑی پر چڑھنا میرے لیے ٹیزھی کھیر ثابت ہوا۔

ثواب کمانا	نیکی حاصل کرنا	جہاں تک ممکن ہو، حاجت مندوں کی مدد کر کے ثواب کمائو۔
ثابت قدم رہنا	قائم رہنا	مشکلات کے باوجود ثابت قدم رہنا کامیابی کی دلیل ہے۔
جان پر کھیلنا	جان قربان کرنا	ہم اپنی جان پر کھیل کر وطن کی حفاظت کریں گے۔
جان توڑ کوشش کرنا	بہت کوشش کرنا	اگر تم جان توڑ کوشش کرو گے تو یقیناً کامیاب ہو جاؤ گے۔
جان جوکھوں کا کام کرنا	خود کو مشکل میں ڈالنا	آج کل حلال روزی کمانا جان جوکھوں کا کام ہے۔
جان میں جان آنا	سکون مل جانا	کھانا دیکھ کر ہماری جان میں جان آئی۔
جلتی پرتیل ڈالنا	جھگڑا اور بڑھانا	گالی نے جلتی پرتیل کا کام کیا اور لڑائی جھگڑا شدت اختیار کر گیا۔
خلل دینا	چکمد دینا، دھوکا دینا	چور پولیس کو خلیں دے کر بھاگ گیا۔
جلی کٹی سنانا	برا بھلا کہنا	تم ہر وقت جلی کٹی سنا تے رہتے ہو، کبھی لہجے میں شیرینی بھی لایا کرو۔
جنگل میں منگل ہونا	ویرانے میں رونق ہونا	موسم بہار کی آمد سے دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں منگل ہو گیا ہے۔
جوتیاں پختانا	مارے مارے پھرنا	کاروبار کے بجائے نوکری کے لیے جوتیاں مت پختاؤ۔
جوتیاں سیدھی کرنا	بہت تعظیم کرنا	بڑوں کی جوتیاں سیدھی کرنا کسی سعادت سے کم نہیں!
جوتیوں میں وال بنانا	آپس میں پھوٹ پڑنا	ہر کسی کو اپنا مفاد عزیز تھا اس لیے جلد ہی ان کے درمیان جوتیوں میں وال بننا شروع ہو گئی۔
جی بھر آنا	غم زدہ ہونا	بچے کی نازک حالت دیکھ کر میرا جی بھر آیا۔
جی بھرنا	اکتا جانا	ٹیلی ویژن دیکھنے سے میرا جی بھر چکا ہے۔
جی چرانا	کترانا	محنت سے جی چرانے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔
چر چاہونا	شہرت ہونا	آج کل مغربی جمہوریت کا بہت چر چاہ ہے۔
چار چاند لگانا	رونق دو بالا ہونا	علی کی بورڈ میں اوّل پوزیشن نے کالج کی شہرت کو چار چاند لگا دیے۔
حرف آنا	عیب لگانا، الزام لگانا	ہم اپنے وطن کی عزت پر حرف نہیں آنے دیں گے۔
حواس باختہ ہونا	گھبرا جانا	ہم کے دھماکے سے میں حواس باختہ ہو گیا۔
خاطر جمع رکھنا	مطمئن رہنا	خاطر جمع رکھیے، سلیم اپنا وعدہ ضرور نبھائے گا۔
خاطر میں نہ لانا	پروانہ کرنا	ہم تو کسی رعب جھاڑنے والے کو خاطر میں نہیں لاتے۔
خاک چھاننا	بہت جھنجھو کرنا	دولت و عزت حاصل کرنے کے لیے بہت خاک چھاننی پڑتی ہے۔
خاکہ اڑانا	رسوا کرنا، مذاق کرنا	خاکہ تحریر کرنے اور خاکہ اڑانے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

خبر گرم ہونا	چرچا ہونا، شہرت ہونا	یہ خبر گرم ہے کہ کل یوم آزادی کے حوالے سے ملک بھر میں عام تعطیل ہوگی۔
خدا گنتی کہنا	انصاف کی بات کہنا	بہن! میں تو خدا گنتی کہوں گی، ناراض نہ ہونا۔
خفت اٹھانا	شرمندہ ہونا	جلیل کو اپنے بیٹے کی نالائقی پر بار بار خفت اٹھانا پڑتی ہے۔
خون پینا ایک کرنا	سخت محنت کرنا	والدین اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خون پینا ایک کر دیتے ہیں۔
خون خشک ہونا	گھبرا جانا	شیر کو اچانک سامنے دیکھ کر میرا خون خشک ہو گیا۔
خون سفید ہونا	بے مروت ہو جانا	ماں بیمار ہے اور وہ کھیل کود میں مصروف، سچ ہے کہ آج کل خون سفید ہو گیا ہے۔
خون کے گھونٹ پینا	غصہ برداشت کرنا	اس نے مجھے گالی دی مگر میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔
داغ تیل ڈالنا	بنیاد رکھنا	ہمیں ہر اچھے کام کی داغ تیل ڈالنی چاہیے۔
وال گلنا	مقصد پورا ہونا	وکیل کی دلیلوں کے سامنے ملزم کی دال گنتی نظر نہیں آتی۔
دال میں کچھ کالا ہونا	کچھ شبہ والی بات ہونا	اس کی خاموشی بتاتی ہے کہ دال میں کچھ ضرور کالا ہے۔
دام میں آنا	جال میں پھنسنا	آج کے بچے کم ہی دغا بازوں کے دام میں آتے ہیں۔
دامن تر ہونا	گناہ گار ہونا	تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جانیو دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
دانت کاٹی روئی کھانا	گہری دوستی رکھنا	وہ مجھے اتنا عزیز ہے کہ میں اس کی دانت کاٹی روئی کھاتا ہوں۔
دانت کھٹے کرنا	سخت ہزیمت دینا	ہماری فوج نے سازشی عناصر کے بارہا دانت کھٹے کیے ہیں۔
درپے ہونا	پچھلے لگنا	وہ مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔
دست بردار ہونا	چھوڑ دینا	میں اس گھٹیا کھیل سے دست بردار ہو چکا ہوں۔
دست نگر ہونا	محتاج ہونا	خدا کسی کو کسی کا دست نگر نہ کرے۔
دکان بڑھانا	دکان بند کرنا	کوئی کیوں کسی کا بھائے دل کوئی کیا کسی سے لگائے دل وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے ہم اپنے وطن کی خوش حالی کے لیے کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے۔
دقیقہ اٹھانہ رکھنا	کوئی کسر نہ چھوڑنا	ہم اپنے وطن کی خوش حالی کے لیے کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے۔
دل بھرا آنا	غمگین ہونا	غریب کی حالت زار دیکھ کر میرا دل بھرا آیا۔
دم بھرنا	دعوئی کرنا	وہ ہمیشہ مجھ سے دعویٰ کا دم بھرتا ہے، کبھی اسے آزما کے دیکھوں گا۔
دم دبا کر بھاگنا	ڈر کر بھاگ جانا	شیر کو دیکھتے ہی گیدڑ دم دبا کر بھاگ گیا۔
دن پھرنا	اجھے دن آنا	اللہ کے فضل خاص سے غریب کے دن پھر گئے۔
دنک رہ جانا	حیران ہو جانا	نور محل کا فن تعمیر دیکھ کر سیاح دنک رہ گئے۔

دور کی کوڑی لانا	دور کی بات سوچنا	وہ ہر بات میں دُور کی کوڑی لاتا ہے۔
دوڑ دھوپ کرنا	بہت کوشش کرنا	مجھے یہ نوکری بہت دوڑ دھوپ کر کے ملی ہے۔
دھان پان ہونا	دبلا پتلا ہونا	ہر چند قائد اعظمؒ دیکھنے میں دھان پان تھے مگر عزم و حوصلہ کے کوہِ گراں تھے۔
دھرنادینا	احتجاجاً جام کر بیٹھنا	کشمیر کی آزادی کے حق میں طلبہ نے جگہ جگہ دھرنے دیے۔
دیدوں کا پانی ڈھلانا	بے حیا ہونا	وہ بڑوں کی عزت نہیں کرتا کیوں کہ اس کے دیدوں کا پانی ڈھل گیا ہے۔
ڈکار تک نہ لینا	ہضم کر جانا	اس نے لاکھوں روپے حرام کھائے مگر ڈکار تک نہ لی۔
ڈنڈے بجانا	آوارہ پھرنا	حرام کی کمائی کا نتیجہ ہے کہ اس کے بچے ڈنڈے بجاتے پھرتے ہیں۔
ڈنکا بجانا	شہرت ہونا	ہمارے افسر کی شرافت کا شہر بھر میں ڈنکا بجاتا ہے۔
ڈورے ڈالنا	پھانسنے کی کوشش کرنا	دغا باز نے محمود پر ڈورے ڈالنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔
ڈول ڈالنا	بتیادر کھنا	چشتی صاحب نے فیصل آباد میں نعت گوئی کا ڈول ڈالا اور اسے ہم نعت بنایا۔
ڈھارس بندھانا	تسلی دینا	امتحان میں ناکامی پر میری ماں نے میری ڈھارس بندھائی۔
ڈھنڈ یا پڑنا	مطالعہ ہونا	جب بچہ گھرواپس نہ آیا تو شہر بھر میں اس کی ڈھنڈ یا پڑ گئی۔
ڈھونگ رچانا	دھوکا دینا	چالاک لوگ ہر روز نیا ڈھونگ رچاتے ہیں۔
ڈیرے ڈالنا	قیام کرنا	ہم نے آج کل اپنے دوست کے ہاں ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔
ڈہن لڑانا	بہت غور و فکر کرنا	بہت ڈہن لڑانے کے بعد مجھے اس شعر کی سمجھ آئی۔
رات دن ایک کرنا	سخت محنت کرنا	منظر پیلوری صاحب کورات دن ایک کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔
راہ ہونا	محبت ہونا	دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔
رفو چکر ہونا	کھسک جانا	پولیس کو دیکھ کر چور رفو چکر ہو گیا۔
رنگ فق ہونا	چہرے کا رنگ اڑ جانا	جھوٹ پکڑے جانے پر صاحبہ کا رنگ فق ہو گیا۔
رنگ لانا	اثر دکھانا	اس کی شبانہ روز محنت آخر کار رنگ لے آئی۔
رنگ میں بہنگ ڈالنا	خوشی میں رنج پیدا کر دینا	ہم اچھے خاصے پڑھ رہے تھے کہ شرابی بچوں نے آتے ہی ہمارے رنگ میں بہنگ ڈال دیا۔
روپ دھارنا	شکل بنانا	منافق لوگ ہر روز نیا روپ دھارتے ہیں۔
روشنی ڈالنا	بیان کرنا	معلم نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات پر روشنی ڈالی۔
ریل ٹیل ہونا	کثرت ہونا	نسیم کے گھر میں آج کل دولت کی بہت ریل ٹیل ہے۔
زبان زد خاص و عام ہونا	مشہور ہونا	غالب کے بہت سے اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔

زخم پر نمک چھڑکنا	کسی دکھی شخص کو ستانا	اس بے وفا کی کی باتیں کر کے میرے زخموں پر نمک مت چھڑکو۔
زمین کا گز ہونا	وقت سفر میں گزرنا	ہم نے تو زمین کا گز ہو کر زندگی گزار دی۔
زمین میں گڑ جانا	سخت شرمندہ ہونا	اخبار میں اپنی ناکامی کی خبر پڑھ کر میں زمین میں گڑ گیا۔
زہر کے گھونٹ پینا	غصہ ضبط کرنا	بزوں کی عزت کا خیال تھا اس لیے میں غلط بات سن کر بھی زہر کے گھونٹ پی گیا۔
زیر و زبر کرنا	الٹ پلٹ کرنا	شرارتی بچے گھر کی ہر چیز زیر و زبر کر دیتے ہیں۔
سانپ سوگھ جانا	خاموشی چھا جانا	سچ بات سن کر اسے سانپ سوگھ گیا۔
سبز باغ دکھانا	لاچ دینا، دھوکا دینا	نوسر باز نے سبز باغ دکھا کر خاتون کو نقلی زیور بیچ دیے۔
سبک سر ہونا رہنا	بے عزت ہونا	وہ اپنی ٹخنوں نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
سبز قدم ہونا	منحوس ہونا	یہ لڑکا سبز قدم ثابت ہوا ہے، جب سے آیا ہے نقصان پر نقصان ہو رہا ہے۔
سٹی گم ہونا	اوسان خطا ہونا	تقریر کیا خاک کرتا، اتنا بڑا مجمع دیکھ کر میری تو سٹی گم ہو گئی۔
سر آنکھوں پر بٹھانا	عزت دینا	قوم اپنے ہر سپوت کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے۔
سر قلم کرنا	سر کاٹ دینا	قاضی عدالت نے قاتل کا سر قلم کرنے کی سزا سنائی۔
سر و کار رکھنا	تعلق رکھنا	میں بدذوق لوگوں سے کم ہی سروکار رکھتا ہوں۔
سکوت توڑنا	بول پڑنا	میں نے محفل کا سکوت توڑنے کے لیے سیاست پر بات شروع کر دی۔
سمندر بلونا	بہت چھان پھٹک کرنا	میاں! اپنی اونچائی۔ ڈی کرنا کوئی آسان کام نہیں، اس میں متعلقہ مود اور کتابوں کا حصول سمندر بلونے کے مترادف ہوتا ہے۔
سنائے میں آ جانا	حیرت زدہ ہونا	ایشی جنگ کی دھمکی کا سن کر ہر ملک سنائے میں آ گیا۔
سورج کو چراغ دکھانا	دانا کو دانائی سکھانا	کوثر علی کو کجاوڑے کا مفہوم بتانا دراصل سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔
سیخ پا ہونا	غصے میں تلملانا	بچے کے منہ سے گالی سن کر اس کا باپ سیخ پا ہو گیا۔
سینگ سانا	جگہ ملنا	میرا کیا ہے، جہاں سینگ سمانے، پڑا رہوں گا۔
سیر چشم ہونا	مطمئن ہونا	فردوس کو بھی آنکھ اٹھا دیکھتے نہیں کس درجہ سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ
شاق گزرنے	ناگوار معلوم ہونا	اس کا میرے منہ پر جھوٹ بولنا مجھے بہت شاق گزرا۔
شرط بدنا	شرط لگانا	ہر بات پر شرط بدنا شریفوں کا شیوہ نہیں۔

شش و پنج میں پڑنا	سوچ بچار کی کیفیت	علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کی وضاحت کرتے ہوئے وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔
شگوفہ چھوڑنا	نئی بات کرنا	ہر وقت کوئی نہ کوئی شگوفہ چھوڑنا عظمیٰ کی عادت ہے۔
شیر و شکر ہونا	میل ملاپ ہونا	رسول اللہ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر دشمن قبائل بھی آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔
شہین قاف درست ہونا	ملاحظہ صحیح ہونا	وہ بڑی نستعلیق شخصیت ہیں اور ان کا شہین قاف درست ہے۔
شہنی بگھارنا	ڈینگ مارنا	خوجی میاں موقع بہ موقع شہنی بگھارتے رہتے تھے۔
شیطان کی آنت ہونا	طویل ہونا	یہ راستہ تو ہمارے لیے شیطان کی آنت ہو گیا ہے، طے ہونے میں ہی نہیں آ رہا۔
صادر فرمانا	جاری کرنا	حکومت کی طرف سے پٹرول کی قیمتیں کم کرنے کا حکم صادر فرما دیا گیا ہے۔
صبر پڑنا	مظلوم کے صبر کا اثر ظاہر ہونا	دھوکا دہی چھوڑ دو ورنہ کسی غریب کا صبر پڑ جاتا ہے۔
صبر کا پیمانہ لیریز ہونا	صبر نہ ہو سکتا	اس کا جھوٹ بن کر میرے صبر کا پیمانہ لیریز ہو گیا اور میں نے اسے چپ کر دیا۔
صلواتیں سنانا	گالیاں دینا	بچوں نے دیوانے کو چھیڑا تو اس نے خوب صلواتیں سنائیں۔
ضرب المثل ہونا	کہاوت کی طرح مشہور ہونا	حاتم طائی کی سخاوت ضرب المثل ہو چکی ہے۔
طاق نسیاں ہونا	بھول جانا	یا تجھیں ہم کو کبھی رنگ رنگ بزم آرائیاں لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں
طاق ہونا	ماہر ہونا	ایضہ حساب کتاب کے معاملے میں بڑی طاق ہے۔
طرح ڈالنا	بنیاد رکھنا	حکیم سعید نے کراچی میں ہمدرد واد خانہ کھول کر علاج معالجے کی طرح ڈالی۔
طشت از بام ہونا	راز ظاہر ہونا	دشمن ملک عناصر کا سارا منصوبہ طشت از بام ہو گیا۔
طوطا چشم ہونا	مطلبی ہونا	طوطا چشم لوگ کام نکلتے ہی آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔
طومار باندھنا	بات بڑھا کر بیان کرنا	مختصر لفظوں میں اپنا مقصد بیان کرو، یوں طومار باندھنے کا کیا فائدہ!
ظلم ڈھانا	آفت ڈھانا	دودھ میں ملاوٹ کرنے والے عوام پر ظلم ڈھاتے ہیں۔
عاق کرنا	محروم کرنا	باپ نے ناخلف بیٹے کو جائیداد سے عاق کر دیا۔
عبرت پکڑنا	سبق حاصل کرنا	ہمیں ظالموں کے انجام سے عبرت پکڑنی چاہیے۔
عزت خاک میں ملانا	بے عزت کر دینا	تم نے چوری کر کے اپنے والدین کی عزت خاک میں ملا دی۔
عش (اش) کرنا	آفرین کہنا	طلبہ ریاض احمد قادری کا تازہ کلام سن کر عش (اش) کر رہے تھے۔

عقدہ ہونا	مشکل آسان ہونا	وہ کون سا عقدہ ہے جو اہم نہیں سکتا ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا
عقل پر پتھر پڑنا	بے سمجھی کی بات کرنا	کیا تمہاری عقل پر پتھر پڑے ہیں جو ملا زمت چھوڑ رہے ہو؟
عقل کے ناخن لینا	ہوش کی بات کرنا	عقل کے ناخن لو! بڑوں سے یوں بات نہیں کرتے۔
عملی جامہ پہنانا	کام کر کے دکھانا	ہمیں فلاحی منصوبوں کو جلدی عملی جامہ پہنانا چاہیے۔
عقنا ہونا	نایاب ہونا	اس دور میں جنس وفاق عقنا ہوتی جا رہی ہے۔
عید کا چاند ہونا	کبھی کبھی نظر آنا	ماموں جان! آپ تو ہمارے لیے عید کا چاند ہو گئے ہیں۔
غبار آنا	دل میں رنج پیدا ہونا	نہ جانے کیوں اس کے دل میں میرے لیے غبار آیا۔
غبار نکالنا	غصہ نکالنا	استاد نے دل کا غبار بے قصور شاگرد پر نکال دیا۔
غتر بود (غتر بود) کرنا	گڈ مذکرنا	مضمون کی تفصیل میں اس نے عجیب غتر بود کیا ہوا ہے۔
غصہ پینا	غصے کو بالینا	اس کی غلطی تو ناقابل معافی تھی مگر میں غصہ پی گیا۔
غم غلط کرنا	غم کو بھلانا	میں تاریخی ناول پڑھ کر اپنا غم غلط کرتا ہوں۔
غم کھانا	دکھ سہنا	ہمیں غریبوں کا غم کھانا چاہیے۔
فرائے بھرنا	تیزی سے گزر جانا	فرائے بھرتی ہوئی کار میرے پاس سے گزری۔
فقرے چست کرنا	آوازیں کسنا	کچھ شرارتی لڑکے بزرگوں پر فقرے چست کرتے ہیں۔
فیل چھانا	جھوٹ موٹ کارونا	نوسر باز نے فیل چھپا کر پولیس کی حمایت حاصل کر لی۔
قافیہ ننگ کرنا	مجبور کرنا	میرا اتنا بھی قافیہ ننگ نہ کرو کہ میں کچھ کر گزروں۔
قدم رنج فرمانا	تشریف لانا	وزیر تعلیم آج ہمارے کالج میں قدم رنج فرما میں گے۔
قدم لینا	تعلیم کرنا	گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاساں کے لیے
قلع کھل جانا	اصلیت ظاہر ہونا	جھوٹ پکڑے جانے پر اس کی قلع کھل گئی۔
قیامت ڈھانا	غضب کرنا	کرونا کی وبا نے مسلسل دو سال دنیا پر قیامت ڈھائے رکھی۔
کاغذ کھولنا	عیب فاش کرنا	رپورڈ نے بد عنوان افسر کے کاغذ کھول دیے۔
کاغذی گھوڑے دوڑانا	بہت خط کتابت کرنا	جناب! کاغذی گھوڑے دوڑانے کے بجائے کوئی عملی کام کر کے دکھائیے۔
کافور ہونا	غائب ہو جانا	جب میں نے اسے آنکھیں دکھائیں تو اس کی ساری بد معاشی کافور ہو گئی۔

کا لے کوسوں دور ہونا	بہت فاصلہ ہونا	اگر وسائل نہ ہوں تو قریبی شہر بھی کا لے کوسوں دور ہو جاتے ہیں۔
کانٹوں میں گھسیٹنا	شرمندہ کرنا	براہ کرم! میری تعریفیں کر کے مجھے کانٹوں میں نہ گھسیٹیں۔
کان کھڑے ہونا	چوکنا ہونا	قدموں کی چاپ سن کر چور کے کان کھڑے ہو گئے۔
کتاب کا کیزا ہونا	زیادہ پڑھا کو ہونا	عالیہ تو کتاب کا کیزا بن چکی ہے، جب دیکھو کتابوں میں گھسی رہتی ہے۔
کتر بیوت کرنا	کاٹ چھانٹ کرنا	ایڈیٹر نے مضمون کی بہت کتر بیوت کی۔
کبیدہ خاطر ہونا	افسردہ ہونا	وہ ذرا ذرا سی بات پر کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔
گھل کھیلنا	یکسر آزاد ہو جانا	باپ کی آنکھ کیا بند ہوئی، بیٹے کو گھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔
کلنک کا ڈیکا لگنا	رسوائی ہونا	اولاد کی بری شہرت والدین کے لیے کلنک کا ڈیکا ہوتی ہے۔
کنارہ کرنا	الگ ہو جانا	میں نے ہر بری صحبت سے کنارہ کر لیا ہے۔
گاڑھی چھیننا	بہت محبت ہونا	آج کل میری حکیم ارشد سے گاڑھی چھین رہی ہے۔
گاؤ خورد ہونا	ضائع ہو جانا	اس کی شاعر بننے کی ساری کوششیں گاؤ خورد ہو گئیں۔
گت بنانا	حالت بری کر دینا	نقادوں نے تنقیدی نشست میں شاعر کی خوب گت بنائی۔
گردن ناپنا	سراڑا دینا	ارطغرل غازی نے مجرم کی گردن ناپ دی۔
گرہ میں باندھنا	یاد رکھنا، پلے باندھ لینا	میں نے اپنے باپ کی نصیحتیں گرہ میں باندھ رکھی ہیں۔
گل کھلانا	عجیب کام کرنا	رشید کو کالج میں داخلہ مل گیا ہے، اب دیکھیں وہ کیا گل کھلاتا ہے۔
گلے کا ہار ہونا	ہر وقت کا ساتھ رہنا	بیٹیاں اپنی ماؤں کے گلے کا ہار ہوتی ہیں۔
گولر کا پھول کھلنا	ان ہوتی بات ہونا	آج تو تیرے جیسے کنجوس نے سخاوت کیا دکھائی گویا گولر کا پھول کھل گیا۔
گوٹکے کا گڑ کھانا	چُپ سادھنا	آج تو خالد نے گوٹکے کا گڑ کھایا ہے، کچھ بولتی ہی نہیں۔
گھوڑے سے بچ کر سونا	بے فکری سے سونا	امتحان سر پہ ہے اور تم اب بھی گھوڑے سے بچ کر سوائے ہوئے ہو۔
گھی کے چراغ جلانا	جشن منانا	والدین نے بیٹے کی کامیابی پر گھی کے چراغ جلانے۔
گت پڑنا	عادت پڑنا	نشے کی لت پڑ جائے تو زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔
لال پیلا ہونا	غضب ناک ہونا	افسر اپنے ماتحت پر بلاوجہ لال پیلا ہوا۔
لام کاف بکنا	بذ بانی کرنا	افسری کے نشے میں ماتحتوں پر بلاوجہ لام کاف نہیں بکنا چاہیے۔
لقو ہونا	فریفتہ ہونا	ساس اپنی خوب صورت بہو پر لگو ہو رہی ہے۔
لڈیا ڈیونا	بات بگاڑنا	طلبہ نے امتحان میں بہت کم نمبر لے کر ادارے کی لڈیا ڈیو دی۔

لوہا ماننا	کسی کے ہنر کا قائل ہونا	اتنی محنت کرو کہ دنیا کو تمھاری ہمت کا لوہا ماننا پڑے۔
لیت و لعل کرنا	نال منول کرنا	لیت و لعل کرنے کے بجائے اپنا وعدہ پورا کرو۔
لیپا پوتی کرنا	چاپلوسی کرنا، خوشامد کرنا	لیپا پوتی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، میں تو میرٹ پر کام کروں گا۔
لے دے کرنا	ملا مت کرنا	اس کی ہر وقت لے دے کرنے کی عادت نے اسے نقصان پہنچایا۔
مانگ اجڑنا	بیوہ ہونا	اس بے چاری کی نوجوانی ہی میں مانگ اجڑ گئی۔
مسجد ٹھنڈی کرنا	مسجد شہید کرنا	مسجد ٹھنڈی کر کے اس کی از سر نو تعمیر ہوگی۔
مسیں بھیگنا	نوجوانی کا آغاز ہونا	راشد منہاس کی ابھی مسیں ہی بھیگی تھیں کہ وطن پر قربان ہو گئے۔
مٹھکھ اڑانا	ہنسی اڑانا	غریبوں کا مٹھکھ اڑانے والوں کا فطرت مٹھکھ اڑتی ہے۔
منہ دیکھتے رہ جانا	حیران رہ جانا	کھلاڑی نے اتنی لمبی چھلانگ لگائی کہ سب منہ دیکھتے رہ گئے۔
منہ کی کھانا	فکست کھانا	دشمن نے جب جب ہمارے ملک کے ساتھ چھیڑ خوانی کی، تب تب منہ کی کھائی۔
منہ میں پانی بھر آنا	جی لپچانا	گول گپے دیکھ کر بچوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔
مات کھانا	بار جانا	افسوس میرا فن غربت کے ہاتھوں مات کھا گیا۔
موم کی ناک ہونا	غیر مستقل مزاج ہونا	اس کی زندگی کا ہر فیصلہ موم کی ناک ثابت ہوا۔
میل کا تیل بنانا	انتہائی مبالغہ آمیزی کرنا	میل کا تیل بنانا تو کوئی اس تیز طرار لڑکی سے سیکھے۔
نڈھال ہونا	نیم بے ہوش ہونا	بچہ گم ہو گیا تو اس کی ماں غم کے مارے نڈھال ہو گئی۔
ناک میں دم کرنا	بہت تنگ کرنا	طیب نے اپنی شر اتوں سے سب کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔
ناک ٹھوں چڑھانا	تیوری چڑھانا	کوئی اس سے کیا بات کرے، ہر وقت تو وہ ناک ٹھوں چڑھائے رکھتا ہے۔
ناک کا بال ہونا	بہت قریب ہونا	تم تو فرحت کی ناک کا بال ہو، جب دیکھو اس کے ساتھ چھٹے رہتے ہو۔
ناکوں چنے چہوانا	بہت دق کرنا	عرقان نے تقریری مقابلے میں عمدہ تقریر کر کے مقابلے میں آنے والے تمام لڑکوں کو ناکوں چنے چہوا دیے۔
نالش کرنا	مقدمہ دائر کرنا	اس شریف آدمی کے خلاف نالش کرنے کا جواز نہیں بنتا تھا۔
نو تیرہ بانکس بتانا	ترخانا، نالنا	قرض واپس کرنے کے بجائے تم مجھے نو تیرہ بانکس بتا رہے ہو۔
نودو گیارہ ہونا	رفو چکر ہونا	چور پولیس کو دیکھتے ہی نودو گیارہ ہو گیا۔
نہال کرنا	خوش کرنا	معصوم بچے نے شرارت کر کے ماں باپ کو نہال کر دیا۔
وارے نیارے ہونا	خوب فائدے اٹھانا	اگر میری لاٹری نکل آئے تو میرے وارے نیارے ہو جائیں گے۔

واہی تباہی مکن	بیہودہ باتیں کرنا	واہی تباہی کہنے سے انسان اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔
وبال جان ہونا	مصیبت کا باعث ہونا	ڈینگلی وارنر تو ہمارے لیے وبال جان بن گیا ہے۔
وجد میں آنا	مست ہو جانا	اتنی پرسوز آواز سن کر سارا مجمع وجد میں آ گیا۔
وضع بدلنا	طور طریقے بدلنا	بڑے لوگ اپنی وضع نہیں بدلتے بلکہ اپنی وضع داری پر قائم رہتے ہیں۔
وقت کاٹنا	وقت گزارنا	بھوک ہو یا تنگ، بہر حال وقت کاٹنا ہی پڑتا ہے۔
ہاتھ اٹھانا	وست بردار ہونا	میں نے پیشہ ور گدا گروں کی مدد سے ہاتھ اٹھالیا ہے۔
ہاتھ بنانا	مدد کرنا	پیشیاں گھر کے کاموں میں ماں کا ہاتھ بنایا کرتی ہیں۔
ہاتھ پاؤں مارنا	کوشش کرنا	ہاتھ پاؤں ماریں گے تو ان شاء اللہ منزل پالیں گے۔
ہاتھ رنگنا	نفع کمانا	بے ایمانی سے ہاتھ رنگنا زندگی میں بے برکتی لاتا ہے۔
ہاتھ ملنا	پچھتانا	اس نے وقت پر محنت نہیں کی، اب ہاتھ ملنا نظر آتا ہے۔
ہاتھوں کے طوطے اڑنا	حواس باختہ ہونا	پولیس کو سامنے پا کر چور کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔
ہوا سے باتیں کرنا	بہت تیز ہونا	شام کو واہسی پر کوچوان کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔
ہوا دینا	اشتعال دینا، اکسانا	ہوش کے ناخن لیں، ہوا دینے سے مسائل بڑھتے ہیں، حل نہیں ہوتے۔
ہوائی قلعے تعمیر کرنا	وہابی منصوبے بنانا	ایسے حکمران جو ہوائی قلعے تعمیر کر کے عوام کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی مقبولت کھودیتے ہیں۔
یاد اللہ ہونا	جان پہچان ہونا	میرا ان سے آج کا تعلق نہیں، پرانی یاد اللہ ہے۔
ید طولی رکھنا	مہارت رکھنا	حکیم سعید بخاری حکمت میں ید طولی رکھتے ہیں۔
یک جان دو قالب ہونا	گہری دوستی ہونا	فاروق اور مسعود یک جان دو قالب ہیں، ہمیشہ اکٹھے نظر آتے ہیں۔



## ضرب الامثال

ضرب المثل عربی زبان کی ترکیب ہے جس کے معنی امثال بیان کرنا ہے۔ اردو میں اس کے لیے کہاوت کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ ضرب المثل سے کسی واقعے، قصے یا کہانی کا احاطہ ہوتا ہے۔ گو یا ضرب المثل سے مراد روزمرہ زندگی کے بارے میں کوئی ایسا جملہ، شعر یا مصرع ہے جو کسی خاص رویے، حقیقت یا اصول کو بیان کرے۔ روزمرہ اور محاورہ کے ساتھ ساتھ ضرب الامثال کا استعمال بھی تحریر کو مؤثر اور خوب صورت بناتا ہے۔ چند مشہور ضرب الامثال کا مفہوم اور ان کے محل استعمال کی مثالیں درج ذیل ہیں:

ضرب الامثال	مفہوم اور محل استعمال
آپ کھائے پئی بتائے	دوسروں کے سراپنا الزام تھوپ دینا۔
آدھا تیرا آدھا تیرا	بے جوڑ اور بے ڈھنگا ہونا۔
آج مرے کل دوسرا دن	فانی زندگی ظاہر کرنے کے لیے بولتے ہیں۔
آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا	ایک مصیبت سے چھٹکارا پانا اور دوسری میں پھنس جانا۔
آسمان کا تھوکا منہ پر آتا ہے	عزت داروں کی برائی کرنے سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔
آم کے آم گھٹلیوں کے دام	جو چیز ہر طرح فائدہ مند ہو، اس سے دو ہر افائدہ اٹھانا۔
آنکھ اوچھل پھاڑا اوچھل	کسی چیز کا آنکھ کے سامنے نہ ہونا اور پہاڑ کا بیچ میں آ جانا برابر ہے۔
آنکھ کا اندھا، گانٹھ کا پورا	مال دار بے وقوف جو اسراف سے کام لیتا ہے۔
آنکھوں کے اندھے نام نہیں سکھ	عیب کے باوجود خوبی کا دعویٰ کرنا۔ (پنجابی کہاوت: آنکھوں ائی، ناں چراغ بی بی)
آج کا کام کل پر نہ چھوڑو	جو کام آج ہو سکتا ہے اسے کل پر اٹھانہ رکھو۔
اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہوتا ہے	اپنے علاقے میں ہر کسی کی جرأت بڑھ جاتی ہے۔
اپنی اپنی ذلی اپنا اپنا راگ	ہر کوئی اپنے اپنے کام میں خوش رہتا ہے۔
اپنے مین گنوا کے دردر ماگلی بھیک	اپنا مال و دولت برباد کر کے غیروں کے محتاج ہو گئے۔
اس برتے پر تپا پانی	اتنی کم حیثیت اور باتیں بڑی بڑی۔
اکیلا چننا کیا بھاڑ پھوڑے گا	تنہا شخص کچھ نہیں کر سکتا۔
اللے بانس بریلی کو	الٹ کام کرنا۔
اندھا کیا جانے بسنت کی بہار	انجان شخص کسی اچھی چیز کی قدر و قیمت نہیں جان سکتا۔

اندھوں میں کاناراجا	بہت سے نا بھجھوں میں کسی کا تھوڑا سا سمجھ دار ہونا۔
دوسروں کو نصیحت خود مہیاں فضیحت	دوسروں کو عمل کی نصیحت کرنا اور خود بے عمل ہونا۔
اوکھلی میں سردیا تو دھمکوں سے کیا ڈر	خود ہی مصیبت خریدی ہو تو مشکلات سے کیا گھبرانا۔
اونچی دکان پھیکا پکوان	چیز غیر معیاری مگر شہرت بہت۔
اونٹ کے منہ میں زیرہ	زیادہ ضرورت کے بدلے تھوڑی سی چیز دینا۔
ایک انار سو پیار	چیز کم اور ضرورت مند زیادہ۔
ایک ایک دو گیارہ	دو آدمی مل کر کئی گنا زیادہ کام کر سکتے ہیں۔
ایک کرپلا دوسرا نیم چڑھا	برے شخص کے لیے مزید برائی کا سبب پیدا ہونا۔
باپ نہ مارے پدی، بیٹا تیر انداز	باپ تو بزدل تھا اور بیٹا بہادر بنا پھرتا ہے۔
بغل میں بچہ شہر میں ڈھندورا	کوئی چیز اپنے پاس ہو مگر اسے ادھر ادھر تلاش کرتے پھریں۔
بھشو بی ملی چو ہالند ورا ہی بھلا	برائی کی نیت سے کسی کو بھلائی کے لیے پکارا جائے تو یہ کہاوت بولتے ہیں۔
بغل میں چھری منہ میں رام رام	ظاہر میں اچھا مگر باطن میں برا۔
بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی	برا شخص اپنی برائی کی سزا کسی نہ کسی دن ضرور پاتا ہے۔
بلی کے خواب میں تھپتھپڑے	آدمی کو جس چیز سے زیادہ محبت ہوتی ہے، وہ اسی کا ہر وقت ذکر کرتا ہے۔
بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا	خوش قسمتی سے کوئی چیز ہاتھ آ جانا۔
بندر کیا جانے اورک کا سواد	معمولی شخص اعلیٰ درجے کی چیز کی حقیقت نہیں جان سکتا۔
بوزھی گھوڑی لال لگام	بڑھاپے میں بھی نوجوانی دکھانے کے طریقے اپنانا۔
بیکار سے بیگار بھلی	فارغ رہنے سے بغیر اجرت کے کام کرنا اچھا۔
بھاگتے چور کی لٹکونی ہی سہی	کچھ ہاتھ نہ آنے سے جو کچھ بھی ہاتھ آ جائے، وہ نعمت ہے۔
بھینس کے آگے بین بھانا	نادان کو دانائی نہیں سکھائی جاسکتی۔
پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑا ہی میں	ہر طرح مزہ ہے، سب کچھ ہاتھ میں ہے۔
پڑھنے نہ لکھے نام محمد فاضل	ناقابل شخص کا قابل بنے پھرنا۔
چٹھ کہیں ملی تو ملی ہی سہی	بڑے آدمی کی بات کو بغیر بحث کے مان لینا چاہیے۔

تالی ایک ہاتھ سے نہیں بھتی	کوئی کام یک طرفہ نہیں ہو سکتا۔
تو ڈال ڈال میں پات پات	میں تجھ سے بھی زیادہ ہوشیار ہوں۔
تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو	معالے کو سوچ سمجھ کر دیکھنا اور اس کے نتیجے کا انتظار کرنا۔
تھو تھا چنا باجے گھنا	پاس کچھ بھی نہ ہونا اور باتیں بڑی بڑی کرنا۔
ناٹ کا لنگوٹا نواب سے یاری	کسی مفلس کا دولت مند سے میل ملاپ۔
ٹٹو کوڑا تازی کو اشارہ	نادان سختی سے اور عقل مند اشارے سے بات کو سمجھتا ہے۔
جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے	کارکردگی وہ ہے جو سر عام دکھائی دے۔
جب تک سانس تب تک آس	امید زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔
جتنے منہ اتنی باتیں	ہر شخص کی اپنی اپنی رائے ہوتی ہے۔
جس کا کام اسی کو سا ہے، دو جا کر تو ٹھینکا جا ہے	ہر کوئی اپنے کام کا ماہر ہوتا ہے۔
جس کا یار کو تو وال اسے ڈر کا ہے کا	بڑی شخصیات سے تعلق رکھنے والے کو کسی کا ڈر نہیں۔
جس کی لانگھی اُس کی بھینس	زور آور اور طاقت ور جیت جاتا ہے۔
جو گر جتے ہیں وہ برستے نہیں	زیادہ باتیں کرنے والے کام کم کرتے ہیں۔
جیسا دیس ویسا بھینس	جہاں رہیں وہاں کے طور طریقے اپنالیں۔
جیسا راجا ویسی پر جا	جیسا حکمران ویسی رعایا۔
جیسی روح ویسے فرشتے	جیسے عوام ویسے حکمران۔
جیسی کرنی ویسی بھرنی	جیسا کام کیا جائے اس کے مطابق نتیجہ نکلتا ہے۔
چادر دیکھ کے پاؤں پھیلاؤ	ذرائع آمدن کے مطابق خرچ کرو۔
چراغ سے چراغ جلتا ہے	فیض رساں آدمی سے دوسروں کو بھی فیض پہنچتا ہے۔
چراغ تلے اندھیرا	اس موقع پر مستعمل ہے جہاں فائدہ کی بات سے قریب تر لوگ محروم ہیں۔
چڑی جائے پر دمڑی نہ جائے	کنجوس آدمی جسمانی تکلیف برداشت کر لیتا ہے مگر پیسا خرچ نہیں کرتا۔
چور کی داڑھی میں تنکا	چور یا قصور وار کی نشانی ظاہر ہو جاتی ہے۔
چھوٹا منہ بڑی بات	اپنی حیثیت سے بڑھ کر بات کرنا۔

فصول خرچ کے پاس مال نہیں رہتا۔	چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں
بادشاہ کے حکم اور موت کو نالا نہیں جاسکتا۔	حکم حاکم مرگِ مفاجات
مال مفت دل بے رحم، کسی کے مال کو مفت کا مال سمجھ کر بے دریغ خرچ کرنا۔	حلوائی کی دکان اور دادا جی کی فاتحہ
عذاب الہی اچانک آتا ہے۔	خدا کی لالچی میں آواز نہیں
کم ظرف کو اختیار نہیں ملنا چاہیے۔	خدا گھنچے کو ناخن نہ دے
صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ (خصوصاً بری صحبت کا)	خر بوزے کو دیکھ کر خر بوزہ رنگ پکڑتا ہے
اپنے افسرِ اعلیٰ سے بگاڑ رکھنا۔	دریا میں رہنا اور مگر مجھ سے ہیر
مصیبت کوئی اٹھائے اور فائدہ کوئی اور حاصل کرے۔	دکھ اٹھائے بی فائیتہ، کوٹا نڈے کھائے
چیز کی قیمت بہت کم اور اس پہ لاگت زیادہ۔	دمڑی کی بڑھیا کا سر منڈائی
جس شخص نے زیادہ نقصان اٹھایا ہو وہ بہت محتاط ہو جاتا ہے۔	دودھ کا جلا چھا چھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے
کسی چیز کی حقیقت سامنے آنا۔	دودھ کا دودھ پانی کا پانی
کوئی شخص خراب چیز استعمال نہیں کرتا۔	دودھ کی مکھی، کس نے چکھی
جب تک کسی سے واسطہ نہیں پڑتا، ہر شخص اچھا معلوم ہوتا ہے۔	دور کے ڈھول سہانے
دو ہم پیشہ آدمی ایک کام کرنے لگیں تو اکثر خرابی پیدا ہوتی ہے۔	دو ملاؤں میں مرغی حرام
جس شخص کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو۔	دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا
مصیبت میں تھوڑی سی مدد کو بھی غنیمت سمجھنا۔	ڈوبتے کو تینکے کا سہارا
ہر حالت میں نتیجہ ایک ہی ہونا۔	ڈھاک کے وہی تین پات
ایمان داری کا روپ دھار کر بے ایمانی کرنا۔	رام رام چپتا، پر ایامال اپنا
پاس کچھ نہ رہا مگر آکر نہ چھوڑی۔	رسی جل گئی پر بل نہ گیا
جو بات عام ہو جائے وہ عموماً سچی ہوتی ہے۔	زبان خلق، نقارہ خدا
زبردست کم زور سے سب کچھ کرا لیتا ہے۔	زبردست کا ٹھینکا گسر پر
وقت ایک جیسا نہیں رہتا، وقت کبھی کچھ ہوتا ہے اور کبھی کچھ۔	زمانہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے
اگر سب کچھ بر باد ہو رہا ہو تو نصف ہی بچا لینا چاہیے۔	سارا دھن جاتا دیکھیے تو آدھا دیکھیے بانٹ

ساجھی کی ہنڈیا چوراہے پر پھوٹی ہے	شرکت داری کے کاموں میں جھگڑا ضرور ہوتا ہے۔
ساج کو آنچ نہیں	سچا آدمی ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔
سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے	کام بھی ہو جائے اور کسی کا نقصان بھی نہ ہو۔
ساوان کے اندھے کو ہر ایسی ہراسو جھتا ہے	ہر شخص اپنے حسب حال دوسروں کے حال کا اندازہ کرتا ہے۔
سداناؤ کا غذا کی بہتی نہیں	ظاہر داری، دھوکا یا فریب دیر تک نہیں چلتا۔
سرمنڈاتے ہی اولے پڑے	کام شروع کرتے ہی نقصان ہو گیا۔
سونٹار کی، ایک لوہار کی	طاقت ور کی ایک ہی ضرب کم زور کی سوچوٹوں کے برابر ہوتی ہے۔
سودن چور کے ایک دن سادھ/شاہ کا	غلط آدمی کبھی نہ کبھی ضرور گرفت میں آتا ہے۔
کرسید تو کھامیوہ	خدمت کے بغیر بھل نہیں ملتا۔
خدا ہنکر خورے کو ہنکر دیتا ہے	اللہ خواہش کے مطابق عطا کر دیتا ہے۔
شنیدہ کے بودمانہ دیدہ	دیکھنے کو سننے پر فوقیت حاصل ہے۔
شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں	امن اور عدل و انصاف ہو تو کمزور کو طاقت ور کا خوف نہیں رہتا۔
شیر کا ایک ہی بھلا	بہادر بیٹا ایک بھی ہو تو کافی ہے۔
شیروں سے شیر ہی ہوتے ہیں	بہادر کی اولاد بہادر ہی ہوتی ہے۔
صبح کا بھولا شام کو گھر آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے	اگر آدمی غلطی کے بعد اسے محسوس کرے اور راہ راست پر آ جائے تو قابل معافی ہے۔
صبح کا پیالہ اکسیر کا نوالہ	صبح کے وقت کا کھانا یا ہوا بہت مفید ہوتا ہے۔
ضرورت ایجاد کی ماں ہے	ضرورت آدمی سے سب کچھ کرا لیتی ہے۔
طویلے کی بلا بندر کے سر	قصور کسی کا اور سزا کسی اور کو۔
غور کا سر نیچا	مغرور شخص کو آخر ذلیل و رسوا ہونا پڑتا ہے۔
غریب کی جو رو سب کی بھابی	غریب آدمی پر سب کا رعب چلتا ہے۔
فقیر کو کبیل ہی دو شالہ ہے	غریب آدمی کو جو مل جائے وہی اس کے لیے کافی ہے۔
قاضی جی کے گھر کے چوہے بھی سیانے	عقل مند کے گھر میں چھوٹے بھی عقل مند ہوتے ہیں۔
قبل از مرگ واویلا	مصیبت آنے سے پہلے ہی آہ و فریاد کرنا۔

فقیر کا غصہ خود فقیر ہی کی جان پر اترتا ہے۔	قہر درویش، برجان درویش
نادان ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔	کابل میں کیا گدھے نہیں ہوتے
جھوٹ اور فریب ہمیشہ نہیں چل سکتا۔	کاٹھ کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی
کم ظرف سے مال ہضم نہیں ہوتا۔	کتے کو گھی ہضم نہیں ہوتا
دوسروں کی نقل کرنے والا اپنی خوبی بھول جاتا ہے۔	کوڑا چلائش کی چال اپنی بھی بھول گیا
فلاط کام انسان کے لیے بدنامی کا باعث ہوتے ہیں۔	گونگوں کی دلائی میں منہ کالا
بے میل رشتہ جتانے کے موقع پر بولتے ہیں۔	کہیں کی اینٹ کہیں کاروزا، بھان متی نے کنبہ جوڑا
معمولی سے شخص کی بساط ہی کیا ہے۔	کیا پدی اور کیا پدی کا شور با
شرمندہ شخص اپنی شرمندگی دوسروں پر اتارتا ہے۔	کھسیانی مٹی کھمبانو چے
اپنی اولاد کی پرورش بوجھ نہیں لگتی۔	گائے کو اپنے سینگ بھاری نہیں ہوتے
پاس کچھ نہ ہو تو آدمی اطمینان سے سوتا ہے۔	گائے نہ بچھی، نیند آئے اچھی
نادان کسی چیز کی قدر نہیں جان سکتا۔	گدھا کیا جانے زعفران کی بہار
چھوٹے بڑے مرتبے والے سب برابر۔	گدھا گھوڑا ایک بھاؤ
بے وقوف کو علم سکھانا۔	گدھے پر کتا ہیں لاونا
راز دار آدمی بدنامی کا باعث ہو سکتا ہے۔	گھر کا بھیدی لڑکا ڈھائے
اپنے گھر کی چیز کی قدر نہیں ہوتی۔	گھر کی مرغی دال برابر
بڑی برائی کی پروا نہ کرنا اور چھوٹی سے بچنا۔	گڑکھائیں اور گلگلوں سے پرہیز
بظاہر اچھا مگر باطن میں برا ہونا۔	گندم نما جو فروش
قصود وار کے ساتھ بے قصور بھی مارے جاتے ہیں۔	گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے
اپنے حمایتی کے آسرے پر اچھلنا	لکڑی کے بل بندر یا ناچے
ایسی تحریر جو کسی سے نہ پڑھی جاسکے۔	لکھے موٹی، پڑھے خدا / لکھے موسا، پڑھے خود آ
دعویٰ دار تو غفلت کرے اور حمایتی کو شش کرے۔	مدعی ست گواہ چست
غریب کے سب بدخواہ ہوتے ہیں۔	مرے کو مارے شاہ مدار

مٹا کی دوڑ مسجد تک	ہر شخص کی کوشش وہیں تک ہوتی ہے جہاں اس کی رسائی ہو۔
مغلسی میں آنا گیلہ	غریب آدمی کو نقصان پر نقصان ہوتا ہے۔
میدنڈ کی کوچھی زکام ہوا	اپنی حیثیت سے بڑھ کر بڑھکیں مارنا۔
میں بھی رانی تو بھی رانی، پھر کون بھرے گا پانی	ہر کوئی برابری کا دعویٰ کرے تو کام کون کرے گا۔
ناج نہ جانے آنگن میڑھا	اپنی بے ہنری اور کوتاہی کا الزام دوسرے کو دینا۔
نام بڑا، درشن چھوٹے	مشہوری زیادہ مگر اتنی کارکردگی نہیں۔
نقار خانے میں غلطی کی آواز کون سنتا ہے	بہت شور وغل میں کمزور آدمی کی کب سنی جاتی ہے۔
نو نقد نہ تیرہ ادھار	ادھار کے تیرہ سے نقد کے نو اچھے ہیں۔
نہ رہے بانس نہ بچے بانسری	جھگڑے والی چیز ہی نہ رہے تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔
نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت	ضعیف آدمی کی نسبت بولتے ہیں۔
نہ فومن تیل ہوگا نہ ادھانا چے گی	کسی کام کے لیے شرائط اتنی کڑی رکھنا جن کا پورا ہونا ناممکن ہو۔
نیکی کرور یا میں ڈال	احسان کر کے بھلا دینا چاہیے۔
ولی را ولی می شناسد	آدمی اپنے جیسے آدمی ہی کو پہچانتا ہے۔
ہاتھ نکلن کو آرسی کیا	جو بات ظاہر ہوا سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت۔
ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں	بڑے آدمی کے سب ماتحت ہوتے ہیں۔
ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور	ظاہر اور باطن میں فرق ہوتا ہے۔
ہاتھی نکل گیا، دُمرہ گئی	سارا کام ہو گیا ہے بس معمولی کسر باقی ہے۔
ہم بھی ہیں پانچوں سواروں میں	اپنے آپ کو بلاوجہ بڑے لوگوں میں شمار کرنا۔
ہنوز دہائی دور راست	ابھی کام مکمل ہونے میں دیر ہے۔
ہونہار ہروا کے چکنے چکنے پات	لیاقت اور قابلیت کے آثار بہت پہلے نظر آ جاتے ہیں۔
یار زندہ صحبت باقی	زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔
یہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے	یہاں کی ہر بات ہی عجیب ہے۔
یہ منہ اور مسور کی دال	یہ شخص اس کام یا منصب کا مستحق نہیں ہے۔

## علم بیان

تحریر و تقریر کی خوبیوں کے ذکر اور ان کی بحث کو علم بیان کہتے ہیں۔ اگر ہمارے طالب علم چاہتے ہیں کہ انھیں اردو زبان پر عبور حاصل ہو تو اس کے لیے انھیں علم بیان میں کسی قدر مہارت حاصل کرنا ہوگی تاکہ وہ اپنی تحریر و تقریر کو اہل زبان کی گفت گو کے مطابق کئی طریقوں سے بیان کرنے کے قابل ہو جائیں۔ علم بیان کی چار قسمیں ہیں:

• تشبیہ • استعارہ • مجاز مرسل • کنایہ



### (۱) تشبیہ

جب کسی چیز کو کسی مشترکہ صفت کی بنا پر اس کی کیفیت اور صورت حال کو مزید پرتا شیر اور کیف آور بنانے کے لیے کسی دوسری چیز کے مانند قرار دیا جاتا ہے تو اسے علم بیان کی اصطلاح میں تشبیہ کہتے ہیں۔ جس چیز کو تشبیہ دیں اسے مشتبہ، جس چیز کے ساتھ تشبیہ دیں اسے مشتبہ یہ، وہ صفت جس کی بنا پر تشبیہ دی جائے اسے وجہ شہ اور وہ کلمہ یا حرف جو مشتبہ اور مشتبہ یہ کو ملاتا ہے، اسے حرف تشبیہ کہتے ہیں۔ اس طرح تشبیہ کے چار ارکان ہوئے:

مشتبہ      مشتبہ یہ      وجہ شہ      حرف تشبیہ

مثلاً: یہ کاغذ دودھ کی طرح سفید ہے۔

اس مثال میں ارکان تشبیہ اس طرح ہوں گے:

مشتبہ	مشتبہ یہ	وجہ شہ	حرف تشبیہ
کاغذ	دودھ	سفید	کی طرح

محاورے اور ضرب الامثال کی طرح تشبیہ کو بھی زبان کا زیور سمجھا جاتا ہے اور اس کے استعمال سے کلام میں حسن اور خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ تشبیہات دیکھیے:

پتھر کی طرح سخت، چٹان کے مانند مضبوط، شہد جیسا میٹھا، شیر کی طرح بہادر، ریشم کی مثل نرم، دن کی طرح روشن، رات کی طرح تاریک، ہلواری کی طرح تیز، خون کی طرح سرخ، کونکے کی طرح سیاہ، برف کی طرح ٹھنڈا، تیر کی طرح سیدھا، سمندر کی طرح گہرا وغیرہ۔  
طرفین تشبیہ: مشتبہ اور مشتبہ یہ کو طرفین تشبیہ کہا جاتا ہے۔



## (۲) استعارہ

(۱) کس شیر کی آمد ہے کہ زن کانپ رہا ہے زن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

(۲) ماں کہتی ہے: میرا چاند آیا۔

کچلی مثال میں جرأت و ہمت کے باعث حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیر کہا گیا ہے لیکن شعر میں ان کا ذکر نہیں ہوا۔ اسی طرح دوسری مثال میں ماں اپنے خوب صورت بیٹے کو چاند کہتی ہے اور بیٹے کا لفظ استعمال نہیں کرتی۔ یہ دونوں مثالیں استعارہ کی ہیں۔ استعارہ کے لغوی معنی عار بتا یا ادھار لینا کے ہیں مگر اصطلاح میں جب ہم کسی لفظ کو حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کریں کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ استعارہ کے تین ارکان ہوتے ہیں:

(۱) مستعار لہ (جس کے لیے استعارہ کیا جائے)

(۲) مستعار منہ (جس سے استعارہ لیا جائے)

(۳) وجہ جامع (مستعار لہ اور مستعار منہ میں مشترک صفت)

استعارے میں مستعار لہ کا ذکر نہیں ہوتا، یہ اس کا امتیاز ہے۔ اسی طرح مستعار لہ اور مستعار منہ میں مشترک صفت کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ مثلاً دوسری مثال میں:

پینا مستعار لہ (ذکر نہیں ہے)

چاند مستعار منہ

خوب صورتی وجہ جامع (ذکر نہیں ہے)

استعارے کی یہ خوب صورت مثال ملاحظہ کیجیے:

ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک اُس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک



## (۳) مجازی مرسل

یہ علم بیان کی تیسری قسم ہے۔ استعارہ کے انداز میں اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

اگر کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ ان دونوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اسے مجازی مرسل کہا جاتا ہے۔ اہل زبان نے اس کی چوبیس صورتیں گنوائی ہیں۔ ان میں سے چند ایک اہم صورتیں یہاں مثالوں کے ساتھ درج کی جاتی ہیں:

(۱) آپ ”الحمد“ سنا میں۔ (بڑوسے کل مراد لینا)

(۲) میں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ (کل سے بجز مراد لینا)

(۳) ایک گلاس پی لو۔ (ظرف سے مظرف مراد لینا)

(۴) پانی لے آؤ۔ (مظرف سے ظرف مراد لینا)

(۵) بادشاہی مسجد لاہور اورنگ زیب عالمگیر نے بنائی۔ (سبب بول کر مستبب مراد لینا)

(۶) میں آٹا پسوانے جا رہا ہوں۔ (مستبب بول کر سبب مراد لینا)

پہلے جملے میں ”الہمد“ کہہ کر پوری سورۃ فاتحہ مراد لی گئی ہے۔ یعنی بجز وہ کہہ کر کل مراد لیا گیا ہے۔ دوسرے جملے میں ”میں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں“ چوں کہ کانوں کے اندر انگلی کا کچھ حصہ ہی جاسکتا ہے اس لیے کل کہہ کر بجز مراد لیا گیا ہے۔ تیسرے جملے میں ”گلاس“ سے مراد پانی ہے جو گلاس کے اندر موجود ہے یعنی ظرف کہہ کر مظرف مراد لیا گیا ہے۔ چوتھے جملے میں ”پانی“ سے مراد وہ برتن ہے جس کے اندر پانی ہے یعنی مظرف کہہ کر ظرف مراد لیا گیا ہے۔ پانچویں جملے: ”بادشاہی مسجد لاہور اورنگ زیب عالمگیر نے بنائی“ میں اورنگ زیب عالمگیر سبب ہے مسجد تو معماروں نے بنائی ہے، چنانچہ سبب بول کر مستبب مراد لیا گیا ہے۔ اسی طرح چھٹے جملے: ”میں آٹا پسوانے جا رہا ہوں۔“ میں آٹا مستبب (نتیجہ) ہے۔ گندم پسوانی جاتی ہے۔ اس لیے مستبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔



### (۲) کنایہ

کنایہ کے لغوی معنی پوشیدہ یا چھپی ہوئی بات کے ہیں۔ مگر علم بیان کی اصطلاح میں کنایہ ایسے کلمے کو کہتے ہیں جس سے غیر حقیقی معنی مراد ہوں اور اگر حقیقی معنی مراد لیے جائیں تو بھی جائز ہوں۔ جیسے: خاک بسر ہونا سے کچھ نہ رہنا مراد ہے۔ اسی طرح ”اس گھر کا دروازہ کھلا رہتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس گھر میں سخی انسان رہتا ہے۔

کنایہ کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک کنایہ قریب اور ایک کنایہ بعید ہے۔ کنایہ قریب تو تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد جلد ہی سمجھ میں آجاتا ہے مگر کنایہ بعید غور و فکر کے بعد ہی ذہن میں آتا ہے۔ کنایہ کی یہ دو مثالیں مزید ملاحظہ کریں:

(۱) اسلم شتر بے مہار ہے۔ (۲) امجد پیٹ کا ہکا ہے۔

پہلی مثال میں شتر بے مہار کے اصل معنی ہیں وہ اونٹ جس کی ٹکیل نہ ہو اور وہ بلبلاتا پھرتا ہو۔ کنایہ یہ ہے کہ بیہودہ باتیں کرتا ہے۔ دوسری مثال میں پیٹ کا ہکا کے اصلی معنی ہیں ہلکے پیٹ والا آدمی، جس کے پیٹ میں کوئی چیز نہ ٹھہرے مگر یہ کنایہ ہے کہ وہ راز کی بات جلد اگل دینے والا ہے۔ اس طرح کنایہ علم بیان کی بہت اچھی صورت ہے جس سے تحریر و تقریر میں لطف پیدا ہوتا ہے۔



## علم بدیع

بدیع کے لغوی معنی تو نادر، انوکھا یا نئی چیز کے ہیں لیکن اصطلاح میں علم بدیع اس علم کو کہتے ہیں جس سے تفسیریں و تزیین کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: صنائعِ لفظی اور صنائعِ معنوی یعنی لفظوں کے لحاظ سے نکات اور باریکیاں بیان کرنا۔ صنائعِ لفظی و معنوی کا بیان بڑا تفصیل طلب ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ذیل میں ان کی چند معروف اقسام اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں:

(۱) صنعتِ تضاد: علم بدیع کی اصطلاح میں کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کرنا جو ایک دوسرے کی ضد یا الٹ ہوں۔ مثال کے طور

پر: ہنسا اور رونا، سیاہ اور سفید، امید و ناامیدی، رنج و خوشی، مقدم اور مؤخر، زمین اور آسمان وغیرہ۔ مثلاً یہ شعر:

ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے اگر نصیب تیرے کوچے کی گدائی ہو (میر تقی میر)

(۲) صنعتِ مبالغہ: کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن سے مبالغے کا پہلو نکلتا ہو تو ایسی صنعت کو صنعتِ مبالغہ کہتے ہیں۔ مثلاً:

میر انیس، میدانِ کربلا میں گرمی کی شدت کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر بھٹن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر (میر انیس)

دانے کا زمین پر گرتے ہی بھٹن جانے میں مبالغہ ہے۔

(۳) صنعتِ تلمیح: تلمیح کے لغوی معنی ہیں اشارہ کرنا۔ ادب کی اصطلاح میں کلام میں کسی مشہور قصے، واقعے، شخصیت، داستان یا

روایت کی طرف اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں۔ مثلاً:

بے خطر کو پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے جو تماشا لے لپ بامِ ابھی (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اس شعر میں ”آتشِ نمرود“ تلمیح ہے جو اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے

کے لیے آگ کا لاد تیار کیا تھا۔ اسی طرح:

اک کھیل ہے، اور تکِ سلیمان مرے نزدیک

اک بات ہے، اعجازِ مسیحا مرے آگے (مرزا غالب)

اس شعر میں ”اور تکِ سلیمان“ اور ”اعجازِ مسیحا“ دو تلمیحات آئی ہیں۔

(۴) صنعتِ لف و نشر: اصطلاح میں صنعتِ لف و نشر کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے کچھ چیزوں کا ذکر کیا جائے اور پھر انہی چیزوں سے مناسبت

رکھنے والی چیزوں کا ذکر بھی کیا جائے۔ پہلے بجز و کا نام لف اور دوسرے کا نام نشر ہوگا۔ ایک مثال یہ ہے:

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا، نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

میں ہلاکِ جادوئے سامری، تو قتلِ شیوہ آزی

پہلے مصرعے میں ”تکلیف“ اور ”ظلیل“ کا ذکر ہے اور پھر اُن سے مناسبت رکھنے والی باتوں ”سامری“ اور ”آزری“ کا ذکر ہے۔  
 (۵) صنعتِ ایہام: ایہام کے لغوی معنی وہم میں ڈالنا یا چھپانا کے ہیں۔ صنعتِ ایہام یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں، ایک قریب کے اور دوسرے بعید کے۔ مثلاً:

شب جو مسجد میں جا پھنسنے مومن  
 رات کاٹی خدا خدا کر کے

(مومن)

”خدا خدا کر کے“ کے ایک معنی تو خدا کو یاد کرنا ہے اور دوسرے معنی ہیں بڑی مشکل سے۔ یہاں شاعر کی مراد دوسرے معنوں سے ہے۔  
 (۶) صنعتِ مراعاتِ النظیر: مراعاتِ النظیر اس صنعت کا نام ہے جس کے ذریعے کلام میں کچھ ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جو ایک ہی رعایت یا ایک ہی قبیل کے ہوتے ہیں۔ مثلاً:

کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفاں سے کیا  
 ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو  
 ناخدا (ملاح)، بحر، کشتی، ساحل کا ایک ساتھ ذکر مراعاتِ النظیر کی مثال ہے۔

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

(۷) صنعتِ حسنِ تعلیل: شاعری کی ایسی صنعت ہے جس میں شاعر ایک ایسی چیز کو کسی چیز کی علت (وجہ) فرض کر لیتا ہے جو درحقیقت اس کی علت نہیں ہوتی مگر اس پر یقین کرنے کو جی چاہتا ہے۔ مثلاً:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں  
 خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

(مرزا غالب)

مرزا غالب نے اس شعر میں گل و لالہ کے نمایاں ہونے کی وجہ ان خوب صورت چہروں کو قرار دیا جو وفات کے بعد بیہودہ خاک ہو گئے۔  
 (۸) صنعتِ تکرار: تکرار کے لغوی معنی ”دہرانا“ کے ہیں۔ اصطلاح میں صنعتِ تکرار ایسی صنعت ہے جس میں دو لفظ ایک ہی معنی رکھتے ہوں اور شعر یا مصرعوں میں برابر جمع کیے جائیں۔ بالفاظ دیگر جب کسی شعر یا مصرعے میں ایک لفظ کی تکرار پائی جائے تو اسے صنعتِ تکرار کہا جاتا ہے۔ مثلاً:

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں  
 خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

(مرزا غالب)

اس شعر میں ’خیاباں خیاباں‘ کی تکرار سے ایک خاص صوتی آہنگ پیدا ہو گیا ہے جس سے یقیناً ایک سلیم الطبع قاری متاثر ہوتا ہے۔



## علم عروض

عروض کے لغوی معنی طرف یا کنارہ کے ہیں جب کہ یہ لفظ عرض سے بنا ہے جس کا مفہوم ہے ظاہر کرنا، پیش کرنا وغیرہ۔ علم عروض شعر کے اوزان کو جانچنے کا علم ہے جس میں شعر کے اوزان، بحر اور زحافات کے اصول بیان کیے جاتے ہیں۔ علم عروض کے بانی خلیل بن احمد بصری کو قرار دیا جاتا ہے۔

جیسے گندم یا کسی اور جنس کا وزن معلوم کرنے کے لیے گرام کا پیمانہ اور دودھ وغیرہ کا وزن معلوم کرنے کے لیے لیٹر کا پیمانہ استعمال ہوتا ہے اسی طرح الفاظ کی اصوات کا وزن معلوم کرنے کا بھی مخصوص پیمانہ ہے۔ جب ہم منہ سے کوئی آواز نکالتے ہیں تو ہماری زبان کی حرکت اور ہوا کے نکلنے سے پیدا ہونے والے الفاظ کی ممکنہ شکلوں کا اپنا صوتی وزن ہوتا ہے۔ علم عروض انہی اوزان یا صوتی پیمانوں کے مطالعے کا نام ہے۔ علم عروض کے ذریعے سے کسی شعر کے وزن کی صحت دریافت کر کے اس کے فنی لحاظ سے موزوں یا غیر موزوں ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس علم کے تحت اشعار کے مختلف اوزان مقرر کیے گئے ہیں جن سے بحریں بنتی ہیں۔

### (۱) بحر

علم عروض میں بحر سے مراد وہ خاص وزن لیا جاتا ہے جو ابلی عروض نے شعر کہنے کے لیے مخصوص کر لیا ہو۔

### (۲) اوزان

اوزان متحرک اور ساکن حروف کی ترتیب سے وجود میں آتے ہیں۔ متحرک اور ساکن کی ترتیب کو عروض کی زبان میں سبب، وتد اور فاصلہ کہا جاتا ہے۔ وضاحت درج ذیل ہے:

#### سبب

یہ وزن دو حروف سے تشکیل پاتا ہے یعنی دو حروف پر مشتمل کلمہ سبب کہلاتا ہے۔ سبب کی دو قسمیں ہیں:

- ۱۔ سبب خفیف: ایسا دو حرفی کلمہ جس کا پہلا حرف متحرک اور دوسرا حرف ساکن ہوتا ہے، مثلاً ذر، دن، رخ۔
- ۲۔ سبب ثقیل: ایسا دو حرفی کلمہ جس کا پہلا اور دوسرا دونوں حرف ہی متحرک ہوں۔ اردو میں سبب ثقیل اضافت کی وجہ سے آتا ہے ورنہ عام طور پر آخری حرف ساکن ہی ہوتا ہے، مثلاً ذریار، دل ناداں وغیرہ۔

#### تد

ایسا کلمہ جو تین حروف سے تشکیل پائے وتد کہلاتا ہے۔ وتد کی دو قسمیں ہیں:

- ۱۔ وتد مجموع: وہ سه حرفی کلمہ جس کے پہلے دو حروف متحرک اور تیسرا حرف ساکن ہوتا ہے، مثلاً ذوا، عشا، وضا۔
- ۲۔ وتد مفروق: وہ سه حرفی کلمہ جس کا پہلا حرف متحرک، دوسرا ساکن اور تیسرا حرف متحرک ہو۔ اردو میں وتد مفروق نہیں ہوتا صرف اضافت کی وجہ سے آتا ہے، مثلاً فصل گل، عرض ہنر وغیرہ۔

### فاصلہ

چار یا پانچ حرفی کلمہ فاصلہ کہلاتا ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ فاصلہ صغریٰ: یہ کلمہ چار حروف سے تشکیل پاتا ہے۔ پہلے تین حروف متحرک اور چوتھا حرف ساکن ہوتا ہے۔ مثلاً: غزبی، طنبہ وغیرہ۔ فاصلہ صغریٰ کو فاصلہ صولت بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ فاصلہ کبریٰ: یہ کلمہ پانچ حروف سے تشکیل پاتا ہے۔ اس کلمہ کے پہلے چار حروف متحرک اور پانچواں حرف ساکن ہوتا ہے۔ فاصلہ کبریٰ اردو میں صرف مرکب الفاظ میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً: سخنِ دل، طلبِ زر وغیرہ۔ فاصلہ کبریٰ کو فاصلہ ضبط بھی کہا جاتا ہے۔

### ارکان

عروضی قواعد کے مطابق دو یا تین اجزا سے ترکیب پانے والا لفظ رکن کہلاتا ہے، مثلاً: فَا، فَعُو وغیرہ۔ رکن کی جمع ارکان ہے۔ ارکان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ خماسی: پانچ حرفی ارکان خماسی کہلاتے ہیں، مثلاً: فَعُولُن یعنی (وَدَّ مجموع + سبب خفیف)، فَا عَلُن یعنی (سبب خفیف + وَدَّ مجموع) ۲۔ سہاسی: سات حرفی ارکان سہاسی کہلاتے ہیں، مثلاً: مَفَاعِلُن (وَدَّ مجموع + سبب خفیف + سبب خفیف)، مُسْتَفْعِلُن (سبب خفیف + سبب خفیف + وَدَّ مجموع)، فَاعِلَاتُن (سبب خفیف + وَدَّ مجموع + سبب خفیف)

### تقطیع

شعر کا وزن تقطیع کے ذریعے سے معلوم کیا جاتا ہے۔ تقطیع سے مراد شعری الفاظ کو ان کی آواز کی بنا پر الگ الگ کرنا ہے۔ تقطیع کرتے وقت اکثر لفظ کلڑے نکرے ہو جاتے ہیں اور دوسرے رکن کا جزو بن جاتے ہیں جو بے معنی معلوم ہوتے ہیں مگر اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً:

آدئی کو حُسن بھشٹا زیورِ تعلیم سے

آدمیت کا محافظ مکتبِ صفہ بنا

(فاعلاتن) (فاعلاتن) (فاعلاتن) (فاعلتن)

فَا عِلَّآ تُن فَا عِلَّآ تُن فَا عِلَّآ تُن فَا عِلُن

آ دہئی گُو حُسن نَبِغ شَا زَمے وَرَمے تَع لِي مَصَبے

آ دہئی یَت کَا حُفَا وَظ مَك تَبَبے صَف فَا بِنَا



## چند شعری اصطلاحات

**مصرع:** لفظی معنی کواڑ (دروازے) کا ایک پت، مراد ہے آدھا شعر یا نصف بیت۔ مصرع یا معنی الفاظ پر مشتمل وہ سطر ہے کہ اگر نثر میں ہو تو جملہ یا فقرہ کہلائے، اور نظم میں ہو تو مصرع۔ شعر کے پہلے مصرعے کو مصرع اول اور دوسرے مصرعے کو مصرع ثانی کہتے ہیں۔ مثلاً: خواجہ الطاف حسین حالی کے ایک شعر کا مصرع اول ہے:

ع یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا

اور ثاقب لکھنوی کے ایک شعر کا مصرع ثانی ہے:

ع ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

**شعر:** لفظی معنی سخن موزوں، دو مصرعے جو ایک ہی وزن کے ہوں اور ایک خیال ظاہر کریں، شعر یا بیت کہلاتے ہیں۔ مثلاً دو شعر ملاحظہ کریں:

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا ہم محو نالہ جرس کارواں رہے

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

**قافیہ:** ہر شعر کے آخر میں آنے والے ہم آواز الفاظ کو قافیہ کہا جاتا ہے۔ قافیہ شعر کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ یاد رہے ردیف کا استعمال قافیہ کے بعد ہوتا ہے۔ مرزا غالب کی یہ معروف غزل ملاحظہ فرمائیں:

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الہی! یہ ماجرا کیا ہے

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا اور درویش کی صدا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب

مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

اس غزل میں ہوا، دوا، ماجرا، مدعا، خدا، وفا، دُعا، صدا اور بُرا کے الفاظ قافیہ کے طور پر آئے ہیں۔

**ردیف:** لغوی معنی ہیں ”گھوڑے پر سوار کے پیچھے بیٹھنے والا آدمی“ مگر اصطلاح شعر میں قافیہ کے بعد آنے والے وہ لفظ یا ایسے الفاظ

جو جوں کے توں بار بار دہرائے جائیں، ردیف کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ ”کیا ہے“ مرزا غالب کی مذکورہ بالا غزل میں ردیف کی مثال ہے۔

**مطلع:** لغوی معنی ”طلوع ہونے کی جگہ“ کے ہیں مگر شعری اصطلاح میں کسی قصیدے یا غزل کے پہلے شعر کو، جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ یا ہم قافیہ وہم ردیف ہوں، مطلع کہتے ہیں۔ ردیف کی موجودگی ضروری شرط نہیں ہے۔ مرزا غالب کی ایک زبان زد خاص و عام غزل کا مطلع ہے:

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

مطلع غزل یا قصیدے کا چہرہ بھی کہلاتا ہے۔ اسی سے غزل کی بحر اور زمین کی پہچان ہوتی ہے۔ مطلع کے بعد اگر دوسرے شعر کے دونوں مصرعے بھی ہم قافیہ وہم ردیف ہوں یعنی مطلع کے بعد ایک اور مطلع آجائے تو اسے مطلعِ ثانی کہا جاتا ہے۔ مطلعِ ثانی کو حسن مطلع بھی کہتے ہیں:

دنیا میں جب تک کہ میں اندوہ گیس رہا  
دل غم سے اور دل سے مرے غم قرین رہا  
رونے سے کام بس کہ شب ہم نشیں! رہا  
آنکھوں پہ کھینچتا میں سر آستیں رہا

مطلعِ ثانی کے بعد اگر تیسرا مطلع بھی آجائے تو اسے مطلعِ ثالث کہا جاتا ہے۔

**مقطع:** لغوی معنی ہیں ”مقطع ہونے کی جگہ“ مگر شعری اصطلاح میں کسی قصیدے یا غزل کے آخری شعر کو، جس میں شاعر اپنا تخلص بھی لاتا ہے، مقطع کہتے ہیں۔ مثلاً مرزا غالب کی اسی غزل کا مقطع ہے:

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

تاہم اگر آخری شعر میں شاعر نے اپنا تخلص استعمال نہیں کیا تو وہ فقط غزل یا قصیدے کا آخری شعر کہلانے کا، مقطع نہیں ہوگا۔

**بیت الغزل:** غزل کے بہترین شعر کو بیت الغزل قرار دیا جاتا ہے تاہم اس کا انحصار قاری یا سامع کے ذوق سلیم پر ہوتا ہے۔



## اصنافِ نظم و نثر

(الف) اصنافِ نظم

نظم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ”موتیوں کو ایک لڑی میں پرونا“ کے ہیں لیکن ادب کی اصطلاح میں لفظوں کا معین ضابطوں کے مطابق استعمال نظم کہلاتا ہے اور یہ لفظ ”نثر“ کے متضاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ چند اہم اصنافِ نظم مندرجہ ذیل ہیں:

حمد

حمد ایک ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی شان، بزرگی اور عظمت کو بیان کیا جاتا ہے۔ حمد کا لفظ باری تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ حمد کے لیے کوئی خاص بحر یا بیت مقرر نہیں مگر اردو شاعری میں حمد کو ایک خاص تقدس اور مقام حاصل ہے۔ دو معروف و مقبول حمدوں کے ابتدائی شعر ملاحظہ کیجیے:

کامل ہے جو ازل سے، وہ ہے کمال تیرا      باقی ہے جو ابد تک، وہ ہے جلال تیرا (حالی)  
دوسرا کون ہے، جہاں تُو ہے      کون جانے تجھے، کہاں تو ہے (امیر)

✽

## نعت

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی تعریف کرنا کے ہیں، لیکن اصطلاح میں یہ لفظ مدحت رسول ﷺ کے لیے وقف ہو چکا ہے۔ جہاں تک نعت کا تاریخی معاملہ ہے، اس کا آغاز آپ کی حیات مبارکہ ہی میں ہو گیا تھا اور یہ سلسلہ آج تک پورے خشک و احتشام کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ نعت گوئی نہایت باریک فن ہے اور نعت گو کو ہر لہجہ حزم و احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، جو کہ فارسی زبان کے شاعر ہیں، کی یہ عربی نعت بھی زبانِ زو عام ہے:

بَلَّغِ الْعُلَى بِكَمَالِهِ      كَشَفِ الدُّخَى بِجَمَالِهِ  
حَسُنْتَ بِجَمِيعِ حِصَالِهِ      صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ آلِهِ

ذیل میں مختلف زمانوں کے تین شعرا کے نعتیہ اشعار کی کچھ مثالیں درج کی جا رہی ہیں:

محسن کا کو روی: سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل      میرے ایمانِ مفضل کا یہی ہے مجمل  
حفیظ تائب: خوشِ حصال و خوشِ خیال و خوشِ خبر خیر البشر      خوشِ نژاد و خوشِ نہاد و خوشِ نظر خیر البشر  
احمد رضا خان بریلوی: واہ کیا جو د و کرم ہے شہِ بظہا تیرا      نہیں سستا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

## قصیدہ

قصیدہ عربی کے لفظ قصد سے مشتق ہے جس کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں، مگر قصیدہ سے مراد ایسی شاعری ہے جس میں شاعر ارادتا

کسی کی تعریف و توصیف کرتا ہے اور اس ضمن میں بعض اوقات زمین آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔ قصیدے کا پہلا شعر مطلع اور آخری شعر (جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے) مقطع کہلاتا ہے۔

قصیدہ ایک قدیم صنفِ سخن ہے اور یہ عربی، فارسی زبان و ادب میں وافر ذخیرے کی صورت میں موجود ہے۔ زمانہ قدیم سے قصیدے اور غزل کی ہیئت ایک ہی ہے، وہی مطلع و مقطع اور وہی آغاز سے اختتام تک ردیف اور قافیے کا اہتمام ہے۔ قصیدے کو عام طور پر چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱- تشبیب: یہ قصیدے کا ابتدائی حصہ ہے جس میں شاعر جذباتِ محبت یا خوب صورت فطری مناظر کا ذکر کرتا ہے اور جس کی انتہا سے ممدوح کی مدح کا آغاز ہوتا ہے۔

۲- گریز: اس حصے میں ایک دو ایسے شعر ہوتے ہیں جو تشبیب کو مدح سے ملاتے ہیں۔

۳- مدح: یہ وہ حصہ ہے جس کی خاطر شاعر قصیدہ لکھتا ہے۔ اس حصے میں شاعر اپنے ممدوح کی خوب تعریف و توصیف کرتا ہے اور اپنی فصاحت و بلاغت اور زبانِ دانی کے دریا بہا دیتا ہے۔

۴- دعا: یہ قصیدے کا آخری حصہ ہے، اس میں شاعر اپنے ممدوح کو دعا دیتا ہے اور بعض اوقات حسن گفتار کے ذریعے اپنا صلہ بھی طلب کرتا ہے مثلاً: مرزا غالب کے قصیدے کے یہ دعائیہ اشعار دیکھیے:

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام      شاعری سے نہیں مجھے سروکار  
تم سلامت رہو ہزار ہزار برس      ہر برس کے ہوں دن بیچاس ہزار

اردو قصیدہ گوئی کے حوالے سے مرزا محمد رفیع سودا، شیخ ابراہیم ذوق اور اسد اللہ خاں غالب کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔



### غزل

غزل کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کرنا کے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے جب غزال (ملک عرب کا آہو) کو شکاری کتے دیو چنے کو ہوں تو اس کے منہ سے جو دردناک چیخ نکلتی ہے، اسے غزال کہتے ہیں۔ گویا غزال میں عشق و محبت اور سوز و درد کا بہت نمایاں ہونا ضروری ہے۔ مرزا غالب کی ایک معروف غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

کوئی امید بر نہیں آتی      کوئی صورت نظر نہیں آتی  
موت کا ایک دن معین ہے      نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

### مرثیہ

مرثیہ عربی زبان کے لفظ رثا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں غم و الم کے انداز میں کسی مرنے والے کا ذکر خیر کرنا اور اس کے

اوصاف بیان کرنا۔ اردو ادب میں سب سے زیادہ مرثیہ شہیدانِ کربلا کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ اس حوالے سے شہدائے کربلا کے مناقب اور مصائب بیان کرنے میں خلیق و ضمیر اور انیس و دبیر نے بہت شہرت پائی اور لازوال رثائی ادب یادگار چھوڑا۔

پیاسی جوتھی سپاؤ خدا تین رات کی سائل سے سرچکھتی تھیں موجیں فرات کی (میر انیس)

مذکورہ شعرا کے علاوہ مرزا غالب، مولانا حالی، علامہ اقبال، جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری، افتخار عارف، محسن نقوی اور وحید الحسن ہاشمی وغیرہ نے بھی اس صنف میں مقبولیت حاصل کی ہے۔ سانحہ کربلا کے حوالے سے مرثیہ کے درج ذیل اجزائے ترکیبی ہیں:

• چہرہ • سراپا • رخصت • آمد • رجز • جنگ • شہادت • بین • دعا

مرثیہ کی اقسام: مرثیے کی عموماً چار اقسام بیان کی جاتی ہیں جن میں 1۔ رمی مرثیہ 2۔ قومی مرثیہ 3۔ شخصی مرثیہ 4۔ مذہبی مرثیہ شامل ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے معروف شخصی مرثیے ”والدہ مرحومہ کی یاد میں“ سے یہ دو شعر ملاحظہ کیجیے:

کس کو ہوگا اب وطن میں آہ! میرا انتظار کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار  
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا!



### مشنوی

مشنوی اردو کی ایک مقبول صنفِ نظم ہے۔ مشنوی میں ہر شعر کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں اور تمام شعرا ایک دوسرے سے جداگانہ قافیہ و ردیف رکھتے ہیں۔ مسلسل قافیے کی عدم پابندی کی وجہ سے اس صنف میں لمبے چوڑے تاریخی واقعات اور طویل قصے کہانیاں سہولت کے ساتھ نظم کیے جاسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی اور اردو میں بعض مشنویوں کے اشعار کی تعداد ایکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تک ہے۔ مولانا حالی کے نزدیک مشنوی سب سے کارآمد صنفِ نظم ہے۔ اردو ادب میں دیا شنکر نسیم، میر حسن، میر تقی میر، میر اثر اور مرزا شوق معروف مشنوی نگار ہیں۔ ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس صنف کو برتا ہے۔ ان کی معروف نظم ’ساقی نامہ‘ مشنوی کی بیست میں ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجیے:

شراب کہن پھر پلا ساقیا! وہی جام گردش میں لا ساقیا!  
مجھے عشق کے پر لگا کر ازا مری خاک جگنو بنا کر ازا  
خرد کو غلامی سے آزاد کر جوانوں کو پیروں کا استاد کر



## رباعی

رباعی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چار کے ہیں۔ رباعی سے مراد ایسی صنفِ شاعری ہے جس کے چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون بیان کیا جائے۔ بالعموم رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ اگر چاروں مصرعے بھی ہم قافیہ و ہم ردیف ہو جائیں تو اس کی بھی ممانعت نہیں ہے۔ رباعی کے چوتھیں خاص اوزان ہیں۔ رباعی میں عاشقانہ جذبات اور صوفیانہ خیالات کے ساتھ ساتھ واقعات کر بلا اور واقعات کر بلا کی مدد سے اہل بیت کی مدحت، صبر و استغنا، عزم و استقلال، اخوت و بردباری، وفاداری و جاں سپاری، ایثار و قربانی، حق پرستی و راست بازی، صداقت و امانت، عجز و انکسار اور ظلم و شقاوت کی مذمت کے موضوعات رباعی میں شامل ہیں۔ اس طرح رباعی اصنافِ سخن میں نہ صرف بڑی موقر و ممتاز اور باوقار شمار ہوتی ہے بلکہ اخلاقی شاعری کا سب سے عمدہ نمونہ اور اخلاقی شاعری کی ترجمان بھی جاتی ہے۔ یہ دور باعیاں ملاحظہ کیجیے:

گلشن میں صبا کو جُستجو تیری ہے بلبل کی زباں پہ گھنٹ گُو تیری ہے  
 ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا جس پھول کو سونگھتا ہوں، بُو تیری ہے (میر انیس)  
 جوانوں کو مری آہ سحر دے پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے  
 خدایا آرزو میری یہی ہے مرا نور بصیرت عام کر دے (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)



## قطعہ

قطعہ کے لغوی معنی ٹکڑا یا جزو یا کاٹا ہوا کے ہیں۔ اصطلاحِ شعر میں دو یا دو سے زیادہ شعروں کو جو موضوع کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متعلق ہوں، قطعہ کہتے ہیں۔ قطعہ دو شعروں سے کم کا نہیں ہوتا اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں مگر قطعہ میں بالعموم مطلع نہیں ہوتا بلکہ قطعہ کے پہلے مصرعے میں قافیہ نہ لانا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ قطعہ کو قطعہ اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ مطلع کو چھوڑ کر قصیدے یا غزل کا ٹکڑا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ دو قطعے ملاحظہ کیجیے:

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آگیا کیمر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا  
 کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا (میر تقی میر)  
 پھاوڑا کندھے پہ رکھے آ رہا ہے اک کسان رنگ جس کے خون سے لیتے ہیں گلزاروں کے پھول  
 دل میں جینے کی تمنائیں، فضا ناساز گار آنکھ میں سُرخ، لبوں پہ چہڑیاں، تختوں میں دھول  
 (احسان دانش)



## مخمس

مخمس عربی زبان کا لفظ ہے جو ”خمس“ سے نکلا ہے۔ خمس کے معنی پانچ کے ہیں۔ اصطلاح میں مخمس ایسی نظم کو کہتے ہیں جس کا ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہو۔ مخمس میں چار مصرعے ہم قافیہ اور پانچواں مصرع مختلف ہوتا ہے۔ اس صنف کو بہت سے شعرا نے اپنی شاعری میں برتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی نظمیں: آدمی نامہ، برسات کی بہاریں، مفلسی اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظم: روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے وغیرہ مخمس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ ”مفلسی“ کا پہلا بند ملاحظہ کیجیے:

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی      کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی  
 پیاسا تمام روز بھٹاتی ہے مفلسی      بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی  
 یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

(نظیر اکبر آبادی)

## مسدس

مسدس عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چھ کے ہیں مگر اصطلاح میں مسدس سے مراد ایسی نظم ہے جس کا ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس صنف کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں جب کہ پانچواں اور چھٹا مصرع الگ قافیے کے حامل ہوتے ہیں۔ کلاسیکی دور شاعری سے لے کر جدید دور شاعری تک اردو کے بڑے بڑے شاعروں نے اس صنف کو بہت استعمال کیا ہے اور اس صنف میں تمام طرح کے مضامین بیان کیے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کی بیشتر زبان زد خاص و عام نظمیں ”آدمی نامہ“، ”تندرستی“، ”بڑھاپے کی سواری“ اور ”دنیا دار الکافات ہے“ وغیرہ اسی بیئت میں لکھی گئی ہیں۔ مولانا حالی کی معرف نظم ”ندو جزر اسلام“ مسدس کی بیئت میں ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق نظمیں ”شکوہ“ اور ”جو اب شکوہ“ بھی مسدس کی بیئت میں ہیں۔ میر انیس اور مرزا دبیر نے اپنے مرثیوں کے لیے بھی اسی بیئت کو پسند کیا ہے بلکہ میر انیس کے بعد بھی تمام مرثیہ نگاروں کو مسدس کی بیئت ہی مرغوب رہی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظم ”شکوہ“ کا یہ بند، جو شاید سب طلبہ کو ازبر ہوگا، ملاحظہ کیجیے:

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز      قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز  
 ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز      نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز  
 بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے  
 تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

## آزاد نظم

جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے، آزاد نظم قافیہ ردیف کی پابندی سے آزاد ہوتی ہے۔ اسے انگریزی میں Free Verse کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کا رواج زمانہ قدیم ہی سے ہے جب کہ انگریزی زبان کی دیکھا دیکھی دور جدید میں اس نے اردو میں بھی اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے ہیں۔

آزاد نظم میں ایک ہی بحر ہوتی ہے مگر بحر کے ارکان کی تقسیم شاعر کی مرضی پر منحصر ہے۔ بعض اوقات ایک رکن دو مصرعوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، اس طرح کوئی مصرع چھوٹا اور کوئی بڑا ہوتا ہے۔ بعض شعر اصوتی تاثرات کا خیال رکھتے ہوئے اپنی نظم کے کچھ مصرعوں میں قافیے اور ردیف کا بھی اہتمام کر لیتے ہیں۔

آزاد نظم کی سب سے بڑی خوبی رفعتِ تخیل ہے۔ اگر نظم میں فکر و خیال کی بلندی اور جدت نہیں تو پھر اس صنف میں طبع آزمائی کرنا بھی بیکار اور لا حاصل ہے۔ مجید امجد کی نظم ”آٹو گراف“ کا آخری حصہ ملاحظہ کیجیے:

میں اجنبی، میں بے نشاں  
میں پا بہ گل  
نہ رفعتِ مقام ہے، نہ شہرتِ دوام ہے  
یہ لوحِ دل، یہ لوحِ دل  
نہ اس پہ کوئی نقش ہے، نہ اس پہ کوئی نام ہے



## ترکیب بند ترنجیع بند

ایسی نظم جس کے ہر بند میں مسلسل چھ سے آٹھ شعر ہوتے ہیں۔ آخری شعر کے علاوہ ہر بند کے تمام اشعار پہلے شعر کے مطابق ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں، ترکیب بند کہلاتی ہے۔ ایک ہی شعر یا ایک ہی مصرع اگر ہر بند کے آخری شعر میں تکرار کے ساتھ یعنی بار بار آئے تو ایسی نظم ترنجیع بند کہلائے گی۔



## معری نظم

ایسی نظم جس میں بحر اور ارکان بحر کی تو پابندی ہو لیکن قافیہ و ردیف کی پابندی نہ کی جائے۔



## سانیت

یہ صنف انگریزی شعری ادب سے اردو میں آئی۔ سانیت چودہ اشعار پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں قوافی کی ترتیب بدلتی رہتی ہے۔ اس نظم میں دو بند ہوتے ہیں۔ عام طور پر پہلا بند آٹھ اور دوسرا چھ اشعار پر مشتمل ہوتا ہے۔ شاعر پہلے بند میں اپنے بنیادی جذبے یا خیال کو پچھلاتا ہے اور دوسرے بند میں مضمون مکمل کرتا ہے۔



## ہائیکو

ہائیکو صرف تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے اور ایسی جاپانی صنف نظم ہے جو مکمل طور پر فطرت نگاری کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ یہ صنف پنجابی مایہ کے بہت قریب کی چیز ہے اور اردو میں بھی روز بروز مقبول ہوتی جا رہی ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

رات کے پچھلے پہر چمکے سے

ایک تصویر مجھ سے کہتی ہے

اب تو اختر شمار سوجاؤ (ڈاکٹر اختر شمار)



## (ب) اصنافِ نثر

اصنافِ نثر کی معروف اقسام میں داستان، ناول، افسانہ، ڈراما، سوانحِ عمری، خودنوشت، خاکہ، سفرنامہ، مکتوب نگاری اور مضمون نویسی شامل ہیں۔ ذیل میں ان سب کا حال اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے:

## داستان

سنانے اور کہنے کی چیز کو کہانی کہتے ہیں۔ کہانی کا مترادف لفظ قصہ یا حکایت ہے۔ داستان قصے کہانی کی قدیم ترین قسم ہے۔ کسی زمانے میں قصہ خوانی یا داستان گوئی باضابطہ ایک فن ہوا کرتا تھا جو عربی اور فارسی سے اردو میں منتقل ہوا۔ بر عظیم میں اس کا آغاز دکنی دور سے ہوا جو ازاں بعد بر عظیم کے طول و عرض میں پھیل گیا۔ بڑے بڑے شہروں اور دیہاتوں میں داستان سننے سنانے کے لیے باقاعدہ جگہیں اور وقت مقرر ہوا کرتے تھے، جہاں لوگ کشاں کشاں آتے اور بڑے اٹھاک سے داستان سننے تھے کچھ قدیم شہروں خصوصاً حیدر آباد (دکن)، دہلی، لکھنؤ اور لاہور وغیرہ میں ایسی جگہوں کی نشان دہی آج بھی باسانی کی جاسکتی ہے۔ انشاء اللہ خاں انشا کے اس شعر میں پنجاب کی دھرتی کی مشہور لوک داستان کا ذکر موجود ہے، وہ لکھتے ہیں:

کہانی ایک سنائی جو بہر راٹھا کی  
تو اہل درد کو پہنچا ہوں نے لوٹ لیا

پشاور کا قصہ خوانی بازار آج بھی اسی زمانے کی یادگار ہے۔ اردو میں داستان نویسی کا دور تقریباً ایک صدی تک قائم رہا۔ قدیم داستانیں اپنی گونا گوں خوبیوں کی بدولت نہ صرف انتہائی دل چسپ ہوا کرتی تھیں بلکہ یہ اخلاقی اقدار اور زبان کے اعتبار سے بھی خوب صورت مرقعے تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ اس صنف کا چلن کم ہوتا گیا اور جدید اصناف نے اپنے لیے جگہ بنالی۔ داستان جیسی دل چسپ صنف کے بارے میں ثاقب لکھنوی کا یہ شعر لائق توجہ ہے:

زمانہ بڑے شوق سے مٹ رہا تھا  
ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے



## ناول

ناول (Novel) انگریزی کا لفظ ہے جو اطالوی زبان سے ماخوذ ہے۔ ناول کے معنی ”نیا، انوکھا یا اچھوتا“ کے ہیں مگر ادب کی اصطلاح میں ناول سے مراد وہ قصہ لیا جاتا ہے جس میں واقعات خلاف قیاس نہ ہوں۔ داستان کے برعکس ناول کی بنیاد حقیقت اور فطرت پر اٹھائی جاتی ہے اور فرضی، خیالی اور مافوق الفطرت باتوں سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ ناول کا موضوع ”انسان“ ہے۔ آج کا انسان طرح طرح کے حالات و واقعات سے دوچار ہوتا اور متنوع مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ ناول ان سب موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔ گویا ناول نے انسان کو تشیل اور تصویر کی دنیا سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں قدم رکھنا سکھایا۔ اس بنا پر ناول کو کئی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے جن میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

اصلاحی ناول، سماجی ناول، سیاسی ناول، تاریخی ناول، مہمناکی ناول، جاسوسی ناول، نظریاتی ناول۔

مربوط قصہ ناول کی بنیاد ہے جب کہ سلاست اور روانی ناول کی ضرورت ہوتی ہے۔ قصے کی مختلف کڑیوں کو کسی خاص ترتیب سے جوڑنے کا نام پلاٹ ہے۔ ناول کی کہانی کو مختلف کرداروں کے ذریعے بڑھایا جاتا ہے۔ یہ تمام کردار جس مرکزی کردار کے گرد گھومتے ہیں اس کو ہیرو (Hero) کا نام دیا جاتا ہے۔ ناول نگاری میں اسلوب کی بھی بہت اہمیت ہے اور کرداروں کے مابین مکالموں اور منظر نگاری سے بھی کام لیا جاتا ہے لیکن بہر کیف ناول کسی مقصد کے تحت لکھا جاتا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا سب سے پہلا ناول نگار اور ان کے ناول ”مرآة العروس“ کو پہلا ناول تسلیم کیا جاتا ہے۔



## افسانہ

افسانہ ایک ایسی مختصر تحریر کا نام ہے جس میں کسی واقعے، کردار یا لمحے کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ اردو زبان میں افسانہ انگریزی ادب کے اثر سے آیا۔ مغربی زبانوں میں افسانے سے پہلے طویل قصے کہانیاں اور ناول لکھنے کا رواج تھا مگر جوں جوں انسان عدم الفرصت ہوتا گیا تو کسی ایسی صنف ادب کی ضرورت محسوس ہوئی جو کم سے کم وقت میں پڑھنے والے کو مسرت اور تسکین کے لمحات میسر کر سکے، چنانچہ افسانہ لکھا جانے لگا، جس کے اثرات ہندوستان میں بھی تخلیق کیے جانے والے ادب پر بھی پڑے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اختصار افسانے کی سب سے بڑی خصوصیت ہے یعنی افسانے میں بیان ہونے والی کہانی اتنی مختصر ہونی چاہیے کہ اسے ایک ہی نشست میں بخوبی پڑھا جاسکے، اس لیے وحدت تاثر اس کا بنیاد عنصر ہے اور اس میں مرکزی خیال کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

ناول کی طرح افسانے میں بھی اسلوب بیان، کردار نگاری اور مکالمہ نویسی بہت اہم سمجھے جاتے ہیں۔ ناول اور افسانے میں فرق یہ ہے کہ ناول نگار قاری کے لیے کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑتا اور اس میں پوری تفصیل بیان ہوتی ہے مگر اب زمانہ اور ہے، پڑھنے والے بھی تیز ہیں، وہ کچھ کڑیاں خود ملا لیتے ہیں، چنانچہ افسانے میں جا بجا کٹے نظر آسکتے ہیں، جنہیں ایک اچھا قاری خود ملا لیتا ہے۔ افسانہ نگار کا کمال یہ ہے کہ وہ کم از کم الفاظ کا استعمال کرے اور الفاظ سے زیادہ جذبات سے اپنے افسانے کو نمایاں کرے۔ آج اردو افسانے کو عالمی ادب میں ایک باوقار مقام اور اونچا مرتبہ حاصل ہے، یہاں تک کہ ان لکھنے والوں میں سے بعض کے افسانوں کو دنیا کے بہترین افسانوں کے موازنے میں بخوبی رکھا جاسکتا ہے۔



## ڈراما

لفظ ”ڈراما“ یونانی لفظ ڈراؤ (Drao) سے مشتق ہے جس کے معنی ”عمل کر کے دکھانا“ کے ہیں لیکن ادب کی اصطلاح میں ڈراما ایسی صنف ادب ہے جس میں ایک مکمل کہانی ہوتی ہے جو کرداروں کی حرکات و سکنات اور مکالموں کے ذریعے سٹیج پر پیش کی جاتی ہے، اسی لیے ارسطو نے اسے کسی ایسے عمل کی نقالی سے تعبیر کیا ہے جو مکمل ہو۔ ڈرامے کے اجزا میں نہ صرف کہانی، پلاٹ، کردار اور مکالمے اہمیت کے حامل ہیں بلکہ اس کے لیے سٹیج، پس منظر، موسیقی اور کرداروں کا عمل بھی اتنا ہی اہم ہے کیوں کہ ان باتوں کا تعلق براہ راست ڈرامے کی پیش کش سے ہے۔ تاثر کے اعتبار سے ڈرامے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ المیہ (Tragedy) ڈرامے کی اس قسم میں کہانی دردناک واقعات سے تشکیل پاتی ہے اور اندوہناک صورت حال کی تصویر کشی سے رجم اور دردمندی کے جذبات کو ابھارا جاتا ہے۔

۲۔ طریبہ (Comedy) یہ انوکھے اور خوش گوار واقعات سے ترتیب دیا گیا ڈراما ہوتا ہے جس کا عمومی مقصد تفریح اور تفریح

ہوتا ہے۔ کہیں کہیں اس میں ایسا طنز یا انداز بھی اختیار کیا جاتا ہے، جس سے انسانی زندگی میں اصلاح یا خامی کی نشان دہی مقصود ہوتی ہے۔ ڈرامے کا بنیادی عنصر کہانی ہے۔ اسی کا تانا بانا ڈرامے کا پلاٹ ہے۔ منطقی طور پر کہانی میں جس قدر باطنی و معنوی ربط ہوگا، اسی قدر کہانی اچھا تاثر دے گی۔ ڈراما کے سلسلے میں اہم ترین نام آغا حشر کاشمیری کا ہے۔ آغا حشر کے بعد جن ڈراما نگاروں نے اس صنف میں نام پیدا کیا، ان میں سید امتیاز علی تاج اپنے ڈرامے ”انارکلی“ اور حکیم احمد شجاع ”باپ کا گناہ“ کی بنا پر بڑے مشہور ہوئے۔ میرزا ادیب نے اردو ڈرامے کے ذخیرے میں اہم اضافہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ سعادت حسن منٹو، آغا بابر، رفیع پیرزادہ، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، انتظار حسین، خواجہ معین الدین، کمال احمد رضوی، امجد اسلام امجد، حسینہ معین، یونس جاوید اور اصغر ندیم سید ممتاز ڈراما نگار ہیں۔ ہمارے ہاں سٹیج ڈراموں کی حالت تو شاید اتنی اچھی نہیں مگر ٹی وی ڈراموں کو آج بھی ہر جگہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔



### خاکہ

خاکہ کے لغوی معنی ابتدائی نقشہ یا ڈھانچا کے ہیں۔ خاکے سے مراد کسی شخص کی لفظی تصویر کشی ہے۔ خاکے کو شخص مرقع یا شخصیت نگاری بھی کہتے ہیں۔ خاکہ نگار کو خاکے کا موضوع بننے والی شخصیت کے مزاج سے مکمل آگاہی ہونی چاہیے۔ بنیادی طور پر خاکہ اختصار، جامعیت اور دل آویز زبان و بیان کا حامل ہونا چاہیے۔ اردو کے پہلے خاکہ نگار مرزا فرحت اللہ بیگ ہیں، جنہوں نے اپنے استاد ڈپٹی نذیر احمد کا لا جواب خاکہ لکھا ہے۔ خاکہ نگاری کے ضمن میں مولوی عبدالحق، مولانا عبدالحجید سادک، چراغ حسن حسرت، رشید احمد صدیقی اور اشرف صہبوی کے نام اہم ہیں۔ نئے خاکہ نگاروں میں افضل علوی، ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر علی محمد خاں، ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر یونس بٹ اور گل نو خیز اختر شامل اور مقبول ہیں۔



### سفر نامہ

سفر نامہ دراصل روداد کی ایسی قسم ہے جس میں مصنف اپنے سفر و سیاحت کا حال مفصل بیان کرتا ہے۔ سفر نامے میں اس کے ذاتی مشاہدات اور تجربات شامل ہوتے ہیں۔ سفر نامے لکھتے وقت مصنف کے اسلوب میں جدت اور دل کشی ہونی چاہیے۔ اردو زبان میں یوسف حسین خاں کیمبل پوش کا سفر نامہ ”عجائبات فرنگ“ پہلا سفر نامہ ہے۔ مولانا شبلی نعمانی، محمود نظامی، بیگم اختر ریاض الدین، ابن انشا، عطا الحق قاسمی اور مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے بھی قابل تعریف ہیں۔



### مضمون

کسی خاص موضوع پر بحث کو احاطہ تحریر میں لانا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔ مضمون ایک ایسی تحریر ہے جس میں زندگی کے کسی بھی شعبے سے متعلق کسی بھی موضوع پر اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مضمون کی بالعموم ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔ سب سے

پہلے زیر بحث موضوع کا تعارف کرایا جاتا ہے اور پھر اس کے بارے میں معلومات پیش کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ مضمون قدرے مختصر مگر جامع ہونا چاہیے چونکہ روزمرہ بول چال کی زبان سب سے عمدہ تحریر ہوتی ہے اس لیے مضمون نگار کو چاہیے کہ وہ روزمرہ سے قریب رہ کر حتی الامکان سنگھفتہ اور رواں زبان استعمال کرے۔ مضمون نگار کے لیے موضوع کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کیوں کہ اگر مضمون نگار موضوع سے منسلک نہ رہے گا یا خیالات کی ترتیب کو گنڈا کر دے گا تو اس کا مضمون اچھا تاثر پیش نہیں کرے گا۔ اردو ادب میں مضمون نگاری کی روایت میں سرسید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، محمد حسین آزاد، ذکاء اللہ، الطاف حسین حالی، محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، عبدالحلیم شرر، میرنا صرعی، حافظ محمود شیرانی، مہدی افادی، رشید احمد صدیقی، وحید الدین سلیم وغیرہ کے نام آتے ہیں۔



### آپ بیتی

آپ بیتی سے مراد ہے ان حالات، واقعات اور کیفیات کا بیان جن سے کوئی شخص خود گزرا ہو۔ اپنی ذاتی زندگی کے احوال و واقعات کا ایسا بیان آپ بیتی یا خودنوشت کہلاتا ہے جس میں مصنف کی داخلی کیفیات اور احساسات بھی شامل ہوتے ہیں۔ زندگی کا غیر جانب دارانہ جائزہ اور متاثر کن اسلوب، ایک اچھی آپ بیتی کی خصوصیات ہیں۔ اردو آپ بیتی آغاز علامہ جعفر تقاسیری کی خود نوشت ”کالا پانی“ سے ہوا۔ اردو زبان و ادب کے حوالے سے مولانا حسرت موہانی کی ”تقدیرنگ“ ایک بہترین خودنوشت ہے۔ دیوان سنگھ مفتون کی ”نا قابل فراموش“، جوش ملیح آبادی کی ”یادوں کی برات“، احسان دانش کی ”جہان دانش“ اور قدرت اللہ شہاب کی ”شہاب نامہ“ جیسی تحریریں بھی اردو ادب کا سرمایہ ہیں۔



### سوانح عمری

نوعیت کے لحاظ سے سوانح عمری اور آپ بیتی ایک جیسی صنف نثر ہے۔ فرق صرف اتنا ہے آپ بیتی اپنی ذاتی زندگی کی ترجمانی اور کہانی ہے جبکہ سوانح عمری کسی دوسرے شخص کی۔ سوانح عمری کے لیے وہی اسلوب درکار ہے جو آپ بیتی کے لیے ہوتا ہے۔ سوانح نگاری کی اضافی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ غیر جانب داری کا مظاہرہ کرے اپنے جذبات سے شخص مخصوص کی نہ تو بلاوجہ کی مداحی کرے اور نہ ہی اس کی تذلیل کرے۔ مولانا حالی کی حیات جاوید، یادگار غالب، حیات سعدی اور مولانا شبلی نعمانی کی الفاروق رضی اللہ عنہ، المامون، الغزالی رحمۃ اللہ علیہ اور سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اردو کی مشہور سوانح عمریاں ہیں۔



## تلخیص نگاری

تلخیص عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی خلاصہ، خلاصہ کرنا، خالص بنانا، مختصر کرنا، چناؤ اور پاک صاف کرنا کے ہیں۔ نگاری فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں تحریری رنگ آمیزی، زینت، زیبائش اور کتابت وغیرہ۔ اردو میں یہ لفظ بطور لاحقہ مستعمل ہے، جیسے: مضمون نگاری، تبصرہ نگاری، نامہ نگاری وغیرہ۔ تلخیص نگاری سے مراد ہے کسی اقتباس کو اختصار اور جامعیت سے لکھنا، کسی اقتباس یا عبارت کا خلاصہ یوں بیان کرنا کہ اس کے تمام غیر ضروری الفاظ و تراکیب کی جگہ مختصر اور جامع الفاظ اس کا اصل ظاہر کریں۔ تلخیص نگاری سے عبارت کا اصل جو ہر منظر عام پر لایا جاتا ہے۔

خلاصہ اگرچہ اصل مضمون، اصل دستاویز یا اصل متن کا نعم البدل نہیں ہوتا تاہم محدود وقت میں معلومات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ خاص مقاصد کے حصول کے لیے تخلیق کیا جاتا ہے۔ مختصر اور جامع الفاظ قاری کو کسی مضمون کی وسعت یا متن کی طوالت سے اکتاہٹ کا شکار نہیں ہونے دیتے اور وہ تحریر کا لب لباب آسانی سے سمجھ پاتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے کہ اصل تحریر کا مطالعہ اس کے لیے ضروری ہے یا نہیں۔ تلخیص نگاری سے تحریر و تقریر میں غیر ضروری طوالت سے احتراز ممکن ہوتا ہے۔ اس سے ایک طرف بیان کے مقصد کی تحصیل آسان ہوتی ہے اور دوسری طرف وقت کی بچت بھی۔ عیش درانی لکھتے ہیں:

”تلخیص کسی عبارت کو کم از کم الفاظ میں اس طرح لکھنا کہ اس عبارت کا تاثر برقرار رہے اور کوئی بات محل نظر نہ ہو، تلخیص نگاری کہلاتی ہے۔“

تلخیص نگاری کے لیے چند اہم ہدایات:

- ۱۔ تلخیص اصل عبارت کی ایک تہائی تک محدود رکھیے۔
- ۲۔ تلخیص میں عبارت کے اصل نکات ضرور درج کریں۔
- ۳۔ تلخیص ایک جامع پیرا گراف میں لکھیے۔
- ۴۔ مکالمات انداز کو بیانیہ میں بدلنا چاہیے۔
- ۵۔ غیر ضروری تراکیب، مترادفات، تشبیہات وغیرہ سے گریز کریں۔
- ۶۔ عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔



## نمونہ تلخیص

(۱)

درختوں کی بہتات ہوا میں موجود آبی بخارات میں اضافے کا باعث بنتی ہے اور بارش کے ذریعے فضائی آلودگی کو کم کرنے میں اہم کردار انجام دیتی ہے۔ اس کے علاوہ درختوں کی وجہ سے زمینی اور صوتی آلودگی بھی کم ہوتی ہے۔ وہ علاقے جہاں سیم اور تھور زیادہ ہو، وہاں درخت زمین سے پانی جذب کر کے زیر زمین پانی کی مقدار کو کم کر دیتے ہیں۔ اس طرح پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور زمین قابل کاشت بن جاتی ہے۔ پھل دار درخت اور پھول دار پودے مناظر فطرت کو پرکشش بناتے ہیں۔ سبزہ مال مویشیوں کی

خوراک بنتا ہے۔ درختوں کی وجہ سے فرنچیز، ریشم اور گتہ سازی جیسی صنعتیں فروغ پاتی ہیں۔ درخت نہ صرف ہمارے بہترین دوست ہیں بلکہ ان پر چڑیا اور فاختہ جیسے بے شمار پرندے گھونسلے بناتے، پرورش پاتے اور چھپاتے ہیں، اس لیے انہیں بلاوجہ ایندھن کی نذر نہیں کرنا چاہیے۔

### مخبرہ عنوان: درخت ایک نعمت

مخبرہ: درختوں کی پیدا کردہ نمی بارشوں کا سبب بنتی ہے۔ ان کی بہتات زمینی، صوتی اور فضائی آلودگی کو کم کرتی ہے۔ درخت زمین کو زرخیز بناتے اور ماحول کو سجاتے ہیں۔ ان سے لکڑی کی صنعت فروغ پاتی ہے۔ انسانوں اور پرندوں کے یہ دوست ایندھن کی نذر نہیں ہونے چاہئیں۔

(۲)

اخلاقی لحاظ سے بلا ضرورت کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا اور بھیک مانگنا نہایت بُرا فعل ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج کل گداگری ایک پیشے کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ ہمارے ملک کے چھوٹے بڑے شہر، قصبے اور دیہات بھی اس کا شکار ہو چکے ہیں۔ مختلف قومی اور مذہبی تہواروں کے موقع پر گداگروں کی قطاریں لگی نظر آتی ہیں۔ گلی محلوں میں بھیک مانگنے والے گداگروں کے انداز بہت عجیب ہوتے ہیں۔ کوئی اونچی آواز میں التجا کرتا ہے تو کوئی دعائیں دیتا ہے اور کوئی مٹھنم صدائیں دیتا نظر آتا ہے۔ معذور لوگوں کے ساتھ صحت مند مرد و خواتین جگہ جگہ بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ معروف اور مصروف شاہراہیں ہوں یا چوک چوراہے، بھکاریوں کی طرح طرح کی اداکاری اور انداز ہر کسی کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آخر ہمارا معاشرہ کس طرف کوجار رہا ہے؟

### مخبرہ عنوان: گداگری ایک سماجی مسئلہ

مخبرہ: گداگری جیسا برا فعل پیشے کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ ہمارے ملک میں ہر تہوار پر ہر جگہ گداگروں کی کثرت نظر آتی ہے۔ گلیوں اور شاہراہوں پر معذوروں کے ساتھ تندرست لوگ بھیک کے لیے ہمہ اقسام صدائیں دیتے اور فکر انگیز اداکاری کرتے نظر آتے ہیں۔



## مشقی عبارات

1

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں۔ ایک وہ جس نے اپنے باپ دادا کو درجہ کمال تک پہنچا ہونا قابل سہو و خطا سمجھ کر ان کے علوم و فنون اور طریقہ معاشرت کو کامل سمجھا اور اس کی پیروی پر جمی رہی اور اس کی بہتری اور ترقی پر اور نئی چیزوں کے اخذ و ایجاد پر کچھ کوشش نہیں کی۔ دوسری قوم نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں نئے نئے علوم و فنون اور طریقہ معاشرت کے ایجاد میں کوشش

کرتی رہی۔ اب دیکھ لو کہ ان دونوں قوموں میں کیا فرق ہے۔ کون ترقی اور کون تنزل کی حالت میں ہے۔

۲

سر سید نے اپنے خیالات کے ظاہر کرنے میں بناوٹ اور تصنع کو کبھی دخل نہیں دیا۔ جس سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ ابتدا میں مطلب نگاری شروع کی تھی، غدر کے زمانے تک جو کہ تقریباً بیس برس کا ہوتا ہے، اپنے سیدھے سادے نیچرل اسٹائل (قدرتی اسلوب) میں ہر قسم کی تحریریں کیا کرتا ہیں، کیا مضامین، کیا مقدمات کے فیصلے اور تحریریں برابر لکھتے رہے۔ اس میں ہیس سال کی مشق اور مہارت نے جو کہ ایک انداز پر متصل جاری رہی اور پیچیدہ مضمون کے سلجھانے کی ایک غیر معمولی طاقت پیدا کر دی۔

۳

انسان ایک ایسی ہستی بنایا گیا ہے جس کی فطرت میں آزادی اور خود مختاری رکھی گئی ہے۔ وہ ذی عقل اور ذی شعور ہے۔ اس کو تمام قوائے ظاہری اور باطنی دیے گئے ہیں۔ ان کے استعمال پر جس طرح کہ وہ چاہے قادر ہے۔ تمام کاموں کے شروع کرنے کی سمجھ اور ان کے انجام کی سوچ اس کو دی گئی ہے تاکہ ہر کام کا آغاز اور انجام سوچ لے۔ اس کی فطرت ایسی ہے کہ اپنے لیے آپ تمام چیزیں مہیا کرنے کے لیے حاجت مند ہے۔ وہ ضروریات زندگی فراہم کر سکتا ہے۔ وہ قدرت رکھتا ہے۔ پس یہ تمام چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس صانع کی مرضی یہی تھی کہ یہ پنلا آپ اپنا مالک رہے۔

۲

دنیا میں جب بھی حق پر برا وقت آیا، جب بھی جھوٹ اور کذب کے طوفانوں نے حق کو گھیرا، جب بھی ظلمت کی آندھی چڑھی، حق کے دیوانوں نے بڑھ چڑھ کر اس چیلنج کا مقابلہ کیا۔ تعداد کی قلت کے باوجود باطل کی کثرت کے سامنے ڈٹ گئے، سینہ سپر ہو گئے۔ باطل کے ظاہری رعب اور دبدبہ کے باوجود ان کے پائے استقامت نہیں لڑکھڑائے۔ وہ قطعاً نہیں گھبرائے، وہ جان و مال اور اہل و عیال کی قربانی دینے کے لیے ہمیشہ تیار تھے اور رہے۔ کرب و بلا کی داستان بھی ان ہی اہل ایمان کے خون سے رنگین ہے۔ بدرجہا ان کا معرکہ بھی ان ہی کے ایمان و ایثار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دنیا میں باطل آج بھی ذلیل و رسوا ہے اور حق آج بھی سر بلند ہے۔ آج بھی حق فاتح ہے اور اس کا ڈنکا بجتا ہے۔

۵

جو اشخاص شہرت کے آسمان پر آفتاب ہو کر چمکے ہیں، ان کے سوانح کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دن رات ان تھک محنت کرتے ہیں۔ لیکن وہ نوجوان عموماً مست اور کامل ہوتے ہیں جو اپنے زعم میں یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی ترقی کا سبب ان کی ذہانت اور ذکاوت تھی، نہ ان کی ذاتی کوشش۔ یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جتنا کوئی شخص مست اور کامل ہوگا، اتنا ہی اس بات کا قائل ہوگا کہ بڑے بڑے کام صرف ذہین اشخاص ہی کر سکتے ہیں۔ ذہانت کیا ہے؟ اجتہاد ہے کی کاوش کرنے کی

77

اہلیت کا دوسرا نام۔ کاش! ان سست اور کاہل نوجوانوں کو ان تکالیف، ان مصائب اور ان ناکامیوں کا علم ہوتا جو بڑے کام کرنے والی ہستیوں کے سدراہ ہوتے ہیں تو یقیناً ان کی ڈھارس بندھ جاتی اور وہ بھی کام کرنے کے لیے کمر باندھ لیتے۔

①

کسی غیر زبان کو ذریعہ علم بنانا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ جاپان میں جاپانی، چین میں چینی، انگلستان میں انگریزی، فرانس میں فرانسیسی، جرمنی میں جرمن غرضیکہ ہر ملک کے اندرونی زبان ذریعہ تعلیم ہے جس کو سب بخوبی سمجھتے ہیں سوائے پاکستان کے، جہاں سب لوگ سمجھتے تو اردو ہیں لیکن یہاں ذریعہ تعلیم انگریزی ہے اور اسی وجہ سے ہمارا معیار تعلیم پست ہے۔ علم اسی زبان میں اچھی طرح دی جاسکتی ہے جس کو طالب علم آسانی سے سمجھ سکیں۔ ہمارے یہاں تعلیم اس زبان میں دی جاتی ہے جس کو سمجھنے سمجھانے میں دس سال کا عرصہ لگ جاتا ہے اور پھر کہیں جا کر صحیح معنوں میں علم سیکھنے کا آغاز ہوتا ہے۔ ہمارے زوال، پستی اور نالائقی کا واحد سبب یہی ہے کہ ہم نے اردو کو ذریعہ تعلیم نہیں بنایا اور ہم اپنا قیمتی وقت علوم سیکھنے کے بجائے انگریزی سیکھنے میں ضائع کر دیتے ہیں۔

②

تعلیمی پستی اور کم شرح تعلیم کے یوں تو بہت سے اسباب ہیں اور ان کی تفصیل کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہیں لیکن میرے خیال میں گرتے ہوئے معیار تعلیم کا بنیادی سبب اور اصل وجہ تعلیم کے لیے مثبت منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔ سستی شہرت اور نام نہاد نعرہ ترقی نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔ نام نہاد ماہرین نے تعلیم کو عام کرنے کا نعرہ لگایا تو ہر ضلع، تحصیل اور قصبے میں تعلیمی ادارے منصفہ شہود پر آئے۔ ان میں سے بہت سے تعلیمی ادارے اپنی قسمت کو رو رہے ہیں اور نو نھالان قوم بھی مفت میں اپنی جان کھور رہے ہیں۔ تعلیمی ادارے تو ہر جگہ موجود ہیں مگر طلبہ و طالبات، اساتذہ، والدین اور دیگر متعلقہ افراد کی عدم توجہی اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ اساتذہ ہیں کہ رہائش کے مسئلہ سے دو چار در بدر مارے مارے پھرتے ہیں۔ عوام اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ ان کا تعاون نہ ہونے کے برابر ہے۔ جب تک تعلیمی ادارے مذکورہ بالا مسائل سے دو چار رہیں گے، معیار تعلیم گرتا چلا جائے گا۔

③

انسان کے ارد گرد کا ماحول اس کی فطرت کی عکاسی کرتا ہے۔ صحت مند انسانوں سے صحت مند معاشرے جنم لیتے ہیں۔ صحت کی قیمت پر کوئی بھی ترقی خوش آئند نہیں ہوا کرتی۔ انسان دوستی اور پائیدار معاشرے کے شفاف تصور کے لیے ہر شخص کو، جہاں تک اس کی دسترس ہے، اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ چنانچہ ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم اپنی ضرورتیں اس طرح پوری کریں جن سے وسائل پر کم سے کم بوجھ پڑے۔ یہ نہ ہو کہ ہمارے آج کے آرام و آسائش کا خمیازہ ہماری آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑے۔ اس کی ابتدا کا پہلا، آسان اور سب سے مناسب راستہ یہ ہے کہ ہم ماحولیات کے بنیادی اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے، پانی، توانائی اور باقی چیزوں کو کفایت سے

استعمال کریں۔ اگر ماحول کی تبدیلی موجودہ رفتار سے جاری رہی تو زیادہ امکان یہی ہے کہ آنے والی نسلیوں کے لیے تباہ و برباد شدہ ماحولیاتی نظام ہی باقی رہ جائے گا۔

۹

قدرت نے نواب محسن الملک کو بہت سی خوبیاں عطا کی تھیں۔ وجاہت، ذہانت، خوش بیانی اور فیاضی ان کی ایسی عام اور ممتاز صفات تھیں کہ ایک راہ چلتا بھی چند منٹ کی بات چیت میں معلوم کر لیتا تھا۔ خطاب یا نام اُنکل سے رکھ دیے جاتے ہیں۔ مسٹی کی خصوصیات کا ان میں مطلق لحاظ نہیں ہوتا۔ نام رکھتے وقت تو ممکن ہی نہیں۔ عطاءے خطاب کے وقت بھی اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا لیکن محسن الملک کا خطاب ان کے لیے بہت ہی موزوں نکلا۔ ان میں پارس پنہر کی خاصیت تھی۔ کوئی ہو کہیں کا ہو، اُن سے چھو انہیں اور کندن کا ہوا نہیں۔ اگر کسی نے سلام بھی کر لیا تو ان پر اس کا بارر پتا تھا اور جب تک اس کا معاوضہ نہ کر لیتے انہیں چین نہ آتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دشمن کو بھی نہ بھولتے تھے اور یہ میں ذاتی علم سے کہتا ہوں کہ وہ بھی ان کے زیر بار منت تھے۔

۱۰

زبان کا صحیح استعمال اور محاوروں کے برتنے کا سلیقہ ان کا خاندانی وصف ہے جو اپنی پوری رچاوت اور ایک نئے توازن کے ساتھ ان کی نثر میں آ گیا ہے۔ شاہد احمد دہلوی کی نثر میں دلی کا وہ سارا بانگمیں موجود ہے جو الگ الگ ڈپٹی نذیر احمد اور محمد حسین آزاد کے ہاں ملتا ہے۔ آزاد کی نثر میں استعاروں کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ وہ ایک بات کو کئی کئی استعاروں کے ذریعے ادا کرتے ہیں اور ان کی عبارت رنگین اور تخیل کے زور سے شوخ اور شگفتہ ہو جاتی ہے۔ نذیر احمد محاوروں کو خوب خوب استعمال کرتے ہیں۔ شاہد کے ہاں نہ استعاروں کی کثرت ہے نہ محاوروں کی لیکن اس کے باوجود ان دونوں صاحب طرز ادیبوں کی نثر کے امکانات جس نقطے پر ملتے ہیں وہاں سے شاہد احمد دہلوی کی نثر پیدا ہوتی ہے۔



### مکتوب نگاری

نثری تحریروں میں خط ایک اہم صنف ہے۔ خط کو ”آدھی ملاقات“ بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ خط کسی کے ساتھ رابطے اور کسی کا حال احوال جاننے کی ایک عمدہ صورت بھی ہے۔ خط مکتوب نگار کے دلی جذبات کا عکاس ہے۔ غالب نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا اور مکتوب نگاری میں کئی جدتیں پیدا کیں۔ ماضی میں مکتوب نگاری ہماری تہذیب کا خوب صورت اظہار یہ تھا۔ اگرچہ موجودہ دور میں سائنسی ترقی نے انسانوں کے درمیان فاصلے کم کر دیے ہیں اور انٹرنیٹ کی سہولت نے ای میل سمیت پیغام رسانی کے بے شمار جدید طریقے متعارف کرا دیے ہیں تاہم مکتوب نگاری کی ضرورت ختم نہیں ہوئی۔ مکتوب نگاری کے فن میں مہارت حاصل کرنا ہماری عملی اور معاشرتی ضروریات کا تقاضا ہے۔ خط لکھنے والے کو عربی زبان میں مکتوب نگار اور جس شخص کو خط لکھا جائے اسے مکتوب الیہ کہا جاتا ہے۔

خط کو عموماً دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے: (الف) رسمی خط (ب) غیر رسمی خط

رسمی خط: رسمی خطوط وہ خط ہیں جو کسی اجنبی یا صاحب اختیار کو لکھے جاتے ہیں۔ ان خطوط میں مدعا نگاری یا مقصدیت کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ سرکاری اور کاروباری نوعیت کے خطوط کا شمار بھی رسمی خطوط میں ہوتا ہے۔

غیر رسمی خط: غیر رسمی خطوط اپنے والدین، عزیزوں اور دوستوں کو لکھے جاتے ہیں۔ ایسے خطوط میں جذبات اور خیالات کے بے ساختہ اظہار سے آدھی ملاقات کا سماں بندھ جاتا ہے۔

### خطوط لکھنے کے لیے چند ہدایات

- ممکن ہو تو خط کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے کا اہتمام کریں۔
- مکتوب الیہ کے مقام، مرتبہ اور عمر کو مد نظر رکھ کر خط کی عبارت تحریر کی جائے۔
- خط زیادہ تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا لہذا مختصر اور جامع انداز اختیار کیا جائے۔
- خط لکھنے کا مقام اور تاریخ صفحے کے اوپر انتہائی دائیں جانب درج کی جاتی ہے۔
- القاب و آداب، علامتِ ندائیہ / فائیہ کے ساتھ صفحے کے درمیان میں لکھے جاتے ہیں۔
- القاب و آداب کے بعد نفسِ مضمون تحریر میں لایا جاتا ہے۔
- نفسِ مضمون کا اختتام دعا، اظہارِ تفکر یا جذبہ خیر گالی سے کیا جاتا ہے۔
- نفسِ مضمون کے بعد صفحے کے بائیں جانب مکتوب نگار کا نام لکھا جاتا ہے۔
- امتحان میں جوابی کاپی پر نام اور پتا لکھنے کی ممانعت کے سبب ان کی جگہ حروفِ ابجد یا رول نمبر لکھے جاتے ہیں۔
- بے تکلفی، بے ساختگی اور سادگی اچھے خط کی خصوصیات ہیں۔



### خط کے اجزا

(۱) مقامِ روانگی	(۲) اندراجِ تاریخ	(۳) القاب
(۴) آداب و تسلیمات	(۵) نفسِ مضمون	(۶) اختتامی کلمات
(۷) مکتوب نگار کا نام اور پتا	(۸) مکتوب الیہ کا نام اور پتا	



## نمونے کے چند خطوط

### ① دوست کے نام

(امتحان میں کامیابی کا ذکر کرنا)

امتحانی مرکز [ محلہ لکھنؤ ]

۱۵ اگست ۲۰۰۰ء [ تاریخ امتحان اور دن صوبہ ]

پیارے دوست کاشف! [ آدابِ ادب ]

السلام علیکم! میں یہاں خیریت سے ہوں اور امید ہے آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔ مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی گیارھویں جماعت کے سالانہ امتحان میں کالج بھر میں اول پوزیشن آئی ہے۔ میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کی محنت، آپ کے والدین، بہن بھائیوں اور دوستوں کی دعاؤں سے رنگ لے آئی ہے۔ یقین کریں کہ مجھ سمیت تمام دوست احباب اور عزیز واقارب آپ کی اس عظیم کامیابی سے بہت خوش ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم میٹرک میں اکٹھے پڑھتے تھے، اس وقت بھی آپ بہت محنتی تھے۔ ہمیں آپ کی شبانہ روز محنت پر رشک آتا تھا۔ تمام اساتذہ آپ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس وقت بھی آپ نے میٹرک کے امتحان میں ضلع کی سطح پر بھر میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔ دوست! مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ نے مسلسل محنت کو اپنا شعار بنایا ہوا ہے اور میری دعا ہے کہ اسی طرح محنت کرتے رہیں اور کامیابی کی سیرھیاں چڑھتے رہیں۔ ہم سب دوست بھی ان شاء اللہ آپ کی طرح محنت کریں گے اور امتیازی کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

میری طرف سے ایک بار پھر مبارکباد قبول کریں، والسلام! [ درجہ (۱۰-۱۱) ]

آپ کا مخلص [ انعام ]

نام و پتہ: الف، ب، ج [ محلہ لکھنؤ ]



### ② چھوٹے بھائی کے نام

(ہم نصابی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لینے کے لیے)

امتحانی مرکز

۲۰ مئی ۲۰۰۰ء

پیارے بھائی!

السلام علیکم! کل آپ کا خط موصول ہوا۔ خوش خبری پڑھ کر میرا دل خوش ہوا اور سرفخر سے بلند ہو گیا۔ اس خط میں آپ نے اپنی

جماعت میں اپنے اول آنے کی نوید سنائی ہے۔ مجھے آپ سے یہی امید تھی اور یقین تھا کہ آپ میری اُمیدوں پر ہمیشہ پورا اتریں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے!

بھائی! آپ کی نصابی کارکردگی تو ہمیشہ ہی قابل ستائش رہی ہے اور تمام اساتذہ آپ سے مطمئن رہے ہیں مگر میرا مشورہ ہے کہ آپ نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی دلچسپی لیں۔ آپ کا اس سے جسم تندرست و توانا اور چاق چوبند رہے گا۔ ایک صحت مند جسم میں ہی صحت مند دماغ پایا جاتا ہے۔ اگر ایک انسان اپنے جسم کو تندرست و توانا رکھتا ہے تو یقیناً اس کی ذہانت میں اضافہ ہوتا ہے جب کہ جسم کی تندرستی کھیلوں سے ممکن ہے۔ آپ کے کالج میں ہر سال کھیلوں کے مقابلے ہوتے ہیں، ان میں بھرپور شرکت کیا کریں۔ اس کے علاوہ تحریری و تقریری ادبی مقابلہ جات کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ ان تمام سرگرمیوں کے لیے وقت نکالیں اور محض ایک کتابی کیز بن کر رہ جائیں۔ میری نصیحت پر عمل کرنے سے آپ چست و توانا رہیں گے اور شخصیت میں اعتماد پیدا ہوگا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اعتماد کسی شخصیت کے اوصاف میں سب سے بڑی صفت ہے۔ ہر وقت پڑھتے لکھتے رہنے سے مزاج خشک ہو کر رہ جاتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے اور آپ اپنی شبانہ روز محنت سے بڑا آدمی بننا چاہتے ہیں مگر بڑا آدمی ہمد اوصاف کا حامل ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ آپ نصابی اور ہم نصابی دونوں طرح کی سرگرمیاں اپنائیں۔ ایک مخصوص وقت مقرر کرنے کی صورت میں ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا جاسکتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ ان ہدایات پر عمل کر کے دونوں میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوائیں گے۔ اپنا خیال رکھیں، والسلام!

آپ کی باجی  
الف، ب، ج



۳ دوست کے نام  
(زندگی کے نصب العین کے متعلق)

امتحانی مرکز

۱۸ مارچ ۲۰۰۰ء

پیارے دوست ماجد!

السلام علیکم اکل آپ کا خط موصول ہوا بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے میڈیکل کالج میں داخلے کے بعد بھی مجھے یاد رکھا۔ آپ نے مجھ سے میرے نصب العین کے بارے میں دریافت کیا ہے۔ میں چاہوں گا کہ آپ کے سوال کا جواب تفصیلاً دوں۔ ماجد! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مجھے بچپن ہی سے معلم بننے کا بہت شوق تھا اور میں ہمیشہ سے آرزو رکھتا تھا کہ ایک معلم کی حیثیت سے ملک و قوم کی خدمت کروں۔ یہ بات سچ ہے کہ انسان کی دلچسپی جس پیشے میں زیادہ ہو وہ اسی پیشے سے انصاف کر سکتا ہے۔ میری اس پیشے میں بڑی دلچسپی کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے زندگی کے تمام شعبوں پر فضیلت رکھنے کے باوجود معلم ہونے پر فخر کیا۔ میں سوچتا ہوں

کہ معلم بن کر جب میری طرف سے میرے کسی دوسرے مسلمان بھائی کے علم میں اضافہ ہوگا تو مجھے بے پناہ ثواب ہوگا اور یوں سنت پر عمل پیرا ہونا میری خوش نصیبی ہوگی۔

پیارے دوست! میرے اس مقصد حیات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرے والدین کا تعلق بھی درس و تدریس سے ہے۔ میں نے بچپن سے لے کر اب تک گھر میں ایک ادبی، تعلیمی اور تدریسی ماحول دیکھا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں تو میرے حق میں لازمی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام نیک خواہشات کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور میں اپنے نصب العین کے مطابق زندگی بسر کر سکوں۔ آپ کے تمام اہل خانہ کو میری طرف سے سلام!

آپ کا دوست

الف، ب، ج



۲ چچا کے نام

(تحفہ ملنے پر شکر یہ ادا کرنے کے لیے)

امتحانی مرکز

۲۵ دسمبر ۲۰۰۰ء

پیارے چچا جان!

السلام علیکم! کل آپ کا پیار بھرا خط اور میرا تحفہ موصول ہوا۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ آپ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میری ساگرہ کا تحفہ خریدنا نہیں بھولیں گے۔ میرے اس یقین کے پیچھے آپ کی مجھ سے بے پناہ محبت ہے۔ مجھے اس بات کا ہرگز اندازہ نہ تھا کہ میرا تحفہ میری خواہش کے عین مطابق ہوگا، اس قدر پیش قیمت ہوگا اور اتنا خوب صورت ہوگا۔

چچا جان! آپ نے مجھے گھڑی کا تحفہ دے کر تو جیسے مجھے خرید ہی لیا ہے۔ سچ پوچھیے تو میں نے ایک ہفتہ پہلے ایسی ہی گھڑی ایک بڑی دکان پر دیکھی تھی مگر اتنی مہنگی تھی کہ میں ضرورت کے باوجود اسے خرید نہ سکی اور حسرت سے دیکھتی رہ گئی۔ میرے امتحان میں ابھی چند روز باقی ہیں۔ میں روزانہ اس گھڑی کو کلائی پر سجا کر امتحان دینے جایا کروں گی۔ ان شاء اللہ اس کی بدولت پورے وقت کے حساب سے پرچہ حل کیا کروں گی اور اپنے تمام کاموں کو وقت پر بخوبی انجام دیا کروں گی۔ یہ گھڑی محض ایک تحفہ ہی نہیں ہے بلکہ وقت کی پابندی کا ایک درس بھی ہے۔ یہ اس قدر جاذب نظر ہے کہ میرے تمام ملبوسات کے ساتھ بچے گی۔ میں نے جب یہ گھڑی اپنی سہیلیوں کو دکھائی تو انہوں نے بھی اس کی بہت تعریف کی اور آپ کا یہ دل سے شکر یہ ادا کرنے کو کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا کہ آپ میری مسکراہٹوں کا باعث بنے۔ میں آپ کے دیے گئے تمام تحائف کی طرح اسے بھی سنبھال کر رکھوں گی اور اسے دیکھ دیکھ کر آپ کو دل سے دعائیں دیتی رہوں گی۔ چچی جان کو میرا سلام!

آپ کی بھتیجی

الف، ب، ج

## ۵ والد صاحب کے نام

(تفریحی مقام کی سیر کا حال بیان کرنے کے لیے)

امتحانی مرکز

۰۹ نومبر ۲۰۰۰ء

پیارے ابو جان!

السلام علیکم! امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے اور گھر میں بھی سب لوگ اللہ کے فضل سے حفظ و امان میں ہوں گے۔ مجھے سیر سے واپس آئے دو دن ہو چکے ہیں۔ میں صحت کی خرابی اور ٹھکن کی وجہ سے خط لکھنے سے قاصر تھا، جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ مری کے پہاڑی علاقوں کی آب و ہوا ہمارے علاقوں سے مختلف ہوتی ہے۔ میرا جسم اس آب و ہوا کو برداشت نہ کر سکا جس کی وجہ سے مجھے زکام اور بخار نے آگھیرا۔ بہر حال میں نے واپس آتے ہیں دو الے لی اور کچھ دیر آرام کے بعد تندرست ہو گیا اور آپ کو خط لکھنا شروع کیا۔

میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہمارے کالج کی طرف سے ایک تفریحی مقام کی سیر کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس تفریحی سیر کا مرکز مری کی وادی اور اس کا قرب و جوار طے پایا۔ ہمارے تمام اساتذہ نے مل کر سارا نظام الاوقات بنایا، بسوں کا انتظام کیا اور ۱۸ مئی کو صبح ۳: ۰۹ بجے روانگی کا وقت مقرر کیا۔ مقررہ تاریخ کو صبح ۹ بجے تک تمام طلبہ کے کالج میں جمع ہو گئے اور صبح ۳: ۰۹ بجے ہم سب سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔ سفر چار گھنٹے کا تھا۔ میں نے اور میرے تمام دوستوں نے خوب مزے کیے۔ راستے میں ایک مسجد کے سامنے نماز ظہر ادا کرنے کے لیے بس روکی گئی۔ ہم سب نے با وضو ہو کر نماز ادا کی۔ مسجد کے قریب ہی ایک ڈھابا تھا۔ طلبہ نے وہاں سے گرم پکڑے، بسوسے اور کھانے پینے کی دوسری چیزیں خریدیں اور ان سے لطف اندوز ہوئے۔ کچھ دیر رکنے کے بعد بس دوبارہ منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئی اور دو اڑھائی گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم مری پہنچ گئے۔ سب سے پہلے ہمیں مری کی مال روڈ کی سیر کا موقع میسر آیا۔ مال روڈ کی دکانوں سے میں نے آپ کے اور اٹنی جان کے لیے خشک میوہ جات کے ساتھ ساتھ اور بہت سی چیزیں خریدیں جو میں گھر آتے ہوئے ساتھ لاؤں گا۔ مال روڈ کے بعد ہم نے مری کی معروف سڑکوں کی سیر کی۔ اس کے علاوہ ہم گھوڑا گلی، چھانگلی اور تھیا گلی بھی گئے۔ یہاں کا دل کش ٹھنڈا موسم مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ مری میں ہمارا قیام مال روڈ کے کنارے ایک خوب صورت ہوٹل میں تھا۔ رات دیر تک سیاحوں کی وجہ سے چہل پہل کا سماں رہا۔ جب ہم سیر پانے سے تھک گئے تو ہوٹل کا رخ کیا۔ ایک رات آرام کے لیے ہوٹل کے چند کمرے کرایے پر لیے گئے تھے۔ باقی دوستوں کی طرح میں بھی تھکاوٹ سے پورا اپنے کمرے میں جاتے ہی لیٹ گیا اور صبح کہیں جا کے میری آنکھ کھلی۔ تمام طلبہ نے اپنے ساتھ آئے ہوئے اساتذہ کے ہمراہ ناشتا کیا۔ گیارہ بجے تک مزید سیر کا وقت مختص تھا۔ وقت مقرر پر تمام لوگ ہوٹل میں اکٹھے ہوئے اور اپنا اپنا سامان باندھ کر واپسی کے لیے دوبارہ بس سوار ہو گئے۔ اس سفر میں ہمیں اپنے اساتذہ کی قربت بھی نصیب رہی اور تفریح کا موقع بھی میسر آیا۔ مجھے یہ تفریحی دورہ ہمیشہ یاد رہے گا۔

آپ اپنا خیال رکھیے گا۔ میری طرف سے چھوٹے بھائی کو پیار اور اٹنی جان کو سلام!

آپ کا بیٹا

الف، ب، ج

## ۶ دوست کے نام

(دوست کی والدہ کی وفات پر اظہارِ تعزیت کے لیے)

امتحانی مرکز

۱۱ فروری ۲۰۰۰ء

پیارے علی احمد!

السلام علیکم!

کل آپ کا خط موصول ہوا جسے پڑھ کر آپ کی والدہ کی وفات کی افسوس ناک خبر کا پتا چلا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ عزیز دوست! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ہر نفس کو موت کا مزد چکھنا ہے۔“ یہ دنیا فانی ہے۔ جو یہاں آیا، اُس کا اپنے رب کے پاس جانا اہل ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ ، کل ہماری باری ہے

لیکن کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے ہماری پوری زندگی وابستہ ہوتی ہے۔ ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم ان کے بغیر جی نہیں سکتے۔ ماں ایک ایسا ہی سچا اور کھرا رشتہ ہے جس کی دعائیں ہماری کامیابیوں کی ضمانت ہوتی ہیں:

کامیابی اس لیے بچھتی ہے میرے پاؤں میں کامیابی کی دعائیں مانگتی رہتی ہے ماں

مگر ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظام کو بھی کسی صورت جھٹلا نہیں سکتے۔ ہر مخلوق کو ایک نہ ایک دن اپنے خالق حقیقی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ماں بھی ایک دن داغِ مفارقت دے جاتی ہیں۔ آپ کی انی ایک نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ انھوں نے ہم تمام دوستوں پر ہمیشہ شفقت فرمائی اور ہمیں ہماری ماؤں جیسا ہی پیار دیا۔ وہ نہایت پرہیزگار اور سادگی پسند خاتون تھیں۔ ایک دنیا ان کے حسنِ اخلاق کی مثال دیتی ہے۔ ایسی نیک ہستیوں کا ٹھکانا ہمیشہ جنت میں ہوتا ہے۔ جانے والے اپنے آپ کو اللہ کی رضا پر ہمیں چھوڑ کے چلے جاتے ہیں لیکن ہمیں صبر سے کام لینا چاہیے، کبھی بھی شکوہ کناں نہیں ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر رضا مند ہونا چاہیے۔ ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں اور اپنے بہن بھائیوں کو کبھی ان کی کمی محسوس مت ہونے دیں۔ یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں جلد از جلد آپ کے پاس حاضر ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ ماجدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین!

شریکِ غم

الف، ب، ج



۴ والد کے نام  
(ہاسٹل کی زندگی کے بارے میں)

امتحانی مرکز  
کیمبرجیوری ۲۰۰ء

پیارے ابا جان!  
السلام علیکم!

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ کچھ روز قبل میں نے آپ کو مطلع کیا تھا کہ میں خیریت سے ہاسٹل پہنچ گیا ہوں۔ اس کے جوابی خط میں آپ نے مجھے ہدایت دی تھی کہ میں آپ کو ہاسٹل کی زندگی کے معمولات کے متعلق خط کے ذریعے ذرا تفصیل سے بتاؤں۔ ابا جان! آپ بالکل بے فکر رہیں، میں یہاں بہت محفوظ ہوں۔ ہاسٹل میرے کالج سے پانچ منٹ کی دوری پر ہے۔ ہاسٹل میں تین انچارج مخصوص کیے گئے ہیں۔ مجھے جو کمرہ دیا گیا ہے، اس میں میرے ساتھ دو اور ساتھی طلبہ بھی رہتے ہیں۔ ہاسٹل کی فیس میں کھانے پینے کے اخراجات بھی شامل ہیں۔ کھانا معیاری ہے اور ہمیشہ وقت پر دیا جاتا ہے۔ رات کے وقت ہاسٹل سے باہر جانے پر سخت پابندی ہے۔ باہر جانے کے لیے اجازت نامہ جمع کروایا جاتا ہے اور صرف ایمر جنسی کی صورت میں ہی منظور کیا جاتا ہے۔ ہمارے آنے جانے پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ ہاسٹل کی انتظامیہ نے جو قواعد و ضوابط کی ایک کاپی ہم سب کو داخلے کے دوران میں دی تھی، ان قواعد و ضوابط کے مطابق ہر طالب علم کو اپنا نام نیل بنانا پڑتا ہے۔ ہاسٹل میں ابتدائی طبی امداد کی سہولیات بھی مینسٹر ہیں۔ اگرچہ یہاں ہمیں کچھ پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن یہ سب ہماری بھلائی کے لیے ہے۔ ہم تمام دوست چوں کہ سارا دن اکٹھے رہتے ہیں اس لیے باہمی تعلقات مضبوط اور دوستی گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہاسٹل گھر کی جگہ نہیں لے سکتا مگر ہمارے ہاسٹل میں گھر جیسا ہی ماحول ہے۔ بس آپ کی اور اتنی جان کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اس مہینے کے آخر میں موسم بہار کی چھٹیاں ہورہی ہیں، ان شاء اللہ میں گھر کا چکر لگاؤں گا اور آپ کو ہاسٹل اور تعلیمی زندگی کے بارے میں مزید عرض کروں گا۔ اب اجازت چاہتا ہوں، گھر میں سب کو سلام!

آپ کا بیٹا  
الف، ب، ج



۸ دوست کے نام  
(امتحان میں ناکامی پر تسلی دینے کے لیے)

امتحانی مرکز  
۳۰ جون ۲۰۰۰ء

پیاری سہیلی!  
السلام علیکم!

پچھلے ہفتے ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ کے گزٹ میں سال اول کارزلٹ دیکھنے کا موقع ملا۔ میں تمہارا نتیجہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئی کہ تم ٹیل ہو گئی ہو۔ اردو اور انگریزی کے مضامین میں تمہاری اتنی ناقص کارکردگی ہوگی، یہ میرے تصور میں بھی نہیں تھا۔ مجھے بہت دکھ ہوا کہ میری سہیلی جو اس قدر قابل اور ذہین تھی، آخر کیا ہوا کہ ناکامی سے دوچار ہو گئی۔ میں بچپن سے تمہیں جانتی ہوں کہ تم نے ہمیشہ محنت کی ہے اور ہر چیلنج قبول کیا ہے اور ہر طرح کی مشکل کا سامنا کیا ہے۔ یقین کرو اتنا دکھ شاید تمہیں بھی نہیں ہوا ہوگا جتنا اس صورت حال نے مجھے دکھی کیا ہے لیکن کوئی بات نہیں، شاعر نے ایسی ہی صورت حال کے پیش نظر کہا تھا:

شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

میں نے اپنے طور پر اس ناکامی کے اسباب کو جاننے کی کوشش کی ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں یہ سب کرونا و با کا کیا دھرا ہے۔ ساری دنیا اس مہلک وبا کی لپیٹ میں آئی ہوئی تھی۔ پاکستان میں بھی سکول اور کالج مکمل طور پر بند کر دیے گئے تھے اور جب تعلیمی عمل شروع ہوا تو طلبہ کے سامنے سمارٹ سلیبس تھا۔ ان حالات کا سب سے زیادہ اثر تمہارے جیسی ذہین اور حتماس طالب علم پر پڑا۔ صرف تمہارا ہی رزلٹ خراب نہیں تھا بلکہ پنجاب بھر کے تعلیمی بورڈز کے نتائج مایوس کن رہے۔

پیاری دوست! انسان ناکامیوں ہی سے سیکھتا ہے اور کامیابیوں کی سیزھیاں چڑھتا ہے۔ یہ زندگی کی چھوٹی سی ناکامی ہے، بڑی کامیابیاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔ مجھے یقین کہ تم نئے عزم سے امتحان کی تیاری شروع کرو گی اور ہمیشہ کی طرح اس دفعہ کے امتحان میں بھی ہم سب کی اُمیدوں پر پورا اترو گی۔

تم ذہین اور قابل ہو، اپنے جذبے کو ہمیشہ ایسے ہی قائم رکھنا تا کہ تم اپنی منزل پاسکو۔ میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں، والسلام!

تمہاری مخلص دوست

الف، ب، ج



## ۹ اخبار کے مدیر کے نام

(ٹریفک کے بڑھتے ہوئے حادثات اور دیگر مسائل پر اظہارِ خیال)

لاہور

۳۰ جون ۲۰۰۰ء

محترم افضل علوی صاحب، مدیر روزنامہ ”جنگ“، لاہور

السلام علیکم!

آپ کے ادارے سے شائع ہونے والے اخبار کے توسط سے میں اپنے ہم وطنوں کو روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے اہم مسائل اور ان کے حل سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ قارئین جانتے ہیں کہ آج کل ٹریفک حادثات عروج پر ہیں۔ روزانہ سیکڑوں افراد ٹریفک حادثات کا شکار ہوتے ہیں۔ ڈرائیورز اور عوام کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی وجہ سے بڑے نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تیز رفتاری، بسوں اور ویگنوں پر حد سے زیادہ سواریاں، زائد المیعا اور غیر معیاری موٹر گاڑیاں، ٹوٹی پھوٹی سڑکیں اور غیر تربیت یافتہ ڈرائیوروں کے سڑک پر آنے کی وجہ سے ہولناک حادثے جنم لیتے ہیں۔ آج کل کچھ نوجوان ون وہیلنگ کرتے نظر آتے ہیں جس کے خطرناک نتائج روزانہ سننے اور دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ٹریفک حادثات کی ایک اور بڑی وجہ سڑکوں پر جا بجا بنے ہوئے غیر معیاری خود ساختہ سپیڈ بریکر اور راستوں میں رکھی ہوئی بلا جواز رکاوٹیں بھی ہیں۔ ٹریفک کے اشاروں سے ناواقفیت اور لا پرواہی بھی حادثوں کا سبب بنتی ہے۔

حادثات کی روک تھام کے لیے ضروری ہے کہ پرنٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے سے عوام میں ٹریفک قوانین کا شعور بیدار کیا جائے۔ پولیس اور انتظامیہ ان قوانین پر سختی سے عمل درآمد کرائے۔ والدین کو چاہیے کہ اپنے کم عمر بچوں کو موٹر سائیکل یا گاڑی چلانے کی اجازت نہ دیں۔ ون وہیلنگ کرنے والوں اور تیز رفتار گاڑیاں چلانے والوں کو سختی سے روکنا ہوگا۔ حکومتی سطح پر سڑکوں کی حالت کو بہتر بنانے، رکاوٹوں کو دور کرنے، غیر ضروری اور غیر قانونی بنائے گئے سپیڈ بریکر ختم کرنے اور بے ہنگم ٹریفک سے بچنے کے لیے متبادل راستوں کی ضرورت ہے۔ غیر تربیت یافتہ ڈرائیوروں کے لیے ڈرائیونگ اسکول کا انتظام کرنا چاہیے اور لوگوں کی قیمتی زندگیوں کو بچانے میں کوئی کسر اٹھانا نہیں رکھنی چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ ذیہرا کرا سٹگ اور ٹریفک کے اشاروں کا نظام موثر بنایا جائے۔

میں آپ کا نہایت شکر گزار رہوں گا کہ آپ میری گزارشات اپنے منقر قومی اخبار میں شائع کر دیں تاکہ بہتری کی صورت

سامنے آئے۔ والسلام مع الاکرام!

خیر اندیش

نام و پتا: الف، ب، ج



۱۵ اخبار کے مدیر کے نام  
(ہم نصابی سرگرمیوں کی اہمیت کے متعلق)

لاہور

۱۲ اکتوبر ۲۰۰۰ء

محترم نظامی صاحب! مدیر روزنامہ ”نوائے وقت“، لاہور  
السلام علیکم!

جناب! میں سال دوم کی طالب علم ہوں۔ آپ کے اخبار کے توسط سے میں ہم نصابی سرگرمیوں کی اہمیت اجاگر کرنا چاہتی ہوں۔ ہم نصابی سرگرمیاں طلبہ کو ذہنی اور جسمانی لحاظ سے پُر اعتماد بناتی ہیں۔ ادبی سرگرمیاں ہوں یا دیگر علاقائی اور بین الاقوامی کھیلوں کے مقابلے، ان سے طلبہ کی ذہنی، جسمانی، اخلاقی اور اصلاحی تربیت ضرور ہوتی ہے۔ فنون لطیفہ کے مقابلے طلبہ کی جمالیاتی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں مدد دیتے ہیں۔ کھیلوں کے مقابلے طلبہ کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو نکھارنے کے ساتھ ساتھ انہیں نظم و ضبط کا پابند بناتے اور ان میں احساسِ مروت بھی پیدا کرتے ہیں۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر تمام تعلیمی اداروں میں ہم نصابی سرگرمیوں کا باقاعدہ اہتمام ہونا چاہیے تاکہ طلبہ کی شخصیت ہر لحاظ سے پروقار، با اعتماد اور پرکشش نظر آئے۔ امید ہے کہ آپ میری تجاویز کو اپنے اخبار کے صفحات میں جگہ دیں گے۔ والسلام!

مخلص

الف، ب، ج



مشقی خطوط کے موضوعات

- |  |   |
|--|---|
| ۱۔ اپنے دوست کو کھیلوں کی اہمیت کے بارے میں                | ۲۔ بڑے بھائی کو حادثہ دیکھنے کے حال کے بارے میں                       |
| ۳۔ اپنے استاد کو تعلیم و تربیت کے لیے شکرگزاری کرنے کے لیے | ۴۔ دوست کو شعر و ادب کی اہمیت کے بارے میں                             |
| ۵۔ اخبار کے مدیر کے نام، مہنگائی کے بارے میں               | ۶۔ اخبار کے مدیر کو بجلی کی بچت کے متعلق                              |
| ۷۔ چھوٹی بہن کو کمپیوٹر کی افادیت کے بارے میں              | ۸۔ اخبار کے مدیر کو بڑھتے ہوئے سماجی مسائل کے بارے میں                |
| ۹۔ دوست کو اردو زبان کے پسندیدہ استاد کے بارے میں          | ۱۰۔ دوست کے بھائی کی شادی میں شرکت نہ کرنے پر معذرت                   |
| ۱۱۔ والدہ صاحبہ کو ان کی پیار پرسی کے لیے                  | ۱۲۔ دوست کے نام موسمِ بہار کی چھنیاں کسی تفریحی مقام پر گزارنے کے لیے |

## درخواست نویسی

درخواست فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی التماس، گزارش، عرض، التجا، خواہش اور آرزو کے ہیں۔ جب کہ اصطلاحاً درخواست سے مراد وہ تحریر ہے جو کسی ماتحت یا عام آدمی کی طرف سے کسی افسر یا صاحب اختیار و اقتدار شخصیت کو انفرادی یا اجتماعی ضرورت، مسئلہ یا شکایت کے حل کے لیے لکھی جائے۔ مثال کے طور پر طالب علم کو کالج سے رخصت لینے کے لیے پرنسپل کے نام درخواست لکھنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ماتحت عملہ اور عام لوگ بھی مختلف ضروریات کے لیے اپنے افسران کو درخواستیں لکھتے ہیں۔ درخواست ایک باضابطہ تحریر ہوتی ہے۔ اسے لکھتے وقت جملہ اجزا و عناصر، طرزِ مخاطب اور القاب و آداب کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔ درخواست کا مضمون سادہ اور عام فہم ہونا چاہیے۔ درخواست لکھنے کے لیے چھوٹے چھوٹے جملے تحریر کرنے چاہئیں اور ایسی توجیہات پیش کرنی چاہئیں جن کی درخواست کے عنوان کے ساتھ مکمل مناسبت ہوتا کہ متعلقہ افسر اس کی روشنی میں قانونی کارروائی کرنے کے لیے قائل ہو جائے۔

درخواست کے حصے:

(۱) آغاز/سرنامہ (۲) موضوع (۳) آداب (۴) نفس مضمون (۵) اختتامیہ اور تاریخ

## درخواست نویسی کے لیے ہدایات

- جس افسر کو درخواست لکھنی ہو سب سے پہلی سطر میں اس کا عہدہ، ادارے کا نام اور پتا مؤدبانہ انداز میں لکھنا چاہیے، مثلاً: بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ، لاہور
- (مخاطب کو جناب یا صاحب لکھیں، دونوں ہم معنی ہیں اس لیے جناب پرنسپل صاحب لکھنا غلط اور غیر فصیح ہوگا۔)
- دوسری سطر میں ”موضوع“ لکھا جاتا ہے۔
- تیسری سطر میں ”جناب عالی“ لکھا جاتا ہے۔
- چوتھی سطر میں ”گزارش ہے“ یا ”التماس ہے“ کے الفاظ لکھ کر نفس مضمون کا آغاز کیا جاتا ہے۔
- درخواست کا مقصد بہت واضح اور صاف انداز میں لکھیں۔
- دعائیہ یا اختتامی الفاظ لکھ کر درخواست ختم کریں۔ مثلاً: شکر گزار ہوں گا، مہربانی ہوگی، عین نوازش ہوگی وغیرہ۔
- آخر میں ایک سطر چھوڑ کر بائیں جانب ”عارض“ یا درخواست گزار لکھیں اور اس کے نیچے اپنا نام اور پتا مع تاریخ درج کریں۔



## نمونے کی درخواستیں

① جماعت کے کمرے میں روشنی کے انتظام کے لیے پرنسپل کے نام درخواست

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول، فیروز ٹاؤن، ضلع شیخوپورہ

موضوع: کمرہ جماعت میں روشنی کا انتظام کرنے کی درخواست

جناب عالی!

گزارش ہے کہ ہماری جماعت کے کمرے کی ٹیوب لائٹس ایک عرصہ سے خراب ہیں۔ طلبہ باہر سے کمرے میں آتے ہیں تو اندھیرے کی وجہ سے کئی دفعہ ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ درس و تدریس کے دوران میں بھی کمرے میں تاریکی محسوس ہوتی ہے جو ایک طرف تعلیمی نقصان کا باعث ہے اور دوسری طرف آنکھوں پر منفی اثرات پڑ رہے ہیں۔ ان مسائل کی بنا پر ہماری جماعت کے طلبہ مشکلات کا شکار ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ ہمارے کمرے کی ٹیوب لائٹس فوری طور پر مرمت کرنے کی ہدایات جاری کریں تاکہ ہم آسانی سے تعلیمی عمل جاری رکھ سکیں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

درخواست گزار

جملہ طلبہ جماعت سال دوم، ادارہ ہذا

۲۶ ستمبر ۲۰۰۰ء



② پرنسپل کے نام شادی میں شمولیت کے لیے رخصت کی درخواست

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ کالج، گلبرگ، لاہور

موضوع: شادی میں شرکت کے لیے رخصت کی درخواست

جناب عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میرے بڑے بھائی کی شادی ۲۸ مارچ بروز جمعرات ہونا قرار پائی ہے۔ دلہنا کے بعد میں گھر میں بہن بھائیوں میں سب سے بڑا ہوں۔ والد صاحب بوڑھے اور بیمار ہیں۔ شادی کے جملہ امور کی ادائیگی میری ذمہ داری ہے۔ شادی کے لیے برات ملتان جائے گی اور جمعہ کو دعوت ولیمہ ہے۔ انتہائی مصروفیت کی وجہ سے میں برات سے دو دن پہلے اور دعوت ولیمہ کے ایک دن بعد تک کالج حاضر نہیں ہو سکتا۔ مہربانی فرما کر مجھے ۲۶ مارچ تا یکم اپریل ۲۰۰۰ء چھ یوم کی رخصت عنایت فرمائیں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

العارض

نام: الف، ب، ج

جماعت گیارھویں، فریق اقبال، رول نمبر ۱۸

۲۶ مارچ ۲۰۰۰ء



## ۲ فیس معافی کے لیے پرنسپل کے نام درخواست

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، بہاول پور

موضوع: فیس معافی کی درخواست

جناب عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میں آپ کے زیر سایہ کالج میں فرسٹ ایئر کا طالب علم ہوں۔ میرے والد صاحب ایک سرکاری ادارے میں درجہ چہارم کے ملازم ہیں۔ ان کی آمدن بہت قلیل ہے جس سے گھر کے اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں۔ مہنگائی کے اس دور میں میری کتابوں، کتابوں اور آمدورفت کا خرچ اٹھانا ان کے لیے کچھ آسان نہیں۔ ان حالات میں وہ میری فیس ادا نہیں کر سکتے۔ میں نے میٹرک کے امتحان میں بہت اچھے نمبر حاصل کیے ہیں اور مجھے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق ہے۔

براہ کرم! میری کالج کی کھل فیس معاف فرمادیں تاکہ میں اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھ سکوں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

العارض

نام: الف، ب، ج

جماعت گیارہویں، فریق سرسید، رول نمبر ۳۱

۱۲ ستمبر ۲۰۰۰ء



## ۲ ہیلتھ آفیسر کے نام محلے کی صفائی کے لیے درخواست

بخدمت جناب ہیلتھ آفیسر، تحصیل میونسپل کمیٹی، جام پور

موضوع: محلے کی صفائی کے لیے درخواست

جناب عالی!

گزارش ہے کہ ہمارے علاقہ محمدیہ کالونی، جام پور میں صفائی کے انتظامات انتہائی ناقص ہیں۔ اکثر اوقات خاک و بوسہ صفائی کے لیے نہیں آتے جس کی وجہ سے جگہ جگہ کوڑے کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ کوڑے کی کثرت کی وجہ سے کھیاں، مچھر اور خطرناک جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ کرونا اور پولیو کی وبا کے پہلے ہی خدشات موجود ہیں۔ موسم برسات کی وجہ سے دیگر وبائی امراض بھی تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ مذکور بالا کالونی میں جلد از جلد صفائی کا انتظام بہتر کروائیں تاکہ وبائی امراض کی روک تھام ہو سکے اور اہل علاقہ بیماریوں اور پریشانیوں سے بچ سکیں، شکریہ۔

درخواست گزار

اہل محلہ محمدیہ کالونی، جام پور شہر

۲۰ دسمبر ۲۰۰۰ء



## ۵ مضمون کی تبدیلی کے لیے پرنسپل کے نام درخواست

بخدمت پرنسپل صاحب، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ گرلز کالج، ماڈل ٹاؤن، ڈیرہ غازی خان  
موضوع: مضمون کی تبدیلی کے لیے درخواست

جناب عالیہ!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میں نے اس کالج میں حال ہی میں فرسٹ انیر کے شعبہ آرٹس میں داخلہ لیا ہے۔ میں نے اپنے والد صاحب کے کہنے پر داخلہ فارم میں دوسرے مضامین کے انتخاب کے ساتھ اکنامکس کا مضمون بھی لکھ دیا تھا۔ اس مضمون کا پیریڈ میں گزشتہ دو ہفتے سے مسلسل پڑھ رہی ہوں لیکن ابھی تک پہلے باب ہی کو سمجھ نہیں پائی۔

میڈم! یہ مضمون میری ذہنی سطح اور طبعی رجحان سے مطابقت نہیں رکھتا۔ مجھے شروع ہی سے اردو زبان و ادب سے دلچسپی ہے اور اس مضمون میں میرے ہمیشہ اچھے نمبر آئے ہیں۔

براہ کرم! مجھے اکنامکس کے مضمون کے بجائے اردو اعلیٰ پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تاکہ میں اپنے ذوق و شوق کے مطابق اپنی تعلیم جاری رکھ سکوں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

العارض

ثوبیہ نوشین

جماعت سال اول، فریق فاطمہ جناح، رول نمبر ۱۸

یکم اپریل ۲۰۰۰ء



## ۶ مچھر مار سپرے کے چھڑکاؤ کے لیے ایڈمنسٹریٹر کے نام درخواست

بخدمت جناب ایڈمنسٹریٹر، میونسپل کارپوریشن، فیصل آباد

موضوع: مچھر مار سپرے کے چھڑکاؤ کی درخواست

جناب عالی!

گزارش ہے اس سال ہمارے علاقے میں بارشیں بہت زیادہ ہوئی ہیں۔ ہماری کالونی کے گلی محلوں میں نکاسی آب کا مناسب بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک پانی خشک نہیں ہوا۔ مختلف مقامات پر جمع ہونے والا پانی مچھر اور جراثیم کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ لوگ ڈینگلی وائرس اور ملیریا کے ساتھ ساتھ دیگر بیماریوں کا بری طرح شکار ہو رہے ہیں۔

آپ سے گزارش ہے کہ شہر بھر میں اور بالخصوص ہماری کالونی میں جراثیم کش سپرے کا فوری بندوبست کیا جائے تاکہ ان موذی بیماریوں سے محفوظ رہا جاسکے۔

درخواست گزار

جملہ ساکنان و عہدہ نگار (فیصل آباد)

۰۵ ستمبر ۲۰۰۰ء

## ۴۔ حصول ملازمت کے لیے ایجوکیشن بورڈ کے چیئرمین کے نام درخواست

بخدمت جناب چیئرمین، بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن، ڈیرہ غازی خان

موضوع: درخواست برائے تقرر بطور سینیوگرافر

جناب عالی!

گزارش ہے کہ ۲۱ دسمبر ۲۰۲۰ء کے روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے اشتہار سے معلوم ہوا کہ آپ کے دفتر میں سینیوگرافر کی تین اسامیاں خالی ہیں۔ ان میں سے ایک اسامی کے لیے بطور امیدوار میری خدمات حاضر ہیں۔ میری تعلیمی قابلیت اور دیگر کوائف درج ذیل ہیں:

تعلیمی قابلیت:

- ۱۔ میں نے میٹرک سائنس کا امتحان ۲۰۱۷ء میں بطور ریگولر امیدوار ۶۸۰ نمبر حاصل کر کے "B" گریڈ میں پاس کیا۔
- ۲۔ انٹرمیڈیٹ کا امتحان ۲۰۱۹ء میں بطور ریگولر طالب علم گورنمنٹ کانسولٹنگ کالج، فیصل آباد میں ۱۰۰۰ نمبروں کے ساتھ "A" گریڈ میں پاس کیا جس میں انگریزی شارٹ ہینڈ اور انگریزی ٹائپ میں آنرز بھی حاصل کی۔

تجربہ:

میں عرصہ دو سال تک ایک پرائیویٹ سیکلر کمپنی میں بطور سینیوگرافر کام کرنے کا تجربہ رکھتا ہوں۔ میں کمپیوٹر پر ۱۵۰ الفاظ فی منٹ اور شارٹ ہینڈ میں ۱۲۰ الفاظ فی منٹ کی رفتار سے لکھ سکتا ہوں۔

ذاتی کوائف:

میں ۲۳ سال کا صحت مند نوجوان ہوں اور شعبہ میں دفتری امور کی انجام دہی کا مطلوبہ تجربہ رکھتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری تعلیمی قابلیت اور تجربہ کے پیش نظر ٹیسٹ اور انٹرویو کا موقع فراہم کریں گے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ منتخب ہونے کے صورت میں اپنے فرائض نہایت تن دہی اور دیانت داری سے انجام دوں گا۔

درخواست گزار

نام و پتا: الف، ب، ج

۲۸ فروری ۲۰۲۰ء

(نوٹ: مطلوبہ کاغذات کی مصدقہ نقول درخواست کے ساتھ لف ہیں۔)



## ۸ ناقص دودھ کی فروخت کے خلاف ایڈمنسٹریٹو نوڈ اتھارٹی کے نام درخواست

بخدمت جناب ایڈمنسٹریٹو نوڈ اتھارٹی، لاہور

موضوع: ناقص دودھ فروخت کرنے کے خلاف کارروائی

جناب عالی!

ملتس ہوں کہ میں لاہور کارہائشی ہوں۔ ایک باشعور شہری اور محب وطن پاکستانی ہونے کے ناتے میرا یہ فرض ہے کہ میں آپ کی توجہ شہر کے ایک نہایت اہم مسئلے کی طرف مبذول کراؤں۔

جناب عالی! آپ کو معلوم ہے کہ ایشیائے خورونوش میں دودھ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ہر عمر کے افراد بالخصوص بچوں کی اہم غذا ہے، اس لیے دودھ کا خالص ہونا اور ہر قسم کے مضر صحت اجزا سے پاک ہونا بہت ضروری ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے شہر کے کچھ عاقبت نا اندیش اور بے حس اوگ دودھ میں نہ صرف ملاوٹ کے مرتکب ہو رہے ہیں بلکہ اسے گاڑھا کرنے کے لیے اس میں خطرناک کیمیکل بھی ملا رہے ہیں۔ مزید یہ کہ دودھ کو جراثیم سے محفوظ رکھنے کے لیے محکمہ نوڈ اتھارٹی کی ہدایات پر بھی عمل کرنے سے بھی گریزاں ہیں۔

جناب عالی! آپ سے گزارش ہے کہ ایسے مجرمانہ افعال کے مرتکب افراد کے خلاف فی الفور کارروائی مکمل میں لائی جائے تاکہ عوام الناس کو خالص دودھ فراہم ہو سکے۔ آپ کے اقدامات کے لیے شکر گزار ہوں گا۔

درخواست گزار

نام و پتا: الف، ب، ج

۱۰ مارچ ۲۰۰۰ء



### مشق کے لیے مجوزہ عنوانات

- گھروں میں پینے کا صاف پانی مہیا کرنے کے لیے ڈائریکٹرو اس کے نام درخواست
- محلے کی سڑکوں پر مناسب روشنی کے بندوبست کے لیے ایس ڈی او کے نام درخواست
- تاریخی عمارات کی سیر پر جانے کی اجازت کے لیے کالج کے پرنسپل کے نام درخواست
- ہاسٹل کے گندے داش رومز کی شکایت کے لیے کالج پرنسپل کے نام درخواست
- سرکاری لائبریری میں بچوں کی شاعری پر مزید کتب رکھنے کے لیے اس کے انچارج کے نام درخواست
- سٹیڈیم میں کرکٹ میچ کھیلنے کی اجازت لینے کے لیے ڈائریکٹر سپورٹس کے نام درخواست
- تعلیمی ادارے میں ابتدائی طبی امداد کے سامان کی فراہمی کے لیے سربراہ ادارہ کے نام درخواست
- ایڈمنسٹریٹو نوڈ اتھارٹی کے نام درخواست میں ہسپتال کی کینیٹین میں مضر صحت اشیاء کے متعلق شکایت کریں
- کالج کی لائبریری میں قاہرہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نئی تصاویر آویزاں کرنے کے لیے پرنسپل کے نام درخواست
- بجلی کا خراب میٹر بدلنے کے لیے ایس ڈی او اوپڈا کے نام درخواست



## رسیدات

رسید فارسی کے مصدر رسیدن کا اسم حاصل مصدر ہے جس کے معنی وصول کرنا، پہنچانا، رسائی وغیرہ کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں وہ تحریر جس میں کسی شے کے کچھنے یا وصول ہونے کا مضمون ہو۔ قانونی لحاظ سے رقم یا سامان وصول کرنے کی باقاعدہ تحریر جس میں وصول کرنے والے اور گواہوں کے دستخط موجود ہوں۔ رسید دراصل دو اشخاص یا فریقین کے درمیان کسی چیز کے لین دین کی وہ تکمیل ہے جس میں ایک شخص معاہدہ کر کے یا مقررہ قیمت وصول کر کے اپنی چیز دوسرے شخص کو دیتا ہے اور اس کے بدلے میں ایک قانونی دستاویز تحریر کر دیتا ہے۔

## رسیدی اصطلاحات

رسید لکھنے کے لیے کچھ اصطلاحات بھی مخصوص ہیں، مثلاً: رقم کے لیے مبلغ؛ زمین کے لیے موازی؛ بڑے جانور کے لیے راس؛ چھوٹے جانور کے لیے شاخ؛ گھوڑے یا گدھے کے لیے لگام اور اونٹ کے لیے تکمیل کی اصطلاحات مروج ہیں۔ رسید نویسی کے لیے چند ہدایات:

- ۱۔ سب سے اوپر رسید کا عنوان تحریر کریں۔
- ۲۔ العبد کے نیچے وہ تاریخ لکھیں جب رسید قلم بند کی گئی ہو۔
- ۳۔ تحریر کا سبب لکھیں، اس کے لیے فارسی کی ترکیب ”باعث تحریر آنکہ“ مقبول ہے۔
- ۴۔ العبد کے دوئوں طرف گواہوں کے نام اور
- ۵۔ نفس مضمون میں اشیا کی تفصیل اور رقم کا بیان مفصل لکھیں۔
- ۶۔ کا نام، ولدیت، قومی شناختی کارڈ نمبر اور مستقل رہائش کا پتہ لکھیں۔
- ۷۔ تحریر کے اختتام پر صفحے کے درمیان میں ”العبد“ یعنی وصول کنندہ
- ۸۔ پچھلے صفحے کے درمیان میں ”العبد“ یعنی وصول کنندہ
- ۹۔ کا نام، ولدیت، قومی شناختی کارڈ نمبر اور مستقل رہائش کا پتہ لکھیں۔
- ۱۰۔ نفس مضمون میں اشیا کی تفصیل اور رقم کا بیان مفصل لکھیں۔

### ۱ رسید بابت وصولی رقم: فروخت گندم

#### باعث تحریر آنکہ

مبلغ چھ ہزار روپے (۶،۰۰۰) نصف جن کے مبلغ تین ہزار روپے (۳،۰۰۰) ہوتے ہیں، بابت قیمت گندم ایک توڑا ازاں محمد خالد ولد محمد سعید ذات کھوکھر، ساکن رحمت ٹاؤن، فیصل آباد نقد وصول پا کر رسید لکھ دی ہے تاکہ سندر ہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
محمد فیاض ولد محمد بشیر	محمد مسعود ولد محمد سعید	رضوان ولد محمد بخش
ساکن	ساکن	ساکن
تحصیل و ضلع	تحصیل و ضلع	تحصیل و ضلع
قومی شناختی کارڈ نمبر	قومی شناختی کارڈ نمبر	قومی شناختی کارڈ نمبر

دستخط \_\_\_\_\_ دستخط \_\_\_\_\_ دستخط \_\_\_\_\_

تاریخ: ۱۵ جنوری ۲۰۰۰ء



## ۲ رسید بابت وصولی رقم: فروخت موٹر سائیکل

باعث تحریر آئیکہ

مبلغ پچاس ہزار روپے (۵۰۰۰۰) نصف جن کے مبلغ پچیس ہزار روپے (۲۵۰۰۰) ہوتے ہیں، بابت فروخت موٹر سائیکل، رجسٹریشن نمبر ایل ای ۶۵، ماڈل ۲۰۰۰ء، رنگ سرخ، کمپنی ---، انجن نمبر پی ایس ۱۹۱۸۸۷، جیسیر نمبر ۲۴۵۵۳۶/۱۲۴۵۵۳۶ محمد قاسم ولد محمد سلیم، ذات بھٹی، ساکن مومن آباد، ضلع سرگودھا نقد وصول پائے اور رسید لکھ دی تاکہ سندر ہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
اعجاز احمد ولد محمد منیر	محمد دین ولد حمد اللہ	گواہ شد
ساکن _____	ساکن _____	ساکن _____
تحصیل و ضلع _____	تحصیل و ضلع _____	تحصیل و ضلع _____
قومی شناختی کارڈ نمبر _____	قومی شناختی کارڈ نمبر _____	قومی شناختی کارڈ نمبر _____
دستخط _____	دستخط _____	دستخط _____

تاریخ: ۲۰ فروری ۲۰۰۰ء



## ۳ رسید بابت وصولی رقم: کرایہ مکان

باعث تحریر آئیکہ

مبلغ تیس ہزار روپے (۳۰۰۰۰) نصف جن کے مبلغ پندرہ ہزار روپے (۱۵۰۰۰) ہوتے ہیں، بابت کرایہ مکان نمبر ۳۲ سی بلاک، کنڈرگارٹن کالونی، گوجرانوالہ ازاں۔ محمد عمیر ولد صغیر احمد، ذات چیمہ، ساکن جھنگ نقد وصول پا کر رسید لکھ دی ہے تاکہ سندر ہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
محمد اشرف ولد محمد اکبر	عبدالمنان ولد محمد اکبر	گواہ شد
ساکن _____	ساکن _____	ساکن _____
تحصیل و ضلع _____	تحصیل و ضلع _____	تحصیل و ضلع _____
قومی شناختی کارڈ نمبر _____	قومی شناختی کارڈ نمبر _____	قومی شناختی کارڈ نمبر _____
دستخط _____	دستخط _____	دستخط _____

تھصیل و ضلع _____	تھصیل و ضلع _____	تھصیل و ضلع _____
قومی شناختی کارڈ نمبر _____	قومی شناختی کارڈ نمبر _____	قومی شناختی کارڈ نمبر _____
دستخط _____	دستخط _____	دستخط _____
تاریخ: ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء		



### ۲ رسید بابت وصولی رقم: گائے

باعث تحریر آنکہ

مبلغ اسی ہزار روپے (۸۰۰۰۰) نصف جن کے مبلغ چالیس ہزار روپے (۴۰۰۰۰) ہوتے ہیں، بابت قیمت ایک راس گائے، رنگ بھورا، دائیں آنکھ سیاہ، عمر چھ سال ازاں مسمی میاں عبدالرشید ولد میاں عبدالقدیر، ذات اراچیں، سکنہ ۳۳ شمالی، تحصیل کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ، نقد وصول پا کر رسید لکھ دی ہے تاکہ سندر ہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
محمد طارق ولد محمد شفقت	طلحہ خان دولت اسد خان	افتخار احمد ولد شجاع
ساکن _____	ساکن _____	ساکن _____
تھصیل و ضلع _____	تھصیل و ضلع _____	تھصیل و ضلع _____
قومی شناختی کارڈ نمبر _____	قومی شناختی کارڈ نمبر _____	قومی شناختی کارڈ نمبر _____
دستخط _____	دستخط _____	دستخط _____
تاریخ: ۱۰ اپریل ۲۰۰۷ء		



### ۵ رسید بابت وصولی رقم: لگان

باعث تحریر آنکہ

مبلغ دس ہزار روپے (۱۰۰۰۰) نصف جن کے مبلغ پانچ ہزار روپے (۵۰۰۰) ہوتے ہیں، بابت زر لگان، فصل ربیع، سال ۲۰۰۷ء۔ ازاں مسمی منیر حسین ولد امیر حسین قوم قریشی ساکن تحصیل و ضلع شیخوپورہ وصول پا کر رسید لکھ دی ہے تاکہ سندر ہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
ضیا الدین ولد غلام محمد	عبد اللہ ولد مشتاق احمد	نعمان احمد ولد محمد اعظم

_____ ساکن	_____ ساکن	_____ ساکن
_____ تحصیل و ضلع	_____ تحصیل و ضلع	_____ تحصیل و ضلع
_____ قومی شناختی کارڈ نمبر	_____ قومی شناختی کارڈ نمبر	_____ قومی شناختی کارڈ نمبر
_____ دستخط	_____ دستخط	_____ دستخط

تاریخ: ۲۰ مئی ۲۰۰۷ء



### ۱ رسید بابت وصولی رقم: وظیفہ

باعث تحریر آنکہ

مبلغ پانچ ہزار روپے (۵۰۰۰) نصف جن کے مبلغ بیچیس سو روپے (۲۵۰۰) ہوتے ہیں، بابت وظیفہ ماہ دسمبر ۲۰۲۲ء ازاں پرنسپل، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ گریجویٹ کالج، جام پور وصول پا کر رسید لکھ دی ہے تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
ریحانہ اکبر ولد محمد اکبر منزل	راحمہ روجی ولد محمد اکبر	رخسانہ جمیل ولد محمد نذر
طالب علم سال اول	طالب علم سال اول	جویمیر کلرک
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ	گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ	گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ
گریجویٹ کالج، جام پور	گریجویٹ کالج، جام پور	گریجویٹ کالج، جام پور
ضلع: راجن پور	ضلع: راجن پور	ضلع: راجن پور
_____ قومی شناختی کارڈ نمبر	_____ قومی شناختی کارڈ نمبر	_____ قومی شناختی کارڈ نمبر
_____ دستخط	_____ دستخط	_____ دستخط

تاریخ: ۳۰ نومبر ۲۰۰۷ء



## مکالمہ نگاری

مکالمہ کے لغوی معنی ہیں کلام یا گفت گو کرنا۔ اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ افراد کے مابین کسی موضوع سے متعلق گفت گو کرنے کو مکالمہ کہتے ہیں۔ اچھا مکالمہ وہ ہے جس میں روزمرہ بات چیت کا انداز اور بے تکلف لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہو اور جو حقیقی زندگی کے قریب تر ہو۔ تحریر و تقریر میں مکالمے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بات چیت ہی سے کسی فرد کی شخصیت اور صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اچھے مکالمے کے لیے درج ذیل امور کا خیال رکھیں:

- مکالمے کے آغاز میں سیاق و سباق اور موقع و محل بیان کیا جائے۔
- مکالمہ چاہے جس موضوع پر بھی کیوں نہ ہو، گفت گو کرتے وقت مخاطب کے مقام و مرتبہ کا خیال رکھا جائے۔
- زبان و بیان پر عبور، عمدہ اسلوب گفت گو اور مکالماتی کرداروں کی سیرت اور فطری ماحول کی واضح تصویر کشی مکالمہ نگاری میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔
- مکالمہ لکھتے وقت زمانی اور مکانی ترتیب و تنظیم کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔
- مکالمے کا اختتام فطری انداز میں ہونا چاہیے۔
- مکالمے اتنے طویل نہ ہوں کہ قاری اکتا جائے اور نہ ہی اتنے مختصر ہوں کہ تفصیلی باقی رہ جائے۔
- مکالمہ نگاری میں رموز و اوقاف کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ مناسب علامات مکالمہ میں اثر آفرینی کا باعث ہوتی ہیں۔
- مکالمہ میں تصنع اور بناوٹ کے بجائے فطری بے ساختگی سے کام لیا جائے۔
- گفت گو کے ساتھ ساتھ جسمانی حرکات و سکنات اور اشارات کا بھی خیال رکھا جائے۔



### 1 دو دوستوں کے مابین امتحان کی تیاری سے متعلق مکالمہ

(چھٹی والے دن ایک باغیچے میں صہیب کی ملاقات اپنے دوست وقار کے ساتھ ہوتی ہے۔ دونوں ایک بیچ پر بیٹھ جاتے ہیں اور امتحان کی تیاری کے سلسلے میں گفت گو کرتے ہیں۔)

صہیب: السلام علیکم!

وقار: وعلیکم السلام، واہ جی وہ! سیر ہو رہی ہے، امتحان کی کوئی فکر نہیں ہے کیا!

صہیب: دوست! کیوں نہیں، تمہیں تو معلوم ہے کہ اگلے ہفتے سے گیارہویں جماعت کے سالانہ امتحان شروع ہو رہے ہیں۔ اتفاقاً ملاقات ہو ہی گئی ہے تو چلیں امتحان کی تیاری کے متعلق کچھ مشورہ ہی کر لیا جائے۔

وقار: کیوں نہیں! میں تو خود اسی بارے میں سوچ رہا تھا، اچھا ہوا کہ ملاقات ہوگئی۔

صہیب: (ڈیٹ شیٹ جیب سے نکالتے ہوئے) یار! بتاؤ امتحان کی تیاری کیسے کرنی ہے؟

وقار: یار! سارا سال کالج اور گھر میں پڑھتے تو رہے ہیں، اب فکر کس بات کی؟

صہیب: ہاں! کہ تو تم ٹھیک ہی رہے ہو مگر یہ بتاؤ کہ امتحان میں زیادہ سے زیادہ نمبر کیسے لیتے ہیں؟

وقار: دوست! پریشان کیوں ہوتے ہو! نمبر بھی آجائیں گے۔ ایسا کرتے ہیں کہ امتحان سے پہلے تمام مضامین کی ایک دفعہ

دہرائی کر لیں اور اگر کسی مضمون میں کوئی مشکل پیش آئے تو آپس میں مشورہ کر لیا کریں۔ کیا خیال ہے؟

صہیب: (خوشی کے ساتھ) بالکل ٹھیک! ایسا کرتے ہیں کہ امتحان کے دنوں میں ہم اکٹھے تیاری کریں گے۔ مجھے فزکس کا مضمون

تھوڑا سا مشکل لگتا ہے، وقت ضرورت اس مضمون میں میری مدد کر دیا کرنا۔

وقار: کیوں نہیں! مجھے بھی ریاضی کے مضمون میں تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی۔ ہم دونوں مل کر پڑھیں گے، ایک دوسرے سے

تعاون کریں گے اور امتحان میں اچھے نمبر لیں گے۔

صہیب: (تھوڑا توقف کرتے ہوئے) ایک اور مسئلہ ہے کہ ہم اکٹھے بیٹھ کر کہاں تیاری کریں گے؟

وقار: (فوری جواب دیتے ہوئے) یہ کون سا مسئلہ ہے! میرا ڈرائنگ روم حاضر ہے۔

صہیب: یار بات تو تمہاری ٹھیک ہے لیکن مجھے تمہارے گھر ہر روز آنا جانا اچھا نہیں لگے گا۔

وقار: اچھا کیوں نہیں لگے گا؟ پڑھنے کے لیے آنا ہے، میرا خیال ہے میرے گھر والے بھی اس بات سے خوش ہوں گے۔

صہیب: یار خوش تو ہوں گے لیکن ڈرائنگ روم میں اور بھی تو مہمان آتے جاتے ہوں گے، وہ بھی ڈسٹرب ہوں گے اور ہم بھی۔

وقار: (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں، واقعی مہمانوں کا تو آنا جانا لگا ہی رہتا ہے۔ پھر کیا کرنا چاہیے؟

امتحان کی تیاری کے لیے ہمارا اکٹھے بیٹھنا بھی ضروری ہے لیکن معقول جگہ بھی نہیں ہے۔

صہیب: (ذرا سا پریشان ہو کر) میں اپنے گھر ہی میں انتظام تو کر لیتا مگر تم تو جانتے ہو کہ میرا گھر چھوٹا ہے اور افراد خانہ زیادہ ہیں۔

سونے پہ سہاگہ یہ کہ ڈرائنگ روم کا نام و نشان ہی نہیں۔

وقار: اچھا اچھا! منہ نہ بناؤ، میں اتنی سے بات کروں گا، وہ یقیناً کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گی۔ شاید ہمارے لیے وہ کسی اور کمرے

میں انتظام کر دیں۔

صہیب: (خوش ہوتے ہوئے) یہ ٹھیک ہے، مجھے یقین ہے کہ خالہ کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالیں گی۔

وقار: ان شاء اللہ۔۔۔ اچھا تو پھر میں چلتا ہوں اور آج ہی بات کر کے تمہیں بتاتا ہوں۔ اللہ حافظ!

صہیب: اللہ حافظ! (دونوں دوست اٹھتے ہیں اور اپنے اپنے گھر روانہ ہو جاتے ہیں۔)

## ۲ ماں اور بیٹی کے مابین کھانے پینے کے آداب پر مکالمہ

(ایک ماں گھر میں اپنی بیٹی کی کالج سے واپسی کا انتظار کر رہی ہے، بیٹی گھر آتی ہے۔)

بیٹی: السلام علیکم!

ماں: وعلیکم السلام، آگئی ہو بیٹی!

بیٹی: جی ماں جی! آ تو گئی ہوں پر آج بھوک بہت لگی ہے، مجھے جلدی سے کھانا دے دیں۔

ماں: ہیں! وہ کیوں بھلا! آج اتنی بھوک کیوں لگ گئی میری بیٹی کو؟

بیٹی: ماں جی! آپ کو تو پتا ہے کہ صبح کالج سے دیر ہو رہی تھی اس لیے تیزی میں ناشتا تھوڑا سا کیا تھا اور چائے بھی بھگم بھاگ میں پی تھی۔

ماں: (گھر کے کھلے باورچی خانے میں کھانا تیار کرنے لگتی ہے اور ساتھ ساتھ بیٹی سے باتیں کرتی ہے) بیٹی! اس کا مطلب ہے کہ تم نے کھانے پینے کے آداب کو نظر انداز کیا۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر وہ کام جو آداب سے عاری ہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو سخت ناپسند ہے۔

بیٹی: (تھوڑی سی شرمندگی کے ساتھ) ماں جی! کیا عجلت میں کھانا پینا اتنا ہی غلط کام ہے؟

ماں: ہاں بیٹی! ہمیں کھانے پینے میں کبھی جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ ناشتہ ہو یا کھانا، ہمیں ہاتھ دھو کر بڑے ادب کے ساتھ صاف ستھری جگہ پر بیٹھ کر تسلی کے ساتھ کھانا پینا چاہیے اور جتنی بھوک ہو اتنا ہی کھانا چاہیے۔

بیٹی: ٹھیک ہے ماں جی! مگر اتنا تو کر لیا کریں کہ میری پسند کے کھانے تیار کیا کریں، آپ کبھی گو بھی، کبھی کدو اور وال بنا لیتی ہیں۔ بندے کا برگر، پیزا اور بریانی وغیرہ کھانے کو بھی جی چاہتا ہے آخر!

ماں: ہاں بیٹی! تمہاری پسند کا بھی خیال ہوتا ہے مجھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم سبزی اور وال سے منہ موڑ لو۔ یاد رکھو یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اور ہمیں کفرانِ نعمت ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ تمہیں یہ بھی پتا ہونا چاہیے کہ کدو رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ غذا تھی۔ (بخاری صحیح: ۵۳۷۹)

بیٹی: جی ماں جی! آپ کی باتیں سن کر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ واقعی سب چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں۔

ماں: (خوش ہوتے ہوئے) شاباش! میری پیاری بیٹی، مجھے تم سے یہی امید تھی۔ چند باتیں اور یاد رکھو، تم اتنی بڑی ہو، تمہیں پتا بھی ہے کہ کھانا ہاتھوں کو اچھی طرح دھو کے کھاتے ہیں، کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئیں تو تو لیے سے صاف نہیں کرتے لیکن کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر تویہ برتنے میں حرج نہیں۔ کھانا داکھیں ہاتھ سے کھاتے ہیں، اکیلے ہوں یا زیادہ لوگ ہمیشہ پلیٹ میں اپنی طرف سے کھاتے ہیں۔ کھانا بیٹھ کر کھاتے ہیں اور کھانے کے دوران میں زیادہ بولتے نہیں ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ

اپنی بھوک کے مطابق کھاتے ہیں۔

بیٹی: ماں جی! کھانے کے اتنے زیادہ آداب ہیں کیا؟

ماں: اور کیا بیٹی، کون سا ایک ہی بار کھانا ہوتا ہے، یہ ہماری زندگی کا حصہ ہے۔ ایک اور بات یاد رکھو کہ کھانا ہرگز ضائع نہیں کرنا چاہیے ورنہ یہ کھانے کی بے ادبی اور ناشکری ہوگی۔ اگر ہم اپنی بھوک کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھوک کا بھی احساس کریں تو یہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ کسی اور کی بھوک مناتا ہے۔

بیٹی: ماں جی! یہ تو بہت اچھی باتیں ہیں۔ یہ بھی بتادیں کہ پانی اور چائے وغیرہ پینے کے کیا آداب ہیں؟

ماں: پانی صاف ستھرے برتن میں بیٹھ کر پینا چاہیے، پیتے ہوئے کم از کم تین بار وقفہ کرنا چاہیے، پانی یا چائے وغیرہ تیزی تیزی سے پیئیں تو بچگی بھی لگ سکتی ہے اور کپڑے بھی خراب ہو سکتے ہیں۔ پانی پینے کے بعد اونچی آواز میں ڈکار نہیں لینی چاہیے۔

بیٹی: (بڑے ادب کے ساتھ) ماں جی! میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ کھانے پینے کے تمام آداب کا خیال رکھوں گی۔

ماں: شاباش بیٹی! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ چلو! اب یونیفارم بدلوا اور کھانا کھاؤ۔ تیار ہو گیا ہے تمہاری پسند کا کھانا۔

(بیٹی کپڑے بدلنے جاتی ہے اور ماں اتنی دیر میں دسترخوان بچھا دیتی ہے۔)



### ۳ استاد کے ساتھ دو شاگردوں کا متوازن غذا سے متعلق مکالمہ

(تفریح کے پیریڈ کے دوران میں صائمہ اور عائشہ کی ملاقات ان کی ٹیچر سے اسٹاف روم میں ہوتی)

ہے جو اس وقت کمرے میں اکیلی بیٹھی ہوئی ہیں۔)

صائمہ اور عائشہ: (اسٹاف روم میں جھانکتے ہوئے) ٹیچر السلام علیکم! کیا ہم اندر آ سکتی ہیں؟

ٹیچر: وعلیکم السلام، آ جاؤ بچو، کیا کوئی کام ہے مجھ سے؟

صائمہ اور عائشہ: جی ٹیچر۔

ٹیچر: بھئی! کیا کام پڑ گیا میری شاگردوں کو مجھ سے، آؤ بیٹھو!

صائمہ اور عائشہ: (جھجکتے ہوئے ٹیچر کے قریب صوفے پر بیٹھ جاتی ہیں اور صائمہ بات کرتی ہے) ٹیچر آج جو آپ نے سبق پڑھایا بہت

اہم تھا لیکن کچھ باتیں سمجھنے والی ہیں آپ سے!

ٹیچر: کون سی باتیں؟ پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے۔

عائشہ: ٹیچر! آپ نے متوازن غذا کا لفظ بولا تھا، غذا کے بارے میں تو ہم جانتے ہیں، متوازن غذا سے کیا مراد ہے؟

ٹیچر: بچو! متوازن غذا سے مراد ہماری کھانے پینے والی ایسی خوراک ہے جس میں اعلیٰ درجے کی غذائی صلاحیت موجود ہو۔

صائمہ اور عائکہ: (یک زبان ہو کر) اعلیٰ درجے کی غذائی صلاحیت!!

ٹیچر: جی ہاں! اعلیٰ درجے کی غذائی صلاحیت سے مراد وہ غذا ہے جو اضافی کیلوریز سے پاک ہو اور ایسے طریقے سے تیار کی گئی ہو یا پکائی گئی ہو جس سے اس کے غذائی اجزاء محفوظ رہیں، وہ نظام ہضم کو یا جسم کے کسی دوسرے نظام کو خراب نہ کرے۔

صائمہ: براہ کرم! کچھ اور وضاحت کر دیں۔

ٹیچر: بچو! غذا میں اگر یہ خوبیاں، جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے، نہ ہوں تو وہ نامکمل یا غیر متوازن غذا یا خوراک کہلائے گی۔ ایسی خوراک سے جسم میں درد کی شکایت، ہڈیوں کی کمزوری، منہ میں چھالے، بد ہضمی، تیزابیت، نظر کی کمزوری اور جلد پر داغ دھبے ابھرنا جیسے امراض لاحق ہو سکتے ہیں۔

صائمہ: ٹیچر یہ تو ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں، ہم تو بغیر سوچے سمجھے جو سامنے آئے کھا جاتے ہیں۔

ٹیچر: بچو! ہم کون سا جانور ہیں۔ ہمیں اللہ نے عقل و شعور دیا ہے۔ ہمیں اپنی صحت بہتر رکھنے کے لیے کھانے پینے والی اشیاء کے بارے میں ہمیشہ غور کرنا چاہیے۔ جس طرح کسی گاڑی کو اچھے پیٹرول کی ضرورت ہوتی ہے۔ چولہا جلانے کے لیے اچھے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح جسم کو تندرست و توانا رکھنے کے لیے اچھی اور متوازن غذا نہایت ضروری ہے۔

عائکہ: ٹیچر آج آپ نے غذائی اجزاء کے بارے میں بھی کچھ بتایا تھا، براہ کرم! اس کی بھی وضاحت کر دیں۔

ٹیچر: متوازن غذا میں بنیادی طور پر چھ اجزاء کا شامل ہونا ضروری ہے۔ یعنی کاربوہائیڈریٹس، وٹامنز، پروٹین، نمکیات، چربی اور پانی۔ زندگی اور صحت کو برقرار رکھنے کے لیے ان چیزوں کی جسم کو فراہمی نہایت ضروری ہے۔

صائمہ: ٹیچر! یہ اجزاء کس طرح کی غذاؤں میں پائے جاتے ہیں؟

ٹیچر: یہ اجزاء پھل، تازہ سبزیوں، گوشت، انڈے اور دودھ وغیرہ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

صائمہ: ٹیچر آپ نے قدرتی غذا کے بارے میں بھی بتایا تھا، یہ کون سی غذا ہوتی ہے بھلا؟

ٹیچر: قدرتی غذا سے مراد ہے وہ چیزیں جو ہم پکا کر نہ کھائیں مثلاً کچی سبزیاں، تازہ پھل اور دودھ وہی وغیرہ قدرتی غذا میں شامل ہیں۔

عائکہ: ٹیچر! ہمیں کھانے پینے کے متعلق کس چیز کی بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیے؟

ٹیچر: عائکہ بیٹا! یہ تم نے بہت اچھا سوال کیا۔ یاد رکھیں صفائی ستھرائی متوازن غذا کا خاص حصہ ہے۔ اگر پھل، سبزی، گوشت وغیرہ اچھی طرح صاف کر کے نہ استعمال کیے جائیں تو بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں۔ بہت کم یا بہت زیادہ کھانا بھی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔

صائمہ: ٹیچر! کھانے کے بارے میں تو بہت سی معلومات مل گئیں، کچھ پینے کے بارے میں بھی بتادیں۔

ٹیچر: یہ بات بھی بہت اہم ہے۔ پانی ہماری غذا اور جسم کا اہم جزو ہے۔ زیادہ ٹھنڈا اور زیادہ گرم پانی دونوں صورتوں میں نقصان دہ ہے۔ ہمیں پانی صاف شفاف اور زیادہ پینا چاہیے۔ بازاری مشروبات سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیے۔

عائکہ: ٹیچر اگر اجازت دیں تو ایک سوال آپ کی ذات کے متعلق پوچھ لوں کہ آپ نے اپنے آپ کو اتنا چاق چوبند کیسے رکھا ہوا ہے؟

ٹیچر: (مسکراتے ہوئے) میں بازار کے کھانوں سے پرہیز کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ کھلی یا تیل کا غیر مناسب استعمال، مرچ مسالوں کی بہتات اور بے وقت کے کھانے نہیں کھاتی کیوں کہ یہ سب مختلف بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ اور ہاں اس کے بعد چہل قدمی ضرور کرتی ہوں۔

عائکہ: ٹیچر آپ کا بہت بہت شکریہ، تفریح کا وقت ختم ہو رہا ہے، ہم اپنی جماعت میں جائیں؟

ٹیچر: ٹھیک ہے جاؤ اور ہاں مجھے آپ جیسے بچے اچھے لگتے ہیں۔

صائمہ اور عائکہ: (ایک ساتھ) شکریہ ٹیچر اللہ حافظ!



## ۲ ایک کسان کا صنعت کار سے مکالمہ

(ایک کسان کی چینی بنانے والے کارخانے میں صنعت کار سے ملاقات ہوتی ہے۔)

کسان: (جھجکتے ہوئے) صنعت کار کے کمرے میں داخل ہوتا ہے (السلام علیکم!

صنعت کار: (کارخانے کا مالک) ولیکم السلام، آؤ بیٹھو! بتاؤ کیسے آنا ہوا؟

کسان: جناب گئے کا ٹرک لایا ہوں۔

صنعت کار: کتنے ٹرک لائے ہو؟

کسان: جناب! ایک ٹرک ہے۔

صنعت کار: صرف ایک ہی ٹرک؟

کسان: جناب آپ تو مذاق کر رہے ہیں، جب کہ آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں چھوٹا کاشت کار ہوں۔ تھوڑی سی زمین سے

اتنی ہی فصل اگائی جاسکتی ہے۔

صنعت کار: اچھا! کتنی زیر کاشت زمین ہے تمہارے پاس؟

کسان: جناب صرف چار ایکڑ ہیں۔

صنعت کار: پھر تو کم از کم چار ٹرک آنے چاہئیں تھے۔

کسان: چار ٹرک! جناب کیا بات کرتے ہیں، آپ نے ٹرک کا سائز دیکھا ہے کیا؟

صنعت کار: (مسکراتے ہوئے) چلو دوڑک تو بھر لیتے۔

کسان: آپ اس کرسی پر بیٹھ کر کہہ سکتے ہیں۔ آپ کو کیا خبر ہمارے مسائل کیا ہیں۔ ہماری زمینیں اس قابل کہاں کہ اتنی پیداوار دیں۔ نہر ہے نہیں، بارشیں وقت پر ہوتی نہیں اور کھاد میسر نہیں۔ ہم غریب آخر کر کیا سکتے ہیں؟  
صنعت کار: اتنی غریبی اور مجبوری بھی نہ دکھاؤ، حقیقت یہ ہے کہ تم لوگوں نے محنت کرنا چھوڑ دی ہے۔

کسان: (تھوڑا سا غصہ کھاتے ہوئے) جناب! جتنی محنت ہم کرتے ہیں آپ تو سوچ بھی نہیں سکتے۔ باتیں کرنے میں اور محنت کرنے میں بہت فرق ہے۔ آپ تو وہ ہیں جو صرف ہم جیسوں کا مذاق ہی اڑا سکتے ہیں، تعاون نہیں کر سکتے۔  
صنعت کار: تعاون کرنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

کسان: جناب آپ کے کارخانے کے باہر چار چار دن قطاروں میں کھڑے ہونا پڑتا ہے، پھر کہیں جا کر ہماری باری آتی ہے اور یہ کبھی سوچا ہے آپ نے کہ گنے کا بھاؤ کیا ہونا چاہیے؟ ہمیں دیتے کیا ہیں آپ؟ فصل کاشت کرنے کی محنت، اس کی لہ لہ حفاظت، اس کی کٹائی اور سب سے بڑھ کر اسے ٹرک پر لادنا، کارخانے تک لانا، اپنی باری کا انتظار کرنا۔ کیا یہ باتیں کبھی آپ کے ذہن میں آتی ہیں؟

صنعت کار: اوہو! تم تو غصہ ہی کر گئے۔ تم نے تو مجھے ظالم ہی سمجھ لیا۔ میرا مطلب تمہارا دل دکھانا یا تنگ کرنا نہیں تھا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تم لوگ زیادہ سے زیادہ اناج پیدا کرو تا کہ تمہارے گھروں میں خوش حالی آئے۔ جہاں تک گنے کی قیمت کی بات ہے تو وہ حکومت طے کرتی ہے۔ میں نے تو آپ لوگوں سے ہمیشہ تعاون کیا ہے۔ کبھی گنا تو لے کر شکایت نہیں ہونے دی اور نہ ہی رقم ادا کرنے میں دیر کی۔ لوگ تو کئی کئی مہینوں بعد رقم کی ادائیگی کرتے ہیں جب کہ میں نے اسے تمہارے لیے نقد اور فصل بنا دیا ہے۔

کسان: (دھیمے لہجے سے) جی جی معاف کیجیے گا صاحب، میں بلاوجہ جذباتی ہو گیا تھا۔ آپ نے تو واقعی ہم غریب کسانوں کا خیال رکھا ہے۔

صنعت کار: (صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کوئی بات نہیں، بیٹھ جاؤ! کوئی ٹھنڈا یا گرم پینے کی طلب ہے تو بلا جھجک بتاؤ، منگوا دیتا ہوں۔

کسان: (خوش ہو کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے) شکریہ سرکار! اللہ آپ کا بھلا کرے۔

صنعت کار: (ایک ملازم شریف حسین کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا کہ چودھری صاحب کے ساتھ جا کر گنا اترواؤ اور کیشیئر سے کہو کہ ان کا حساب کر دے) جا کہیں شریف حسین کے ساتھ، یہ آپ کے ساتھ جا کر گنا اترواتا ہے اور آپ کی رقم دلواتا ہے۔

کسان: (صوفے سے اٹھتے ہوئے) شکریہ جناب!

صنعت کار: اور ہاں کوئی اور بھی مسئلہ ہے تو بتادو۔

(کسان تفکر آمیز نظروں سے صنعت کاری طرف پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے، سینے پہ ہاتھ رکھ کے تھوڑا سا جھکتا ہے اور مسکراتے ہوئے ملازم کے ساتھ کمرے سے باہر چلا جاتا ہے۔)



### ۵ باپ کا بیٹے کے داخلے کے لیے پرنسپل سے مکالمہ

(بیٹے کے سال اول میں داخلے کے لیے ایک والد پرنسپل کے دفتر میں آتا ہے۔)

باپ: (دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے) السلام علیکم! کیا میں اندر آ سکتا ہوں جناب؟

پرنسپل: علیکم السلام! آئیے تشریف لائیے! فرمائیں کیسے آنا ہوا؟

باپ: جناب میں اپنے بیٹے کے سال اول میں داخلے کے لیے آیا ہوں۔

پرنسپل: کس شعبے میں داخلہ لینا ہے آپ کے بیٹے نے؟

باپ: جناب! ہم اسے ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں۔

پرنسپل: بہت خوب! کتنے نمبر لیے ہیں صاحب زاوے نے؟

باپ: (توقف سے) میرا خیال ہے سات سو کے قریب قریب ہیں۔

پرنسپل: خیال ہے کا کیا مطلب؟ پورے نمبر بتائیں۔

باپ: جناب! میں اتنا پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ (رزٹ کارڈ پیش کرتے ہوئے) مہربانی کر کے یہ سرٹیفکیٹ خود ہی دیکھ لیجیے۔

پرنسپل: (رزٹ کارڈ دیکھتے ہوئے) آپ کے بیٹے کے سات سو پندرہ نمبر ہیں۔ ہمارے کالج کے میرٹ سے کم ہیں، مشکل ہی ہے

کہ اسے پری میڈیکل میں داخلہ مل سکے۔

باپ: مزدور کا بچہ ہے عالی جناب! پڑھتا بھی رہا ہے اور کام پہ میرا ہاتھ بھی بنا تا رہا ہے۔ گھر میں اسے پڑھانے والا بھی کوئی نہیں

تھا۔ خود ہی محنت کی ہے اس نے۔ آپ داخلہ دے دیں گے تو بہتر ہو جائے گا۔

پرنسپل: وہ تو آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن ہمارے کالج میں داخلے میرٹ پر ہوتے ہیں۔

باپ: عالی جاہ! کرونا کے دنوں میں سکول بند رہے ہیں۔ یہ بھی وجہ بنتی ہے اس کے نمبر کم آنے کی۔ اب یہ موڈی و باکم ہوئی ہے تو

روزانہ پڑھنے آئے گا اور اچھے نمبر لے کر دکھائے گا آپ کو!

پرنسپل: آپ اسے ڈاکٹر ہی کیوں بنانا چاہتے ہیں؟ اسے کامرس یا آرٹس کے شعبے میں داخل کروادیں کسی بینک میں اچھی نوکری مل

جائے گی، وکیل بن جائے گا، جج بنے گا یا اور جیسیوں نوکریاں مل سکیں گی اس کو۔

باپ: (چہرے پر پریشانی کے آثار) بات تو ٹھیک ہے صاحب جی آپ کی لیکن میری اور اس کی ماں کی ساری عمر خواہش رہی ہے کہ وہ ڈاکٹر بنے۔ میں نے بہت محنت کر کے اسے پڑھایا ہے، حالاں کہ ہمارے حالات اچھے نہیں تھے۔ میں نے تنگیاں کاٹ لیں لیکن اسے سکول سے نہ اٹھایا۔ میرے بیٹے کا بھی دل ٹوٹ جائے گا اگر وہ ڈاکٹر نہ بنا تو۔

پرنسپل: آپ کا اتنا ہی اصرار ہے تو دیکھ لیتے ہیں۔ آپ دوسری یا تیسری میرٹ لسٹ کا انتظار کریں، ہو سکتا ہے کہ اس کا نام کسی لسٹ میں آجائے۔

باپ: اللہ آپ کا بھلا کرے!

پرنسپل: کیا کالج کے اخراجات برداشت کر پائیں گے آپ؟ میرا کہنے کا مطلب ہے اس کی فیس، یونیفارم، جیب خرچ، سٹیشنری کا خرچ، کتابوں، کامیوں کا خرچ اور اس کے یہاں آنے جانے کا خرچ، کیسے اٹھا پائیں گے اتنا سارا بوجھ؟

باپ: (روہانسا ہو کر) داخلہ تو مل جائے، اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سبب بنا دے گا خرچے کا۔ اس کی ماں کی بالیاں ہیں، بیچ ڈالوں گا۔

پرنسپل: (سنجیدہ ہو کر) نہیں نہیں، اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ آپ کے بیٹے کا داخلہ ہو گیا تو میرے پاس آئیے گا۔ اس کی فیس بھی معاف ہو جائے گی اور کالج کے بہبود فنڈ سے آپ کی مانی مدد بھی ہو جائے گی۔

باپ: (چہرہ خوشی سے کھل اٹھتا ہے) اللہ آپ کا اقبال بلند کرے، آپ کے بچے جنیں۔

پرنسپل: شکریہ، اب آپ جائیں۔ بیٹے کا داخلہ ہو گیا تو اسے میرے پاس بھیج دینا، میں اسے سمجھا دوں گا کہ کیا کرنا ہے۔

(بچے کا والد خوشی خوشی دفتر سے باہر چلا جاتا ہے۔)



① ایکشن کے امیدوار اور ووٹر کے درمیان مکالمہ

(ایکشن میں حصہ لینے والا ایک سابق ممبر صوبائی اسمبلی نے ایکشن کے لیے ووٹ مانگنے کسی کے گھر جاتا ہے جہاں اس کی ملاقات ایک ووٹر سے ہوتی ہے۔)

امیدوار: (ووٹر کے دروازے سے ظاہر ہونے پر پرجوش ہوتے ہوئے) السلام علیکم جناب!

ووٹر: علیکم السلام، جی فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟

امیدوار: شاید آپ نے پہچانا نہیں مجھے۔ میں آپ کے حلقے کا سابق ایم پی اے ہوں۔

ووٹر: اچھا اچھا! یاد آگئی ہماری!

امیدوار: یاد کی کیا بات ہے، آپ تو ہمارے دل میں بستے ہیں جناب!

ووٹر: (طنز یہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے) محلے میں بستے ہوئے تو کبھی پوچھا نہیں، یہ ہم دل میں کب سے بستے لگے؟



- امیدوار: (کھسیانی ہنسی کے ساتھ) ہم تو ہمیشہ سے جناب کے خدمت گار ہیں۔
- ووٹر: لگے ہاتھوں کسی ایک خدمت کا بھی بتا دیجیے جو آپ نے ہمارے لیے کی ہو۔
- امیدوار: (پریشان ہو کر) آپ کا مطلب ہے کہ میں نے پچھلے پانچ سالوں میں اس محلے کا کوئی کام نہیں کیا؟
- ووٹر: کیا ہو گا لیکن میرے علم میں تو کبھی نہیں آیا۔
- امیدوار: (جیب سے ایک فہرست نکالتے ہوئے) یہ دیکھیے ثبوت، ایک لمبی فہرست ہے خدمات کی جو میں نے اپنے حلقے کی فلاح و بہبود کے لیے انجام دیں۔
- ووٹر: (قدرے حیرت سے) ذرا مجھے بھی دکھائیے۔
- امیدوار: دیکھنا کیا ہے؟ میں پڑھ دیتا ہوں۔ پچاس سٹریٹ لائٹس، چھ سڑکوں کی مرمت، پارکوں کی صفائی، صاف پانی کی فراہمی، نکاسی آب کا انتظام، کیا کچھ نہیں کروایا میں نے؟
- ووٹر: جناب! ہماری گلی میں تو آج تک کوئی کام نہیں ہوا۔ جگہ جگہ گڑھے نظر آتے ہیں، کہاں ہے نکاسی آب کا انتظام؟ ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔
- امیدوار: فنڈز آ لینے دیں، یہ گلی بھی ٹھیک ہو جائے گی۔
- ووٹر: فنڈز تو آپ کو تب ہی ملیں گے جب آپ آئندہ الیکشن جیتیں گے۔
- امیدوار: کیا مطلب! آپ مجھے ووٹ نہیں دینا چاہتے؟
- ووٹر: (مسکراتے ہوئے) نہیں جناب! کھری بات کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ میں آپ کا مخالف ہوں۔ حق سچ کی بات سامنے کر دینی چاہیے۔ اجتماعی مفادات کی بات کرنا ہم سب کا فرض بنتا ہے۔
- امیدوار: حق سچ کی بات تو یہ بھی ہے کہ میرا مخالف امیدوار اہلیت ہی نہیں رکھتا کہ اسے میرے حلقے سے ایک بھی ووٹ دیا جائے۔ نہ وہ یہاں کا مستقل رہائشی اور نہ ہی اس کا شان دار ماضی۔
- ووٹر: (بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے) آپ کہہ سکتے ہیں۔ وہ آپ کا سیاسی مخالف جو ہوا لیکن میرے خیال میں سیاسی مخالف ہونا اتنا بھی برا نہیں ہے۔ جو سیاست دان اپنے حلقے سے لے کر قومی سطح تک بہتر کارکردگی دکھائے گا، عزت پائے گا۔ ویسے میں اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ میرا ووٹ نظریاتی ہے۔
- امیدوار: (ذرا سا چونک کر) نظریاتی سے آپ کی کیا مراد ہے؟
- ووٹر: میں صرف شخصیت کو نہیں دیکھتا بلکہ غور کرتا ہوں کہ امیدوار کا تعلق کس پارٹی سے ہے اور اس کا منشور کیا ہے۔ کیا پارٹی نے جو امیدوار الیکشن کے لیے متعارف کرایا ہے، وہ اس قابل ہے کہ پارٹی کے منشور کے مطابق کام کر سکے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ منتخب ہونے کے بعد تو وہ اپنے حلقے پر توجہ دے اور نہ ہی پارٹی کے منشور پر۔
- امیدوار: پھر تو یقیناً آپ ہماری پارٹی کے منشور سے آگاہ ہوں گے۔ ہم نے ماضی میں بھی ملک و قوم کی خدمت کی ہے اور آئندہ بھی

کریں گے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میری اپنی پارٹی کے ساتھ وابستگی آج کی نہیں ہے بلکہ تیس برسوں سے ہے۔ میں پارٹی کے ساتھ نہیں پارٹی کے نظریے کے ساتھ کھڑا ہوں۔

ووٹر: ہاں میں آپ کی پارٹی سے آگاہ ہوں اور اس کی کارکردگی بھی جانتا ہوں۔ کسی حد تک قوم سے کیے گئے وعدے نبھائے گئے ہیں۔ امیدوار: چلیں اسی بات کے بہانے آپ سے درخواست ہے کہ ووٹ ہماری پارٹی کو ہی دیجیے گا۔ ہم سے ماضی میں جو کمی یا کوتاہی ہوئی ہے ان شاء اللہ ہم آئندہ اس کا ازالہ کریں گے۔

ووٹر: (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) ان شاء اللہ ووٹ تو آپ ہی کی پارٹی کا ہوگا لیکن مخلصانہ مشورہ ہے کہ منتخب ہونے کے بعد حلقے کے عوام سے رابطہ ضرور رکھا کریں تاکہ جب بھی اینکشن آئے، میرے جیسے لوگوں سے ووٹ مانگتے ہوئے کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔

امیدوار: (الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے) شکر یہ جناب! ہمیں ایسے قیمتی ووٹوں کی ضرورت ہے، پورے غلوں سے کوشش ہوگی کہ آئندہ آپ کو کسی قسم کا شکوہ شکایت نہ ہو۔

ووٹر: امید ہے ایسا ہی ہوگا۔

امیدوار: اللہ حافظ!

ووٹر: اللہ حافظ!

(امیدوار کے کار میں روانہ ہونے تک ووٹر مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ دروازے پہ کھڑا رہتا ہے۔)



● دو سہیلیوں کے درمیان کمپیوٹر، انٹرنیٹ کے مثبت اور منفی استعمال پر مکالمہ

(سال دوم کی طالبہ رضیہ کمپیوٹر سائنس کے ایک سبق کی رہنمائی لینے کے لیے اپنی سہیلی حلیمہ کے گھر

آئی جسے کمپیوٹر کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہیں۔)

رضیہ: السلام علیکم!

حلیمہ: وعلیکم السلام، رضیہ کیسی ہو؟

رضیہ: میں ٹھیک ہوں۔ حلیمہ! مجھے کمپیوٹر سائنس کے موضوع کے بارے میں کچھ مدد چاہیے تھی۔

حلیمہ: (مسکراتے ہوئے) بیٹھ جاؤ! وہ بھی دیکھ لیتے ہیں، چائے وائے کا کیا موڈ ہے؟

رضیہ: نیکی اور پوچھ پوچھ۔

حلیمہ: (اٹھ کر لیکن میں جاتی ہے پانچ چھ منٹ بعد چائے لے کر آتی ہے) لو چائے لو اور یہ بتاؤ کس موضوع نے تمہیں اتنا

پریشان کر دیا ہے؟

رضیہ: (ہستے ہوئے) میری پریشانی تو تمہاری چائے نے دور کر دی ہے۔ رہی بات سبق کی، تم مل گئی ہو تو یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔

علیہ: مسئلہ تو بتاؤ؟

رضیہ: نیچر نے آج ہمیں پاور پوائنٹ کے بارے بتایا، سر کے اوپر ہی سے گزر گئیں ان کی ساری باتیں۔

علیہ: بس اتنی سی بات نے تمہیں پریشان کر دیا۔ تم دیکھنا میں تمہیں کمپیوٹر پر پاور پوائنٹ کا طریق کار بھی سکھاتی ہوں اور ایک

Presentation بھی تیار کر کے دکھاتی ہوں۔

رضیہ: Presentation رہنے دو۔ مجھے صرف پاور پوائنٹ کی خاص خاص باتیں بتادو۔

علیہ: (کتاب کو سامنے رکھتے ہوئے متعلقہ سبق پڑھتی جاتی ہے اور کمپیوٹر پر ساتھ ساتھ سمجھاتی جاتی ہے۔ رضیہ سیکھنے میں گہری دل

چسپی ظاہر کر رہی ہے) بتاؤ جی! اب پاور پوائنٹ کی سمجھ آئی یا نہیں؟

رضیہ: واقعی تم تو کمپیوٹر کی استاد بن چکی ہو۔ اب تو میں بڑی آسانی سے اس کا عملی مظاہرہ بھی کر سکتی ہوں لیکن اس کا فائدہ کیا ہے؟

علیہ: دیکھو رضیہ! یہ موجودہ سائنسی دور کی بہترین ایجاد ہے۔ پڑھنے لکھنے میں اور عملی زندگی میں اس کے بہت سے فائدے ہیں۔

ان پیج، ورڈ، ایکسل یا پاور پوائنٹ ہوں، ضرورت کے مطابق ان کا استعمال انتہائی مفید ہے۔

رضیہ: کیا انٹرنیٹ بھی ہمارے لیے سود مند ہے؟

علیہ: کیوں نہیں! انٹرنیٹ نے تو دنیا کو گلوبل ویلیج میں تبدیل کر دیا ہے۔

رضیہ: یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس کا درس و تدریس میں کیا فائدہ ہے؟

علیہ: یہ جو تم اتنا سفر کر کے ایک سبق کی راہ نمائی لینے کے لیے میرے پاس آئی ہو، انٹرنیٹ کے ذریعے سے گھر بیٹھ کر بھی سمجھ سکتی

ہو۔ یہ ایک سبق کیا، کسی بھی موضوع پر راہ نمائی درکار ہو تو اس سے بہتر ذریعہ کوئی نہیں ہے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے ہماری

زندگی کو انتہائی آسان بنا دیا ہے۔

رضیہ: لیکن اس کے نقصانات بھی تو ہیں۔

علیہ: نقصانات کے ذمے دار ہم خود ہیں، اس کی ایجاد میں کوئی قصور نہیں ہے۔ انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے ناں:

“Excess of everything is bad.” یعنی ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ ہے۔

ہم اندھا دھند کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا استعمال کریں گے تو یقیناً اس سے بھی نقصان ہوگا اس لیے ہمیں اعتدال سے کام لینا چاہیے۔

رضیہ: آج تو تم مجھے دوست کم اور استاد زیادہ نظر آتی ہو۔ سچ کہ رہی ہوں ناں؟

علیہ: (ہستے ہوئے) ایسی بھی کوئی بات نہیں، ہم بے تکلف دوست ہیں اس لیے میں نے تمہارے ساتھ کھل کر گفت گو کی ہے۔

رضیہ: میں تمھاری شکر گزار ہوں۔ اب میں اجازت چاہتی ہوں، دیر ہو رہی ہے، باہر میرا کشابھی آ گیا ہے۔ اللہ حافظ!

علیہ: اللہ حافظ!

(علیہ اپنی دوست کو رخصت کرتی ہے اور وہ رکشے میں بیٹھ کر روانہ ہو جاتی ہے۔)



### ۸ دو دوستوں کے درمیان سگریٹ نوشی کے مضر اثرات پر مکالمہ

(دانیال اور دانش چھٹی کے بعد کالج سے ملحق پارک میں بیٹھے ہیں اور کسی موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں، ان کا ہم جماعت یاسر سگریٹ

کی ڈبیہ سے سگریٹ نکالتا ہوا ان کے پاس آتا ہے۔)

دانیال: (بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے) یاسر بھائی! ادب سے گزارش ہے کہ سگریٹ مت سگائیں، مجھے اس کے دھوئیں سے سخت الجھن ہوتی ہے۔

یاسر: (لا پرواہی سے) میں جانتا ہوں کہ آپ بہت نازک مزاج ہیں۔ واقعی آپ جیسے لوگوں کو دھوئیں سے سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے مگر میں مجبور ہوں، میں اس کافر کے بغیر رہ نہیں سکتا۔

دانیال: بھائی! آپ اس بات کو کب سمجھو گے کہ یہ آپ کی صحت کے لیے کس قدر نقصان دہ ہے۔ (یاسر بغیر جواب دیے سگریٹ نوشی کے لیے پارک کی دوسری جانب چلا جاتا ہے۔)

دانش: چھوڑو دانیال! یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔

دانیال: ہاں! لیکن سگریٹ نوشی انسان کی صحت کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔

دانش: بالکل ایسے ہی ہے۔ سگریٹ میں موجود نیکوٹین وقتی طور پر تو دماغ کو سکون بخشتی ہے لیکن جسم کو بھرپور نقصان پہنچاتی ہے اور نیکوٹین ہی ہے جو سگریٹ کے نشے اور عادت کا باعث بنتی ہے۔

دانیال: سگریٹ کی لت بہت سی بیماریوں کو جنم دیتی ہے۔

دانش: یہ بھی تم نے ٹھیک کہا، سگریٹ نوشی جسم میں سب سے زیادہ پھپھڑوں کو نقصان پہنچاتی ہے اور کینسر کا باعث بنتی ہے۔

دانیال: بالکل! اس کے علاوہ آنکھوں کا پیلا پڑنے اور رنگت میں فرق آنے کا بھی باعث ہے۔

دانش: (کچھ سوچ کر) دانیال! تم نے غور کیا کہ سگریٹ نوشی کا رجحان آج کل کے نوجوانوں میں تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

دانیال: (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) افسوس! کہ یاسر جیسے کئی نوجوان سگریٹ نوشی کی زد میں آ جاتے ہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی صحت کی بربادی کا سبب خود بنتے ہیں۔

دانش: بالکل بھائی! یہ کہاں کی دانائی ہے کہ رقم بھی ضائع کرو اور صحت و تندرستی بھی۔

وانیال: (کچھ تو قُف سے) مجھے یاد ہے کہ ہمارے کالج کی ایک تقریب میں پرنسپل صاحب نے کہا تھا کہ جلتے ہوئے سگریٹ کے ایک سرے پر آگ کا دھواں اور دوسرے سرے پر ایک احمق کس پش لگا رہا ہوتا ہے۔ عقل مند اور مہذب شخص اپنی صحت و تندرستی کا خیال خود ہی رکھتا ہے۔ اگر ہم سگریٹ اور اس جیسے تمام نشوں سے دور رہیں گے، تبھی ہم ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد رکھ سکیں گے۔

وانش: ہماری حکومت کو چاہیے کہ سگریٹ نوشی کی روک تھام کے لیے موثر اقدامات کرے تاکہ ہمارا معاشرہ اس بیہودہ لت سے عوام الناس بالخصوص نوجوانوں کو محفوظ رکھ سکے۔

وانیال: میرے خیال میں تو حکومت کو سگریٹ کی قیمت اتنی بڑھا دینی چاہیے کہ یہ عام لوگوں کی دسترس میں نہ ہو۔ اس سے سگریٹ نوشی کے رجحان کو کم کیا جاسکتا ہے۔

وانش: جی ہاں! حکومتی پالیسی سخت سے سخت تر ہونی چاہیے مگر پھر بھی اپنی صحت اور زندگی کا احساس جب تک ہمیں خود نہیں ہوتا، اس وقت تک کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔

وانیال: ایسے لوگوں کو اللہ ہی ہدایت دے جو اپنا ہی جسم سگریٹ اور نشیات سے تباہ کرتے ہیں۔

وانش: میں اصل بات تو بتانا ہی بھول گیا۔ کل لاواکلب کے ساتھ کرکٹ کا میچ ہوگا۔ تم نے ضرور آنا ہے تاکہ یہ میچ بھی ہم اپنے نام کر سکیں۔

وانیال: ضرور، ضرور۔ ان شاء اللہ کھیلیں گے۔

وانش: اللہ حافظ!

وانیال: اللہ حافظ!

### چند مجوزہ مکالمہ جات

- دو دوستوں کے درمیان ڈینگی بخار سے حفاظت کے موضوع پر مکالمہ تحریر کریں۔
- دو دوستوں کے درمیان موبائل فون کے فوائد اور نقصانات پر مکالمہ لکھیں۔
- دو دوستوں کے درمیان برداشت اور صبر و تحمل کے موضوع پر مکالمہ تحریر کریں۔
- استاد اور شاگرد کے درمیان وقت کی پابندی کے موضوع پر مفضل مکالمہ تحریر کریں۔
- ڈاکٹر اور مریض کے درمیان کرونا وبا سے بچاؤ کے حوالے سے قدرے مفضل مکالمہ تحریر کریں۔
- دو دوستوں کے درمیان اردو زبان کی اہمیت کے موضوع پر مکالمہ تحریر کریں۔
- استاد اور شاگرد کے درمیان ’’ٹی۔وی کے فوائد‘‘ پر مکالمہ تحریر کریں۔
- طالب علم اور سٹیشنری فروش کے درمیان سٹیشنری کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے بارے میں مکالمہ لکھیں۔
- وقت کی پابندی کے موضوع پر بہن اور بھائی کے درمیان مکالمہ تحریر کریں۔

- دو دوستوں کے درمیان ابتدائی طبی امداد کے بارے میں مکالمہ تحریر کریں۔
- ”تعلیم ہر بچے کا بنیادی حق ہے“ کے موضوع پر دو دوستوں کے درمیان مکالمہ تحریر کریں۔
- دو ہم جماعتوں کے درمیان کھیلوں کے فائدے اور نقصانات پر ایک مکالمہ تحریر کریں
- دو دوستوں کے درمیان اوڈ شیڈنگ کے موضوع پر مکالمہ لکھیں۔
- گاہک اور درزی کے درمیان ایک مفروضہ مکالمہ لکھیں۔



### آپ بیتی یا خودنوشت

آپ بیتی اور خودنوشت ہم معنی الفاظ ہیں۔ آپ بیتی سے مراد ہے ان حالات، واقعات اور کیفیات کا بیان سے جن سے کوئی شخص خود گزرا ہو۔ خود کے معنی بھی اپنے آپ کے ہیں جب کہ نوشت فارسی کے مصدر نوشتن سے نکلا ہے جس کے معنی لکھنا، تحریر کرنا وغیرہ کے ہیں۔ گویا اپنی ذاتی زندگی کے احوال و واقعات کا ایسا بیان آپ بیتی یا خودنوشت کہلاتا ہے جس میں مصنف کی داخلی کیفیات اور احساسات بھی شامل ہوتے ہیں۔ ایک اچھی آپ بیتی زندگی کے بارے میں مصنف کے نقطہ نظر کی ترجمان ہوتی ہے جو مندرجہ ذیل دو خصوصیات کی حامل ہوتی ہے:

(الف) زندگی کا غیر جانب دارانہ جائزہ  
(ب) متاثر کن اسلوب نگارش

اردو زبان میں آپ بیتی کا آغاز مولانا جعفر تقاسمی کی خودنوشت ”کالا پانی“ سے ہوا۔ اردو زبان و ادب کے حوالے سے مولانا حسرت موہانی کی ”قید فرنگ“ ایک بہترین خودنوشت ہے۔ دیوان سنگھ مفتون کی ”نا قابل فراموش“، جوش ملیح آبادی کی ”یادوں کی برات“، احسان دانش کی ”جہان دانش“ اور قدرت اللہ شہاب کی ”شہاب نامہ“ جیسی تحریریں بھی اردو ادب کا سرمایہ ہیں۔

ہمارے نصاب میں عام طور پر شخصیات کی آپ بیتی موضوع بحث نہیں ہوتی بلکہ غیر حقیقی اشیا، جمادات اور نباتات آپ بیتی کا موضوع سخن ہوتے ہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے موضوعات پر آپ بیتی لکھنا دراصل ادیبانہ اسلوب کا تقاضا کرتا ہے۔ جس طرح انشائیہ کا موضوع کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز مچھر، کیڑا، اورینٹک وغیرہ ہو سکتے ہیں جن کے متعلق لکھتے ہوئے انشائیہ نگار ایسا نیم مزاحیہ انداز تحریر اختیار کرتا ہے کہ قاری زیر لب مسکراتے ہوئے ایک نشست میں اسے پڑھ لیتا ہے، ایسا ہی انداز تحریر آپ بیتی کے لیے بھی اختیار کرنا چاہیے۔ کرسی، میز، مکان، پھول اور درخت جیسے موضوعات چینی اور ان مجاز اور بے زبان اشیا کو متخلص کرتے ہوئے انھیں گویائی دیجیے اور قلم کی جولانیاں دکھائیے اور ایک اچھے شاعر اور ادیب کی طرح اپنے مشاہدے، تجربے اور قوت تخیل کو بروئے کار لاتے ہوئے حقیقت اور مبالغہ آرائی کے خوب صورت امتزاج سے با مقصد تحریر صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیجیے۔



## چند اہم ہدایات

- ادبی شان کی حامل آپ بیتی تخلیق کریں۔
- موضوع کے مطابق سینہ واحد متکلم یا جمع متکلم اختیار کریں۔ مقبول عام کردار کو میں یا ہم کے طرزِ مخاطب سے شروع کریں۔
- زبہ داستاں کے لیے رنگ آمیزی، جدت اور دلچسپی پیدا کریں۔
- واقعات کی ترتیب و تنظیم زمانی اور مکانی حقائق کے مطابق منطقی اور فطری ہونی چاہیے۔
- معاشرتی مسائل کی نشان دہی کی جائے۔
- معاشرے کی بے راہ روی اور خرابی کی اصلاح کے لیے طنز و مزاح کا انداز اپنایا جاسکتا ہے۔
- موقع محل کے مطابق محاورے اور ضرب الامثال استعمال کریں لیکن ان کی بھرمار نہ ہو۔
- اچھے موضوع اور موقع کی مناسبت سے معیاری اشعار سے مدد لی جاسکتی ہے۔
- زبان میں سلاست، تازگی اور گفتگویی قائم رہے۔
- غیر اخلاقی اور متعصبانہ باتوں سے بہر صورت گریز کریں۔



### ① ایک پھول کی آپ بیتی

ایک خزاں زدہ پھول اپنی آپ بیتی کا آغاز ان اشعار سے کرتا ہے:

ہوتے ہیں پانچ تو کہتے ہیں زرد پھول کل رحمتِ عمیم کا ہم پر بھی تھا نزول  
 یاران بوستاں میں ہمارا بھی تھا شمول اے راہِ روئے ڈال ہمارے سروں پہ دھول  
 ہر چند انجمن کے نکالے ہوئے ہیں ہم  
 لیکن صبا کی گود کے پالے ہوئے ہیں ہم

جناب میرا یہ بکھرا ہوا وجود، یہ حالتِ زار، یہ اُڑی اُڑی سی رنگت، یہ پڑ مروگی اور یہ بے قدری جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے، کبھی میرے تصور میں بھی نہیں تھی۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ عروج یوں بھی زوال پذیر ہوتا ہے، بلندیاں یوں بھی پستیوں کا شکار ہوتی ہیں اور لطف و عنایات یوں بھی نظر اندازی کی زد میں آسکتی ہیں۔ استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ۔ آج سے صرف ایک سال پہلے کی بات ہے کہ باغ جناح میں شجر کاری مہم کی ایک خوب صورت تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس تقریب کی صدارت کمشنر صاحب نے کی۔ تقریب کے اختتام پر باغ کے عین وسط میں رنگ برنگے پھولوں کے درمیان کمشنر صاحب کے دست مبارک سے گلاب کا ایک پودا لگایا گیا۔ باغ کے ملازمین نے اس پودے پر بالخصوص بہت توجہ دی۔ وہ ہر ہفتے اس کے ارد گرد گھومتے کرتے، کھاڈا لیتے اور وقت

ضرورت اس کی آبیاری کرتے۔

موسم بہار آتے ہی اس پودے پر سرسبز کوئٹلیں پھونکنے لگیں۔ چند ہی دنوں میں وہ سبز پتوں سے بھر گیا اور ساتھ ہی اس کی شاخوں پر بے شمار غنچے نمودار ہونے لگے۔ گلاب کے اس پودے کے عین سرے پر نسبتاً ایک بڑا غنچہ نمودار ہوا جو میری پیدائش کی خوش خبری کا اعلان تھا۔ مجھے باغ میں ارد گرد رنگ آمیزی کرتے، خوشبوئیں بکھیرتے، چراغ لالہ بننے اور لہلہاتے پھول نظر آتے تو میں ان کی دل کشی پر رشک کرتا اور دل ہی دل میں ان جیسا وجود پانے کی دعائیں مانگتا۔ ایک دن سورج کی روشن کرنیں میرے لیے نوید صبح بہار لائیں اور میں بھی کھلتے ہوئے ایک پھول کی صورت اختیار کر گیا:

اُف یہ دستور چمن ، آہ یہ آئینِ حیات

پھول کہلاتا ہے غنچے کا پریشاں ہونا

میرا پرکشش اور دل کش وجود، میری تازگی اور کٹنگنی، میری چمک اور چمک دمک اور باغ میں میرا مقام و مرتبہ، میں اپنے آپ کو دیکھ دیکھ کے پھولے نہ ساتا تھا۔ میری رنگ آمیزی، نزاکت اور خوب صورتی نے مجھے وہ فخر و ناز عطا کیا کہ شاید وہ باید۔ باغ میں جو بھی داخل ہوتا فوراً میری طرف کھنچا چلا آتا۔ طلبہ، لڑکے، لڑکیاں، چھوٹے، بڑے سب میرے ساتھ کھڑے ہو کر تصویریں بنواتے۔ رات کی تنہائی، گہرے ستارے اور اندھیرے میں بھی میری سرخ رنگت چراغ کی طرح روشن نظر آتی۔ آنے والا ہر لمحہ میری قدر و قیمت میں اضافے کا سبب بنتا۔ مگر دل ہی دل میں مجھے دو طرح کے خدشات لاحق تھے۔ ایک یہ کہ کہیں مجھے کسی کی نظر نہ لگ جائے اور دوسرا یہ کہ کہیں کوئی مجھے کوئی توڑ کر پودے سے الگ نہ کر دے۔ باغ میں جگہ جگہ ”پھول توڑنا منع ہے“ کے بورڈ آویزاں تھے جنہیں پڑھ کر مجھے تسلی ہو جاتی تھی لیکن:

پھول کھلے ہیں لکھا ہوا ہے توڑو مت

اور مچل کر جی کہتا ہے چھوڑو مت

وہی ہوا جس کا مجھے خوف اور ڈر تھا۔ ایک لڑکی نے لپٹائی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا، ادھر ادھر پھرتے ملازمین سے آنکھ چرائی، اس کا

عالم ہاتھ میری طرف بڑھا اور اس نے نہایت بے دردی سے مجھے پودے سے جدا کر دیا اور جھٹ سے مجھے اپنے جُوڑے میں سجالیا:

نہیں یہ شان خودداری ، چمن سے توڑ کر تجھ کو

کوئی دستار میں رکھ لے ، کوئی زینپ گلو کر لے

پودے سے جدا ہوا تو جیسے میری گردن ہی کٹ گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے وجود سے سارے کا سارا خون نچڑ گیا ہو، جیسے دل کی دھڑکن بند ہو گئی ہو یا جیسے میری سانسیں رک گئی ہوں یا جیسے میری زندگی کا اخیر دن آ گیا ہو۔ میں ابھی اپنے آپ کو نوزع کے عالم میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے کان میں ایک اور نویدِ زیست سنائی دی۔ اُس لڑکی کی ایک سہیلی مجھے اس کے جُوڑے میں سجاد کچھ کر رہی تھی: ”یہ پھول تو تمہارے جُوڑے میں پودے سے بھی زیادہ تازہ اور کٹنگنی محسوس ہو رہا ہے۔“

لڑکی کی سبیلی کے روح افزا اور جاں بخش الفاظ میرے کان میں کیا پڑے، میں تو پھر سے جی اٹھا۔ وہی گھمنڈ، وہی فخر و ناز میرے دل و دماغ میں دوبارہ سرایت کر گیا۔ لیکن دنیا فانی ہے، ہر ایک نے موت کا ڈانکہ چکھنا ہے۔ میں اپنے کبر و غرور اور نادانی میں اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ گھر پہنچتے ہی اس لڑکی کا ظالم ہاتھ ایک مرتبہ پھر میری طرف بڑھا اور اس نے جھٹ سے مجھے اپنے بالوں سے کھینچا اور بڑی بے مروتی سے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ وہاں شیشے میں مجھے اپنی شکل نہیں بلکہ اپنی اوقات نظر آ رہی تھی:

کچھ ایسے پھول بھی گزرے ہیں میری نظروں سے

جو کھل کے بھی نہ سمجھ پائے زندگی کیا ہے

مجھے زندگی کے عروج و زوال کی سمجھ آ گئی۔ مجھ پر ”ہر کمال را زوال“ کی حقیقت واضح ہو گئی۔ میری رنگت وہاں پڑے پڑے رات بھر میں پیلی پڑ گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ صبح ہوتے ہی کوڑے دان میں پھینک دیا جاؤں گا۔ صبح ہوئی تو وہی ظالم ہاتھ ایک مرتبہ پھر میری طرف بڑھا، لیکن میری توقع کے خلاف، کوڑے کی نوکری میں پھینکنے سے بھی بڑا ظلم کرتے ہوئے اس لڑکی نے مجھے ایک موٹی سی کتاب میں رکھ لیا اور میری پٹی کچی سانسیں بھی مجھ سے چھین لیں۔ کالج جاتے ہی اس کے دل میں جانے کیا سوچھی، مجھے کتاب سے نکالا اور باریک سوئی میرے سینے سے آ رہا کرتے ہوئے عبرت کے طور مجھے نوٹس بورڈ پر چپکا دیا۔ میں اس وقت نوٹس بورڈ ہی پر چسپاں ہوں اور اپنی لہلہاتی زندگی یاد کر کے خون کے آنسو رو رہا ہوں۔



## ۱ ایک قلم کی آپ بیتی

ایک قلم اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے عربی میں قلم، فارسی میں خامہ یا کلک اور انگریزی میں Pen کہتے ہیں۔ میری بہت سی صورتیں ہیں۔ پرانے دور میں مجھے پرندے کے پر سے بنایا جاتا تھا، خاص طور پر بادشاہ، وزیر اور نواب مور کے پر کی تراش خراش کر کے اسے بطور قلم استعمال کرتے اور پروانے جاری کرتے تھے۔ عرصہ دراز تک مختلف اقسام کی لکڑی سے مجھے تخلیق کیا گیا۔ پھر زمانے نے کروٹ اور سائنسی ترقی نے میری شکل بدلی اور مجھے لوہے، ربرٹ اور پلاسٹک وغیرہ سے تخلیق کیا جانے لگا۔ ہولڈر، ہینسل، بال پوائنٹ اور پوائنٹر وغیرہ میری ہی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ میری اشکال میں وسعت کی طرح میرے مضامین بھی متنوع ہیں۔ عربی زبان میں قلم کے لغوی معنی کاٹنے یا تراشنے کے ہیں۔ غیر مادی مفہوم میں مجھے اُس قابل فہم تجزیاتی صلاحیت کا نام دیا جاتا ہے جس سے انسان زندگی کے حیاتی اور غیر حیاتی مثبت یا منفی پہلوؤں سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔ مادی لحاظ سے بھی میرے مضامین مختلف النوع ہیں جو لسانی، فنی، اور تکنیکی حصوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ لسانی تناظر میں جانچے تو میں وہ ہوں جس سے کسی بھی زبان کے حروف، الفاظ اور جملے لکھے جاتے ہیں۔ فنی لحاظ سے کاتب یا مصوّر کا وہ آلہ ہوں جس سے وہ اپنے شاہ کار تخلیق کرتا ہے اور تکنیکی لحاظ سے وہ کی بورڈ (Key Board) ہوں جو ٹائپ رائیٹر، کمپیوٹر یا موبائل فون وغیرہ پر نصب ہوتا ہے، مختصر یہ ہے کہ میرے

معنی و مفہوم کچھ بھی ہوں، میری ضرورت و اہمیت مسلم ہے۔ میں سقراط کے ہاتھ میں سچائی کا اعلان ہوں، افلاطون کے ہاتھ میں مثالیت کا نظریہ حیات ہوں، ارسطو کے ہاتھ میں وجودیت کے مظاہر پیش کرتا ہوں۔ کتنا خوش قسمت ہوں کہ قرآن پاک اور احادیث میں مرقوم ہوں۔ فنکار کے ہاتھ میں ہوں تو کہیں تصویریں بناتا ہوں، کہیں کیلی گرافی کے جوہر دکھاتا ہوں، کہیں کتابت اور کہیں رسم الخط کی مثالیں قائم کرتا ہوں۔ سائنس دان کے ہاتھ میں ہوں تو کتنے فارمولے، نظریے اور تجربے میرے مرہون احسان ہیں۔ ادیب کے ہاتھ میں ہوں تو داستان، ناول، افسانہ، مضمون اور انشائیہ تخلیق کرتا ہوں اور شاعر کے ہاتھ میں ہوں تو رباعی، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، غزل اور سب سے بڑھ کر حمد و نعت رقم کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

آپ کو ایک بات بتانا تو بھول ہی گیا۔ میرا اصل منصب یہ ہے کہ میں پڑھنے اور پڑھانے کے عمل میں بنیادی کردار ادا کرتا ہوں۔ کمرہ جماعت میں تختہ سیاہ ہو تو معلمین عام طور پر سفید چاک کی صورت میں مجھے استعمال کرتے ہیں اور اگر تختہ سفید (White Board) ہو تو سیاہ یا رنگین مارکر سے علم کے رنگ نکھیرتے ہیں۔ میں طلبہ کے ہر جگہ کام آتا ہوں۔ کمرہ جماعت میں ان کی نوٹ بکس اور امتحان گاہ میں ان کی جوابی کاپیاں میری مرہون منت ہیں۔ وہ جیسے چاہیں صفحہ قرطاس پر علم کے موتی نکھیریں، میں بہر حال ہمہ وقت ان کی معاونت میں پیش پیش رہتا ہوں۔

حضرات! کسی بھی معاشرے میں عدل و انصاف کی اقدار ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں جس وقت منصف کے ہاتھ میں ہوتا ہوں تو دراصل انسانیت کے تحفظ پر مامور ہوتا ہوں۔ انصاف پر مبنی فیصلے قوموں کی تقدیر لکھتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں رسول اللہ ﷺ کے لیے خود بھی ملازموں کے کنبہ کے میں کھڑے ہو گئے۔ محترمین! خدا نخواستہ اگر ناانصافی پر مبنی فیصلہ رقم ہو رہا ہو تو میں کانپ کانپ جاتا ہوں، میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے اور میں سر جھکائے اللہ تعالیٰ سے ایسے غلط منصف کے لیے ہدایت اور قوم کے لیے رحم کی دعا مانگتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”روزی قیامت علما کے قلم کی سیاہی اور شہدا کے خون کو گولا جائے گا تو علما کے قلم کی سیاہی شہدا کے خون سے زیادہ وزنی ہو جائے گی۔“ (بخاری کنز العمال ۱۳۱/۱۰) آپ ﷺ کا یہ ارشاد ایسا کھر اور شفاف آئینہ ہے کہ جس میں ہر دور کی تاریخ کو دیکھا جاسکتا ہے۔ تلوار اور قلم ہر دور میں موجود ہے ہیں اور عوام و خواص کو ہمیشہ اس کی ضرورت رہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ تلوار وقتی ضرورت کو پورا کرتی ہے جب کہ قلم دائمی ضروریات کی تسکین کا باعث ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار اٹھانے والے کے، کون ایسا شخص ہے جس کا نام زندہ رہا، جب کہ اہل قلم بھی فنا نہیں ہوتے:

تاریخ کے اوراق الٹ کر ذرا دیکھو ہر دور میں تلوار ہی ہاری ہے قلم سے

میں اپنی بحث ان الفاظ میں سمیٹتا ہوں کہ میں وہ آلہ ہوں جس سے تعمیر بھی کی جاسکتی ہے اور تخریب بھی۔ اب یہ قلم کار پر منحصر ہے کہ وہ کس ظرف کا مظاہرہ کرتا ہے:

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر بیکسر ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

## ۲ ایک درخت کی آپ بیتی

میں آم کا ایک درخت ہوں۔ کئی سال پہلے میرے مالک نے مجھے ایک گملے سے نکال کر اپنے باغیچے میں لگا دیا۔ باغیچے کا ماحول میرے لیے ایک سراجینی تھا۔ میری اس اجنبیت کو کم کرنے کے لیے باغیچے کا مالی روزانہ میری ننھی سرخ کونپلوں پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرتا، مجھے پیار کرتا اور خصوصی توجہ دیتا۔ وقت گزرتا گیا، مجھے اس ماحول سے شناسائی ہونے لگی۔ زرخیز مٹی میں نمکیات اور پانی کی فراہمی میری خوراک کا لازمی جزو تھے۔ مجھے میری خوراک اور موسموں کے تغیر و تبدل کی سختی سے بچانے کے مناسب انتظامات باغیچے کے مالی کی اولین ترجیحات میں شامل تھے۔ سردیوں سے مجھے سخت نفرت تھی کیونکہ موسم سرما کے زمانے کا گردوغبار میری ننھی کونپلوں پر جم جاتا تھا اور رات کو پڑنے والا کھرا میرے روشنی جذب کرنے والے مسامات کو متاثر کرتا تھا۔ موسم سرما کی شدت مجھے اکثر بیمار کر دیتی تھی۔ مالی مجھے سردی سے بچانے کی بھرپور کوشش کرتا لیکن موسم کی شدت کے آگے وہ بھی بے بس ہو جاتا۔

فروری کے مہینے میں موسم سرما کی شدت کم ہوتی تو مجھے بھی سکھ کا سانس آتا۔ بارانِ رحمت میری ننھی کونپلوں کے چہرے کو دھو ڈالتا اور پورا جسم کھل اٹھتا۔ میرے رخ پر ہریالی مسکرانے لگتی، جسے دیکھ کر مالی کا چہرہ بھی کھل اٹھتا۔ موسم گرما میرا پسندیدہ موسم ہے۔ جون اور جولائی کی گرمی برداشت کرنا اگرچہ مشکل کام ہوتا ہے لیکن میں جوانی کے ایام میں قدم رکھ چکا تھا، اس لیے گرمی کی شدت مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ مارچ اور اپریل میں پھوٹنے والی میری ننھی کونپلیں مٹی میں مکمل پٹیوں کی صورت میں ڈھل جاتی تھیں۔ یہی پتے ماحول میں آلودگی کم کرنے اور آکسیجن کی فراہمی میں میرے مددگار بن جاتے اور میری قوت برداشت بڑھ جاتی۔ موسم برسات کی آمد سے پہلے میری ٹہنیوں پر بورا آنے اور ننھے پھل لگنے کا مرحلہ مکمل ہو جاتا۔ اپریل میں میری شاخوں پر آنے والا بورا ننھے آم کے پھل کی شکل اختیار کر لیتا تو چھوٹے چھوٹے آموں کو بچے بڑی حسرت سے دیکھتے۔ آخر کار جولائی اگست میں ساون کی جھڑی لگ جاتی اور میرے پھل پکنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ لوگ میرے پھل مزے لے لے کر کھاتے اور مجھے پھلوں کے بادشاہ کے لفظ سے نوازتے، میرے سائے میں بیٹھ کر پھلوں کا مزہ لیتے اور اکثر میرے کانوں میں یہ آواز بھی پڑتی کہ مشہور زمانہ شاعروں مرزا غالب اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی بے حد مرغوب غذا رہا ہوں۔

ہر سال وقت اپنے آپ کو دہراتا چلا جاتا اور میں گزشتہ سالوں کے مقابلے میں ہر اگلے سال اپنی زیادہ توانائی صرف کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ مجھ پر اور زیادہ پھل لگیں اور میں خدمتِ خلق کا پہلے سے بھی بہتر فریضہ انجام دیتا رہوں۔ تیس چالیس سال کا عرصہ پلک جھپکتے گزر گیا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ کل ہی کی بات ہو۔ اب باغیچے میں میرے بعد لگائے گئے پودے جو میری آنکھوں کے سامنے نشوونما پا کر پلے بڑھے تھے، ان پر زیادہ پھل پھول لگنے شروع ہو گئے۔ میرا مالی اب ان کی دیکھ بھال میں زیادہ مصروف رہتا۔ مجھ پر اب کم پھل لگتے ہیں۔ شاید اب میں بڑھاپے کی طرف گامزن ہونے لگا ہوں۔ مجھ پر بورا آنا بھی بند ہو گیا ہے۔ اب میری

شاخوں میں کوئٹہ پھولنے کی صلاحیت بھی کم ہوگئی ہے۔ موسم کی سختیاں برداشت سے باہر ہیں۔ مالی کی عدم دلچسپی کی وجہ سے میرے جسم کے کچھ حصے خشک ہونے لگے ہیں۔ وہی لوگ جو کل تک میرے سائے میں میرے پھلوں کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا تے دکھائی دیتے تھے، اب میرے پاس بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ناقدری کا یہ عالم ہے کہ کچھ دنوں سے مجھے لوگوں کے ہاتھوں فروخت کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے پک چکنے کے بعد میرے خریدار انتہائی بے دردی سے میری جڑوں کو کاٹ کر مجھے فنا کر دیں گے۔ میرے جسم کے کچھ حصوں کو کاٹ کر ایندھن کی نذر کیا جائے گا اور کچھ حصوں کو چیر پھاڑ کر فرنیچر کے کام میں لایا جائے گا... مگر مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ سوکھنے اور کٹ جانے کے بعد بھی میں خدمتِ خلق کا فریضہ انجام دیتا رہوں گا، بقول شاعر:

مجھے گلہ نہیں ناقدری زمانہ کا  
میں ابتدا سے نگاہِ گہر شناس میں تھا



## ۲ اردو زبان کی آپ بیتی

میں اردو زبان ہوں اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ میں اس وقت اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی زبان ہوں۔ میرا تیسرا بڑا بھائی برصغیر کی سرزمین سے صدیوں پہلے تیار ہوا۔ ابتدا میں مجھے بے شمار ناموں سے پکارا گیا۔ گیارہویں سے چودھویں صدی عیسوی تک مجھے ہندی اور ہندوی کہا گیا۔ پندرہویں اور سولہویں صدی میں مجھے دہلوی کے نام سے پکارا گیا۔ اس کے بعد مجھے گوجری کہا گیا۔ کچھ شعرا نے مجھے دکنی کہا اور کچھ ماہرین نے مجھے ریخت کا نام دیا۔ انگریزوں نے مجھے ہندوستانی کہہ کر پکارا لیکن بحیثیت زبان میری شناخت ۱۷۸۰ء کے لگ بھگ ہوئی اور مجھے بطور زبان اردو کہہ کر پکارا گیا۔

میں نے ارتقا کا ایک طویل سفر طے کیا ہے۔ میں نے اپنی شناخت برصغیر میں اس وقت قائم کی جب آریائی زبانوں کا شہرہ تھا تو دوسری طرف سندھی، پنجابی اور دیگر مقامی زبانوں کا راج تھا۔ یہاں دین اسلام کی کرنیں پھوٹیں تو عربی زبان کا اثر بھی مجھ پر پڑا، فارسی بولنے والے حکمران آئے تو انھوں نے فارسی زبان کو سرکاری زبان کی حیثیت دی۔ انگریز حکمران آئے تو ان کی زبان بھی مجھ پر اثر انداز ہوئی۔ ان سب حقائق کے باوجود خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے اپنا تشخص برقرار رکھا اور اپنی حیثیت منوائی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر خسرو کی تحریروں میں میری موجودگی نمایاں رہی۔ ملا وجہی نے اردو زبان کی ابتدائی شکل میں ”سب رس“ لکھی۔ حیدرآباد دکن کے بادشاہوں اور شعرا نے اردو زبان میں شاعری کی۔ یوں محمد قلی قطب شاہ اردو زبان کا پہلا صاحب دیوان شاعر بنا۔ ایہام گوئی کی تحریک سے وابستہ بے شمار شعرا نے اس وقت اردو زبان کو اپنایا کہ جب سرکار کے ہاں فارسی کا طوطی بولتا تھا۔ پھر زمانے نے میری صورت میں ولی دکنی کی جمال دوستی کو دیکھا۔ میر و سودا کے اردو شاعری کے عہد زریں کو دیکھا۔ دبستان دہلی اور دبستان لکھنؤ سے متعلق شعرا نے اردو زبان میں اپنے جوہر دکھائے۔ مرزا غالب اور مومن خان مومن کے دور میں اردو کے عروج کو کون فراموش کر سکتا ہے۔ استاد داغ اور لسان العصر

اکبر الہ آبادی کی اُردو شاعری کے ساتھ ساتھ مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اُردو نعت گوئی جس نے انھیں حستان الہند کے نام سے مشہور کیا، میری معراج نہیں تھی تو اور کیا تھا، پھر جس انداز سے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بام عروج تک پہنچایا، تاریخ میں ایسی مثال کم ہی ملے گی:

اُردو لسانیات کی دنیا میں فرد ہے  
اُردو ولی ہے ، میر ہے ، سوا ہے ، درو ہے

سامعین! میں ہی وہ دل نشین پیکر ہوں کہ جسے بنیاد بنا کر سرسید احمد خاں نے سب سے پہلے دو قومی نظریے کے نقوش ثبت کیے۔ علی گڑھ کی علمی ادبی تحریک سے لے کر ترقی پسند تحریک کے شعری اور نثری ادب تک جو خدمات میں نے انجام دی ہیں، ان سے کون انکار کر سکتا ہے۔ میں تو وہ ہوں کہ جس نے انگریزوں کو ہندوستان میں مجبور کر دیا تھا کہ وہ انگریزی چھوڑ کر ہندوستانیوں سے گفت و شنید کے لیے اُردو زبان سیکھیں۔ اسی لیے انگریزوں نے ۱۸۵۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی اور اور میر امن دہلوی، شیر علی افسوس، بہادر علی حسینی، حیدر بخش حیدری اور کاظم علی جوان جیسے ادیبوں نے اُردو کی بہترین تخلیقات پیش کیں۔ تحریک پاکستان کے بڑے بڑے قائدین ہی کو دیکھ لیجیے۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ سمیت تقریباً تمام قائدین نے مجھے وسیلہ اظہار بناتے ہوئے عوام الناس تک تحریک پاکستان کا پیغام پہنچایا، اسے کامیاب بنایا اور نتیجے میں ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔

دین کے مبلغ ہوں، علما ہوں، معلمین ہوں، مفکرین ہوں، ادیب ہوں، شاعر ہوں، سیاستدان ہوں یا ماہرین معیشت ہوں غرض زندگی کے ہر شعبے سے وابستہ افراد کے باہمی رابطے کی بنیاد میں اُردو ہی ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ پاکستان کے تمام صوبوں میں مجھے قبول عام کا درجہ حاصل ہے۔ سندھی، پنجابی، بلوچی اور پشتو سمیت متعدد علاقائی بولیاں بولنے والوں کے درمیان میرا تشخص برقرار ہے اور میں پاکستان کی قومی یک جہتی کی بنیاد کا ایک اہم ستون ہوں اور احسن طریقے سے اپنا یہ فریضہ انجام دے رہی ہوں۔ سائنس اور کمپیوٹر کے اس دور میں بھی سنجیدہ شعری اور نثری ادب مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے اور میں اس ادب کو زندگی فراہم کر رہی ہوں۔

اگرچہ انگریزی زبان کے پرستاروں نے میری وقعت کم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن میں عوامی حلقوں میں بہت مقبول ہوں۔ پاکستان کے طول و عرض میں اجنبیت دور کرنے اور لوگوں کو محبت و موافقت کے رشتے میں پروانے کے لیے میں ہی آگے بڑھتی ہوں۔ میں علاقائی اور مقامی زبانوں کے علاوہ بین الاقوامی زبان انگریزی کی موجودگی میں اپنا تہذیبی نشان ہمیشہ قائم رکھوں گی۔ زمانہ حال کے ایک معلم ڈاکٹر اشفاق احمد ورک نے میرے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

کہیں ریشم ، کہیں اطلس ، کہیں خوشبو رکھ دوں  
یہ تمنا ہے تری یاد کو ہر سو رکھ دوں  
یہ تبسم ، یہ تکلم ، یہ نفاست ، یہ ادا  
جی میں آتا ہے ، ترا نام میں اُردو رکھ دوں



## ۵ سو روپے کے نوٹ کی آپ بیٹی

جناب! آپ مجھے میری اس حالت میں دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔ میں کل تھا، میں آج ہوں اور میں آنے والے کل میں بھی رہوں گا۔ میری اہمیت کبھی ختم نہ ہونے والی ہے۔ رہی یہ بات کہ میری شکل و صورت کیسے بدل گئی، یہ ایک لمبی داستان ہے۔ میرے پاس اپنی تخلیق کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ پہلے پہل میرا وجود ایک قد آور تومند درخت کی شکل میں تھا۔ میں ایک جنگل میں پرسکون زندگی بسر کر رہا تھا۔ ایک دن ایک کاغذ بنانے والے کارخانے کے مالک نے مجھے خریدا۔ میرے حصے بخرے کیے، طرح طرح کی مشینوں کے جبروں سے گزارا، میرے وجود اصل کو باریک سے باریک تر کیا اور مختلف مایہ جات استعمال کرتے ہوئے ایک کاغذ کی شکل میں ڈھال دیا۔ یہ مراحل بہت کٹھن اور پیچیدہ تھے جنہیں میرے وجود نے خندہ پیشانی اور تحمل و بردباری سے برداشت کیا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ کچھ پانے کے لیے بقول شاعر بہت کچھ کھونا بھی پڑتا ہے، روشنی کے لیے موم بتی کی صورت آگ میں جلنا پڑتا ہے اور کچھ بننے کے لیے بیوید خاک ہونا پڑتا ہے:

منا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے  
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

میں بڑے کاغذ کی صورت میں ڈھل چکا تھا لیکن میری ٹوٹ پھوٹ اور تراش خراش کا عمل ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ مجھے ایک بار پھر مختلف مشینوں سے گزارا گیا جس سے میرے وجود پر طرح طرح کے نقوش واضح ہوتے چلے گئے۔ اس کے بعد مجھے ایک اور مشین سے گزارا گیا جس سے میرا وجود کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ وہ ٹکڑے دراصل سوسو کے کڑکتے نوٹ تھے۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں کوئی کارآمد شے بن چکا ہوں۔ مجھے بڑی عزت و توقیر کے ساتھ ایک بنڈل کی شکل میں باندھا گیا، پھر مجھے احتیاط کے ساتھ اٹھا کر ٹرک میں رکھ کر شہر کے مرکزی بینک میں پہنچایا گیا۔ یہاں مجھے ایک لاکر میں رکھ دیا گیا۔ میں سمجھا کہ میرا سفر شاید یہیں ختم ہو گیا ہے لیکن یہاں سے تو میرے حقیقی سفر کا آغاز ہونے والا تھا۔ بینک میں موجود میرے ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ یہ جگہ تو عارضی ہے یہاں سے ہمیں اگلے سفر پر روانہ ہونا ہے:

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے  
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

ایک دن بینک کے منیجر نے مجھے الماری سے نکالا اور ایک بنڈل کی صورت میں ایک دکان دار کو تھما دیا۔ وہ مجھے لے کر اپنی دکان پر آیا اور گلے میں رکھ دیا۔ میں انتظار میں تھا کہ دیکھیے اب میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ دکان دار کا بیٹا سکول جانے لگا تو اس کی نظر میرے رنگ روپ پر پڑی۔ وہ لچائی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ دکان دار معاملے کو سمجھ گیا اور اس نے گلے میں ہاتھ ڈالا اور بیٹے کا منہ چومتے ہوئے مجھے محبت سے اس کے سپرد کر دیا۔ وہ مجھے پکڑ کر یوں خوش ہوا جیسے اسے ایک ہزار کا نوٹ مل گیا ہو۔ تفریح کے وقت اس بچے نے

دو سوسوں کے عوض مجھے کینے ٹیریا کے مالک کے سپرد کر دیا، وہاں سے میں ٹرک ڈرائیور کے ہاتھ، پھر پھل فروش کے ہاتھ۔ ایک عرصہ تک جب میں کسی کے ہاتھ آجاتا تو وہ خوشی محسوس کرتا۔ کوئی مجھے اپنے سینے کے ساتھ جیب کی صورت میں لگانے رکھتا، کوئی پرس میں رکھ لیتا اور کوئی ہاتھ ہی میں لپیٹ لیتا۔ میں ایک ہار فروش کے ہاتھ لگا تو اس نے مجھے نوٹوں کے ایک ہار میں پرودیا جو ایک ڈلھا کے زب گلو ہوا۔ مجھے جینڈا بچے کے شور میں لوٹا اور لانا بھی گیا۔ یوں میں نگری نگری پھرتا رہا یعنی:

کس کو سنائیں حال دل زار اے ادا

آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی

اب میری ناقدری کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ میں ایک بخیل اور کنجوس شخص کے ہاتھ لگ گیا۔ اس کی بند مٹھی میں میری سانس تو جیسے بند ہو رہی تھی لیکن میں بے بس تھا۔ اس نے مجھے ایک گندی سی تھیلی میں رکھ دیا۔ میں ابھی پہلی تلخ واردات سے سنبھل نہ پایا تھا کہ میں اس شخص کے بیٹے اور بیٹی کی جھپٹ میں آ گیا۔ اُن کی آپس کی لڑائی اور چھینا چھٹی میں میرے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس ظالم شخص نے مجھے اپنے بچوں سے لے لیا اور جوڑنے کی کوشش کرنے لگا جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اگلے روز وہ مجھے واپس بینک میں لے آیا جہاں اب میں پرانے بوسیدہ نوٹوں کے ساتھ پڑا ہوں اور ماضی کی تلخ یادوں کو یاد کرتا ہوں اور آہیں بھرتا ہوں:

یاد ماضی عذاب ہے یا رب!

چھین لے مجھ سے حافظہ میرا



### ۱ پرانی کرسی کی آپ بیتی

میں ایک ٹوٹی پھوٹی اور شکستہ سی کرسی ہوں۔ آپ میری اس خستہ حالی کو دیکھ کر پریشان مت ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے میں نہایت دلکش ہوا کرتی تھی۔ مجھے دیکھ کر لوگ رشک کرتے تھے۔ میں نے ایک قابل قدر کرسی سے خستہ حالی کا سفر کیسے طے کیا، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ کرسی کی صورت میں ڈھلنے سے پہلے میرا وجود شیشم کے ایک قد آور درخت کا حصہ تھا یا یوں کہیے کہ میں ایک درخت ہی تھا۔ جب میں ایک درخت تھا تو بہار کی رنگینی اور پرندوں کا چھہانا میری خوشی کی وجہ بنتا تھا۔ ایک دن ایک لکڑہارا جنگل میں آیا۔ اس نے مجھے ایک آرے سے چیرنا شروع کر دیا۔ مجھے بہت تکلیف محسوس ہو رہی تھی لیکن میں بے بس تھا۔ جیسے جیسے آرے کے تیز دندانے مجھے چیرتے جا رہے تھے میری تکلیف میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر کار اس نے مجھے کاٹ کر ایک ٹرک پر لاد دیا۔ مجھے ایک کارخانے میں لایا گیا جہاں سے ایک بڑھئی مجھے خرید کر اپنے ساتھ لے گیا۔

میری اذیت اور تکلیف کا یہ سلسلہ جوں کا توں قائم رہا۔ مجھے پہلے لگا تھا کہ شاید اصل اذیت وہ تھی جس سے مجھے پہلے گزرنا پڑا تھا مگر تکلیف وہ مرحلہ دراصل اب شروع ہوا تھا۔ اس بڑھئی نے مجھے مزید چھوٹے بڑے ٹکڑوں میں کاٹنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد انھیں نہایت

مہارت سے کیل کی مدد سے جوڑنا شروع کیا۔ ہتھوڑے کے ہر وار سے مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میرے وجود کو پرزے پرزے کر دیا جائے گا۔ ہتھوڑے کے وار تیز سے تیز تر ہوتے جا رہے تھے۔ جوں جوں وار تیز ہو رہے تھے، تئوں تئوں میری اذیت مزید بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ کچھ دیر میں یہ وار رک گئے، میری تکلیف بھی کم ہو گئی اور جب میں نے اپنی نئی شکل دیکھی تو میں اپنی تکلیف بالکل ہی بھول گئی۔ اب میں ایک خوب صورت کرسی کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ مجھے اپنی خوب صورتی پر ناز ہونے لگا۔ اس خوب صورتی میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب اس نے مجھے جاذب نظر رنگ میں رنگ دیا۔ اب میری شکل و صورت سب سے جدا اور منفرد تھی۔ مجھے خود پر فخر ہونے لگا۔ یہاں سے مجھے ایک دکان دار خرید کر اپنے ساتھ لے گیا۔ کچھ وقت تک تو میں اس کی دکان میں بڑی شان و شوکت سے براجمان رہی۔ دکان دار مجھے جلد از جلد فروخت کرنا چاہتا تھا لیکن قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگ آتے، مجھے دیکھتے اور خریدے بغیر واپس چلے جاتے۔ آخر کار گاؤں کے چودھری صاحب نے مجھے خرید لیا۔ وہ مجھے اپنے گاؤں کی حویلی میں لے گئے۔ وہاں مہمانوں کے لیے اور بھی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں چوں کہ نئی تھی، اس لیے ان سب کے بیچ مجھے جگہ مل گئی۔ میں حویلی کی سجاوٹ میں اضافے کا سبب بن گئی۔ یہاں میں کافی عرصے تک ہنسی خوشی کی زندگی گزارتی رہی۔ ایک دن چودھری صاحب کے دور دراز سے کچھ خاص مہمان آئے۔ ان کے ساتھ کچھ بچے بھی تھے۔ ان بچوں نے مجھ پر اچھل کود شروع کر دی۔ اسی اثنا میں میری ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ یہاں سے میری بد قسمتی کا آغاز ہوا۔ مجھے ایک کھاڑیے کو دے دیا گیا۔ اس نے میری ٹانگ کی مرمت کی اور مجھے ستے داموں ایک کریانے والے کے ہاتھ بیچ دیا۔ مجھے ایک دکان میں رکھ دیا گیا۔ مجھے سارا دن آنے والے دال کا بھاؤ معلوم ہوتا رہتا۔ میں یہاں مطمئن نہ تھی کیوں کہ دکان دار کا وزن بہت زیادہ تھا جسے برداشت کرنا میرے لیے بہت مشکل تھا۔

آخر ایک روز میں اس کے وزن کو برداشت نہ کر سکی اور میری ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے ساتھ دوسری ٹانگ بھی کھناک سے ٹوٹ گئی۔ مجھے اب دکان کی چھت پر پھینک دیا گیا ہے۔ یہاں مجھے آندھی، بارش اور نت نئے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ میں اب اپنی زندگی کے آخری سانس گن رہی ہوں اور زندگی کے خوش گوار دنوں کو یاد کر کے ٹھنڈی آہیں بھرتی ہوں۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ منہ سے نکلی ہوئی بات، دریا کا بہتا ہوا پانی اور گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتے، اس کہات کا اطلاق مجھ پر بھی ہوتا ہے۔

آنکھوں میں چھپائے پھر رہا ہوں      یادوں کے بجھے ہوئے سویرے  
 روداد سفر نہ چھیڑ ناصر      پھر اشک نہ تھم سکیں گے میرے



#### ④ ایک کتاب کی آپ بیتی

میں بارہویں جماعت کی اُردو کی کتاب ہوں۔ میری حالت دیکھ کر یقیناً آپ مجھے پہچان نہیں سکے ہوں گے۔ اس اتر حالت تک پہنچنے کا سبب یہ ہے کہ میں طویل عرصے تک زمانے کی دست برد کا شکار رہی ہوں۔ میں نے بہت اذیت ناک سفر طے کیا ہے۔ میری

صورت شروع دن سے ایسی نہ تھی۔ میری تخلیق کے محزکات نہایت شان دار تھے۔ ہوا یہ کہ حکومت نے قومی امتگوں کے مطابق نیا نصاب متعارف کرایا۔ اس نصاب کے مطابق سال دوم کے لیے اردو زبان و ادب کے جو اہداف مقرر ہوئے، ان کے حصول کے لیے ملک بھر کے بہترین مصنفین، مولفین اور مدیران کا انتخاب کیا گیا۔ ان سب نے مل کر مجھے تخلیق کیا۔ ہر صاحب الرائے نے مجھے سراہا۔ پنجاب کرکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ نے اپنی نگرانی میں میری اشاعت کی اور میں مارکیٹ میں دستیاب ہو گئی۔ مجھے ایک ذہین طالب علم نے دکان دار سے خرید اور اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ اس نے پہلے میرا تعارف اپنے بڑے بھائی اور بہن سے کرایا اور پھر میز پر رکھ دیا۔

وہ مجھے بہت سنبھال کر رکھتا تھا کیوں کہ میں اس کی پسندیدہ کتاب تھی۔ وہ اکثر میری ظاہری اور اندرونی حالت دیکھتا، اپنی پسند کی مزے مزے کی کہانیاں پڑھتا، شعر گنگناتا اور مجھے سنبھال کر اپنے بیگ میں رکھ لیتا۔ اگرچہ اس کا بیگ تار یک تھا جہاں میرا سانس رکتا تھا، اس کے باوجود مجھے اس کے ساتھ رہنا اچھا لگتا کیوں کہ وہ میرا بہت خیال رکھتا تھا۔ وقت گزرتا گیا، کب ایک سال کا عرصہ گزرا، پتا ہی نہ چلا۔ وہ امتحان پاس کر کے اگلی جماعت میں ترقی پا گیا۔ اس نے مجھے آدمی قیمت پر دکان دار کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہیں سے میری بد قسمتی کا آغاز ہوا۔ مجھے ایک اور طالب علم نے خریدا اور اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ میری بے قدری کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس دفعہ میں ایک نالائق طالب علم کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ وہ نہ تو مجھے گھر میں سنبھال کے رکھتا اور نہ ہی بستے میں۔ پڑھتے وقت وہ مجھے بے دردی سے کھولتا، بے دردی سے میرے کاغذ اُلٹا پلٹتا، میرے کاغذوں میں شکنیں ڈال دیتا، سیاہی پھینک دیتا اور کبھی کبھی تو انتہائی بے دردی سے میرے کاغذ پھاڑ بھی دیتا۔ وہ مجھے پڑھنے کے بجائے صرف اپنے امتحان کی تیاری کے حوالے سے الٹ پلٹ کر ایک نظر دیکھ لیتا تھا۔ اس نے مجھ سے بہت ظالمانہ رویہ اختیار کیے رکھا۔ میرے صفحات جو پہلے بالکل صاف ستھرے اور کورے تھے، وہ انھیں ہینسل سے خراب کر دیتا، مختلف طرح کے دھبے لگا دیتا، بے دردی سے صفحات کو پھاڑتا اور میرے دامن میں چھوٹے کاغذ کے پرزے نشانی کے لیے رکھ دیتا جس سے میری اندرونی اور بیرونی حالت روز بہ روز گزرنے لگی۔ مجھے اس وقت بہت تکلیف ہوتی جب میں دیکھتی کہ دوسرے لائق طلبہ میری طرح کی کتابوں کی بہت قدر کرتے اور انھیں غور سے پڑھتے اور سنبھال کر رکھتے تھے۔

مجھے اپنی بے قدری اور بے وقعتی کا بہت احساس ہے۔ میں تمام طلبہ سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ کتابوں کی قدر کیا کریں۔ انھیں محنت اور توجہ سے پڑھیں اور ان میں دیے گئے مقاصد کے حصول کی ہر ممکن کوشش کریں۔ طلبہ کو چاہیے کہ کتابیں پڑھ کر کامیاب انسان بنیں اور کتابوں کو اپنا بہترین دوست سمجھیں۔

ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ میری خوب صورتی ماند پڑ چکی تھی۔ مجھے اپنی حالت زار دیکھ کر تکلیف ہوتی لیکن میں بے بس تھی۔ وہ پڑھنے کے بعد مجھے لا پرواہی سے پھینک دیتا۔ میری جلد پھٹ چکی تھی۔ ایک دن اس کی اپنے کسی ساتھی سے لڑائی ہو گئی۔ وہ ایک

دوسرے سے کتاب چھین رہے تھے۔ اس کھینچا تانی میں میرے کچھ صفحات پھٹ گئے۔ اب میری حالت انتہائی خستہ ہو گئی۔ اس نے مجھے ایک رومی والے کوچ دیا۔ مجھے ایک بورے میں ڈالا گیا۔ اس بورے میں میرے جیسی اور بھی مجبور و مجبوس کتابیں، اپنی بے بسی اور بے قدری کا رونارور ہی تھیں۔ وہ بورا ایک کباڑ خانے لایا گیا۔ وہاں کتابوں کی چھانٹی کی گئی۔ میں کباڑیے کے ہاتھ لگی تو اس نے مجھے رومی کی نوکری میں پھینک دیا۔ کافی دنوں تک میں رومی کی نوکری میں پڑی اپنی قسمت کو کوستی رہی۔ ایک دن ایک سمو سے اور پکوڑے بیچنے والا آیا اور اس نے کباڑیے سے مجھے خرید لیا۔ میری بے قدری اور بد قسمتی دیکھیے، میرا ایک ایک صفحہ الگ کیا جا رہا ہے اور اس پر پکوڑے اور سمو سے رکھ کر بیچے جا رہے ہیں۔ مجھے اپنے برباد ہونے کا اتنا دکھ نہیں جتنا اس بات کا ہے کہ مجھ سے یہ ناروا سلوک کیوں رکھا گیا جب کہ میں علم کا ایک بہترین وسیلہ تھی۔ کتابیں تو علم کے موتی ہیں، انھیں ہرگز پامال نہیں ہونا چاہیے۔ میری دعا ہے کہ کاش تمام طلبہ میں شعور بیدار ہو اور وہ سب کے سب کتاب دوست بن جائیں۔



### ۸ ایک کوٹ کی آپ بیتی

میں نے بھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ میں اپنی زندگی ہی میں اپنی ایسی اہتر حالت بھی دیکھوں گا۔ مجھ پر ”ہر کمال را زوال“ والی ضرب المثل صادق آتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ حالات کبھی ایک جیسے نہیں رہتے۔ گردشِ ایام اچھے وقت کو برے وقت سے بدل دیتی ہے۔ آج آپ مجھے جس خستہ حالت میں دیکھ رہے ہیں، میں کبھی بھی ایسا نہیں تھا۔ میری حالت تو ایسی تھی کہ تمام سجن بلی مجھ پر رکھ کرتے تھے۔ میں آپ کو اپنی داستانِ حیات سنا تا ہوں۔

آج سے پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ جب ایک بڑی کھاتھ مارکیٹ سے بہت مہنگا کپڑا خریدا گیا۔ اس خریداری کا مقصد ایک کوٹ کی تیاری تھا۔ میں وہی کوٹ ہوں، وہی ہلکے نیلے رنگ کا کوٹ۔ مجھے تیار کرتے وقت میری سلامتی نہایت عمدہ اور نفیس تھی۔ مجھے بہترین درزی سے سلوایا گیا تھا۔ میں اپنے اس رنگ ڈھنگ سے بہت خوش تھا۔ مجھے ایک دکان میں سجا کر رکھ دیا گیا۔ ہر آنے والا گا ہک میری طرف کھنچا چلا آتا تھا مگر میری قیمت سے ڈر جاتا تھا۔ بالآخر ایک صاحب ثروت نے مجھے وہاں سے خرید لیا اور اپنے گھر لے گیا۔ اس شخص کا بیٹا بارہویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ میں دراصل اسی بیٹے کی کالج یونیفارم کے طور پر خریدا گیا تھا۔ وہ طالب علم سردیوں میں مجھے ہر روز کالج پہن کر جاتا، مجھے صاف کرتا اور برش پھیرتا تھا۔ میں اس کا پسندیدہ کوٹ تھا۔ اس کی الماری میں مجھ جیسے اور بھی کوٹ تھے لیکن مجھے اس کے پسندیدہ ترین ہونے کا شرف حاصل تھا اور یہی بات میرے لیے باعثِ مسرت تھی۔

وقت گزرتا گیا۔ وہ طالب علم روز بروز جوان ہو رہا تھا مگر میں اکثر اس کے زب تن رہتا تھا۔ جب اس نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کر لیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اب اسے میری ضرورت نہیں ہوگی کیوں کہ اب اسے کالج یونیفارم کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس

لڑکے کا قد بھی لمبا ہو رہا تھا، اس لیے یہ بھی خطرے کی ایک گھنٹی تھی۔ مجھے آنے والے وقت سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ آخر وہی ہو جس کا مجھے ڈر تھا۔ اس لڑکے نے ایک دو مرتبہ مجھے سپنے کی کوشش کی مگر اب میں اس کے کسی کام کا نہ رہا تھا۔ اب وہ میرا خیال نہیں رکھتا تھا۔ اس نے مجھے اپنی الماری سے باہر نکال دیا۔

اب میرا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ میں کبھی زمین پر پڑا ہوتا اور کبھی کرسی یا میز پر۔ بالآخر گھر کی مالکن نے مجھے ایک نوکرانی کے سپرد کر دیا۔ وہ شام کو جاتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئی۔ وہاں اس کا کوئی ایسا بیٹا تو تھا نہیں جو مجھے پہن سکتا، اس لیے ادھر ادھر گرا پڑا رہتا۔ اب مجھ پر طرح طرح کے دھبوں کے نشان پڑنے لگ گئے تھے اور میں جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا۔ مجھے یہاں سے بھی اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا۔

میں راہ جاتے ایک نشئی کے ہاتھ لگ گیا جس نے مجھے کئی دنوں سے پہن رکھا ہے۔ اب کوئی میرا پرسان حال نہیں۔ میں جو کبھی ایک خوب صورت کوٹ تھا۔۔ ایک خوب صورت کوٹ میرے لیے اب بھیا تک خواب بن کر رہ گیا ہے۔ مجھے اب گزرے دنوں کی یاد ستاتی ہے لیکن اب وہ دن کہاں! اب مجھے سکون کہاں! میں تو اب کوٹ کہلانے کے بھی قابل نہیں رہا۔



### ۹ ایک کوڑے دان کی آپ بیتی

میں ایک پارک میں کوڑے دان کے طور پر نصب ہونے والا ڈرم ہوں۔ میرا رنگ پیلا ہے اور مجھ پر جلی حروف میں لکھا ہوا ہے: ”مجھے استعمال کریں۔“ لوگ مجھ میں کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں۔ اس طرح میں پارک کے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے میں معاون ثابت ہوتا ہوں۔ جب مجھے خام مال سے ایک ڈرم کی صورت میں ڈھالا گیا تب میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ میں گندگی سینٹے کے لیے بنایا گیا ہوں اور میرے تصور میں آتا بھی کیسے! میرے جیسے سیکڑوں ہیں، جو اسی خام مال سے تیار ہوتے ہیں لیکن کوئی صاف پانی ذخیرہ کرنے کے استعمال میں آتا ہے اور کوئی پیٹرول سنبھالنے کے؛ کسی میں شیرہ جمع کیا جاتا ہے اور کسی میں دودھ۔ آخر مجھے ہی کوڑا کرکٹ کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟ شاید یہ میری قسمت میں لکھا ہوا تھا:

تدبیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی  
بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی

پارک کی انتظامیہ جب مجھے خریدنے آئی تو میں کارخانے کے مالک کے ساتھ ان کی گفت گو سن رہا تھا۔ پہلے پہل میں نے سمجھا کہ جب پارک والے مجھے خرید کر لے جائیں گے تو شاید مجھے پانی ذخیرہ کرنے کے لیے استعمال کریں یا شاید مجھے مصنوعی کھاد سے بھر دیا جائے یا پھر اوزار وغیرہ سنبھالنے کے کام آؤں۔ میں دل ہی دل میں خوش تھا کہ ان میں سے کوئی مقام حاصل ہو گا تو ہر یالیوں میں، پھولوں میں اور خوشبوؤں میں تو جگہ پاؤں گا۔ میرے تو اس وقت پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی جب میری توقعات کے برعکس

مجھے کوڑا دان بنا دیا گیا اور میری چھاتی پر مونگ دلنے کے لیے اس پر یہ جملہ لکھ دیا گیا: ”مجھے استعمال کریں۔“  
لوگوں کی قسمت دیکھیے کہ وہ صفائی کو ایمان کا حصہ سمجھتے ہوئے خود کو صاف ستھرا رکھتے ہیں، اپنے ارد گرد کے ماحول کو صاف ستھرا رکھتے ہیں اور صاف ستھری چیزیں استعمال کرتے ہیں۔

میری بد قسمتی ملاحظہ ہو کہ دنیا بھر کا فضول کاٹھ کباڑ اور لائشیں اپنے اندر سمیٹا ہوں۔ یہ خدمات انجام دیتے ہوئے میں خود گندا اور میلا کچلا ہو جاتا ہوں۔ اپنے آپ کو جتنا بھی صاف ستھرا رکھوں، گندا ہونا میرا مقدر ہے۔

میں اسی مایوسی کے عالم میں زندگی کے دن گزار رہا تھا کہ قدرت نے میرے ذہن میں کچھ ایسی باتیں ڈال دیں اور مجھ پر کچھ ایسے حقائق منکشف کر دیے کہ میں پھر سے جی اٹھا۔ میری محرمیاں ختم ہو گئیں، میری حسرتیں دم توڑ گئیں اور میری مایوسیاں کامرانیوں کا روپ دھار گئیں۔ ہوا یہ کہ ایک کڑکتی دھوپ میں میری نظر پارک کی زمین پر پڑی۔ میں نے غور کیا تو مجھے اس میں سے سونا گھٹا نظر آیا، کوئٹلیں پھوٹی نظر آئیں، سبزہ دکھائی دیا، پھول دکھائی دیے اور پھولوں کی مہر کار آئی لیکن کیا تھا کہ وہ زمین زندگی کے تمام تر خزانے لکانے کے باوجود نیچے بھی ہوئی تھی، انسان، حیوان، چرند، پرند سب کی پامالی کا شکار تھی۔ میں نے دیکھا کہ اسی پارک کے بڑے قد آور درخت جو چھاؤں دیتے تھے، پھل، پھول دیتے تھے اور ٹھنڈی ہواؤں کے چنگھے چلاتے تھے۔ ان کو چیرا پھاڑا گیا یہاں تک کہ جلایا گیا، انھوں نے اف تک نہ کی، گلہ تو دور کی بات! پھر میرے سامنے سورج کا چہرہ آیا جو روشنی دیتا ہے، تپش دیتا ہے، حرارت پہنچاتا ہے، موسموں کو تغیر و تبدل سے آشنا کرتا ہے۔ اس کی روشنی سے پھول کھلتے ہیں، پھل پکتے ہیں۔ چار دن کے لیے غائب ہو جائے تو زمین پر دس دس فٹ برف جم جائے اور زندگی کا نام و نشان مٹ جائے۔ مگر ازل سے اب تک جل رہا ہے خاموشی سے، صبر سے، بغیر کوئی گلہ کیے، بغیر کسی شکوہ اور شکایت کے۔  
قدرت نے جب مجھے یہ حقائق دکھائے تو میں اپنی کم ظرفی پر شرمندہ ہوا کہ اس قدر ایثار کرنے والوں اور اتنی بڑی خدمات انجام دینے والوں کے مقابلے میں میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ میں سمجھ گیا کہ قدرت نے ہر کسی کے ذمے وہی کیا ہے کہ جس کے وہ قابل ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

قسمت کیا ہر اک کو قسام ازل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا غم ہم کو دیا، سب سے جو مشکل نظر آیا

اب میرا شعور بیدار ہو چکا ہے۔ مجھے اب اپنا کردار سمجھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ کوڑے دان کے طور پر ہی صحیح رہے گا۔ میں دوسروں کے کام تو آ رہا ہوں، مجھ پر لکھا ہوا: ”مجھے استعمال کرو“ میرے لیے قابل فخر ہے۔

### آپ بیتی لکھنے کے لیے مجوزہ عنوانات

- ایک تیلی کی آپ بیتی
- قبر پر نصب کتبے کی آپ بیتی
- ایک جو ہڑکی آپ بیتی
- ایک جو تے کی آپ بیتی
- ایک فنٹ بال کی آپ بیتی
- بادشاہی مسجد لاہور کی آپ بیتی
- مینار پاکستان کی آپ بیتی
- قربانی کے بکرے کی آپ بیتی
- چنے کی آپ بیتی

## رُوداد نویسی

”رُوداد“ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں احوال، حالات، سرگزشت، قصہ، ماجرا، واقعہ، کارروائی اور کیفیت وغیرہ جب کہ اصطلاحی طور پر رُوداد نویسی سے مراد کوئی اپنے کانوں سنایا کوئی چشم دید قصہ، ماجرا، واقعہ، کارروائی اور کیفیت وغیرہ کو احاطہ تحریر میں لانا ہے۔

رُوداد نگاری کے موضوعات: (۱) معینہ (۲) غیر معینہ

- معینہ موضوعات سے مراد ہے طے شدہ تقریبات، جلسے، جلوس اور کھیل وغیرہ۔
- غیر معینہ موضوعات سے مراد اچانک رونما ہونے والے سانحات، حادثات اور واقعات کا احوال بیان کرنا۔



## رُوداد نویسی کے لیے چند ہدایات

- (۱) سب سے پہلے رُوداد کے موضوع کا تعارف کرائیں۔
- (۲) تاریخ، دن، ہفتہ، مہینہ وغیرہ کا ذکر کیا جائے۔
- (۳) تعاریب کی صورت میں اہم نکات بھی اختصار کے ساتھ بیان کیے جائیں۔
- (۴) واقعہ کا بیان مبنی بر حقیقت ہونا چاہیے۔
- (۵) متعلقہ شخصیات کا تعارف کرایا جائے۔
- (۶) رُوداد کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔
- (۷) رُوداد کے متن کی طوالت مناسب اور قاری کو کہیں بھی تفتنی محسوس نہ ہو۔
- (۸) زبان و بیان میں سادگی اور روانی ہو۔ گنگنک اور پیچیدہ اسلوب سے گریز کیا جائے۔
- (۹) زمانی اور مکانی ترتیب کو مد نظر رکھا جائے۔
- (۱۰) رُوداد کا اختتام احسن انداز سے کیا جائے۔



## ۱ سالانہ قومی سیرت کانفرنس اسلام آباد کی رُوداد

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو وزارت مذہبی امور و بین الاقوامی ہم آہنگی کے زیر اہتمام قومی سیرت کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں ایک خصوصی سیشن دنیا بھر میں شائع ہونے والی کتب سیرت اور نعتیہ مجموعوں کے تخلیق کاروں کو قومی سیرت ایوارڈ ز عطا کرنے کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ تقریباً دس دن پہلے مجھے وزارت مذہبی امور، اسلام آباد کی طرف سے خط ملا جس میں یہ خوش خبری درج تھی کہ میرا نعتیہ مجموعہ قومی سیرت ایوارڈ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ میں اور میرے بیوی بچے بہت خوش ہوئے اور ہم سب نے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اُس نے اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اتنی بڑی عزت سے نوازا ہے۔ اسی خط کے ذریعے سے وزارت مذہبی امور کی جانب سے یہ بھی تاکید کی گئی تھی کہ ایوارڈ وصول کرنے کے لیے کانفرنس کے انعقاد

سے ایک روز پہلے یعنی ۱۱ ربیع الاول کی دوپہر کو دیے گئے پٹے کے مطابق اسلام آباد پہنچنا ہے۔ میں حسب پروگرام تاریخ کو وقت مقررہ پر اسلام آباد دفتر پہنچا تو وہاں موجود ایک افسر نے خوش دلی سے استقبال کیا۔ میرے قیام کا انتظام ایک وی آئی پی ہوٹل میں کیا گیا تھا جہاں میں نے ایک رات قیام کیا۔

اگلے روز صبح آٹھ بجے ایک گاڑی مجھ سمیت بہت سے مہمانوں کو لے کر پورے پروٹوکول کے ساتھ منزل کی جانب رواں دواں ہوئی۔ تقریباً چھ سات منٹ کی مسافت کے بعد گاڑی منزل مقصود پر پہنچی۔ ہم سب خوش خوشی گاڑی سے اترے اور کانفرنس ہال کی جانب چل دیے۔ سیکورٹی کے حوالے سے ہماری باقاعدہ سلامتی لی گئی۔ دروازے پہ موجود اہل کار نے میرا دعوت نامہ غور سے دیکھا تو پہلی قطار میں مہمانوں کی نشستوں میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کانفرنس ہال کو سرکارِ دو عالم ﷺ کے میلادِ پاک کی نسبت سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی ایک پُر لطف آواز سماعتوں سے نکلرائی اور دل و دماغ کو تسخیر کرتی چلی گئی۔ یہ دل کش آواز معروف شاعر مظفر وارثی کی تھی۔ ان کی مشہور زمانہ نعت ”میرا ہیبر عظیم تر ہے“ نفا کو پُر کیف بنا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد صدر پاکستان دیگر مہمانوں کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ اسٹیج سیکرٹری نے صدر پاکستان، وفاقی وزیر برائے مذہبی امور اور دیگر مہمانانِ گرامی کو خوش آمدید کہا۔ تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے کیا گیا۔ اس کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ کی شان میں گل ہائے عقیدت پیش کیے گئے۔

سب سے پہلے وفاقی وزیر برائے مذہبی امور نے خطاب کیا۔ انھوں نے تمام شرکا اور امتِ مسلمہ کو عید میلاد النبی ﷺ کی مبارک باد پیش کی اور کانفرنس کی غرض و غایت بیان کی۔ اس کے بعد علمائے کرام نے اس مبارک دن کے حوالے سے دیے گئے خاص موضوع ”ماحولیاتی آلودگی اور ہماری ذمہ داریاں، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں“ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اپنے مقالات پڑھے۔ موضوع سیرت چوں کہ منفرد نوعیت کا تھا اور حالاتِ حاضرہ سے مطابقت رکھتا تھا اس لیے تمام شرکا نے ہر مقالہ نگار اور مقرر کو نہایت توجہ سے سنا۔ کانفرنس کے آخر میں صدر پاکستان نے خطاب کیا۔ انھوں نے کانفرنس کے انعقاد پر انتظامیہ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس تقدیس کے حامل دن پر اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا اور ملتِ اسلامیہ کی سلامتی کے لیے خصوصی دعا کی۔ انھوں نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سلامتی، خوش حالی اور ترقی کے لیے بھی دعا کی۔ اپنے خطاب کے آخر میں انھوں نے موضوع سیرت کو سراہا، مقررین کو داد دی اور ایوارڈ کے لیے منتخب شاعروں اور ادیبوں کو مبارک باد دی۔ جناب صدر کے خطاب کے بعد قومی سیرت ایوارڈ کی تقسیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسٹیج سیکرٹری نے اعلان کیا کہ صدر مملکت اپنے دست مبارک سے ایوارڈ تقسیم کریں گے اور اس سلسلہ میں وفاقی وزیر برائے مذہبی امور ان کی معاونت کریں گے، تو میرے دل میں عجیب سی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مجھے اس بات پر اطمینان تھا کہ مدح رسول ﷺ پر ایسے ہی عزت افزائی ہونی چاہیے۔ پہلے مقالہ نگاری میں پوزیشن لینے والوں کو ایوارڈ دیے گئے۔ اس کے بعد نعت نگاری کے ایوارڈ کی تقسیم کا آغاز ہوا۔ دوسری باری میری تھی، میں نے صدر مملکت سے مصافحہ کیا، انھوں نے اپنے دست مبارک سے مجھے ایوارڈ دیا اور مبارک باد کہی۔ کانفرنس کا اختتام دعائے خیر سے کیا گیا اور تمام مہمانوں کی دوپہر کے کھانے اور چائے سے خاطر تواضع کی گئی۔ یہ شان دار تقریب مجھے عمر بھر یاد رہے گی۔

## ۲ ایک تفریحی مقام کی سیر کی روداد

ہم تمام اہل خانہ ہر سال موسم گرما کی تعطیلات میں وطن عزیز کے کسی صحت افزا تفریحی مقام کی سیر کرنے جاتے ہیں۔ اس مرتبہ موسم گرما کی چھٹیوں میں ہمارے سارے کنبے نے ملکہ کو ہسٹری کی سیر کا پروگرام بنایا۔ اپنی منزل مقصود کی طرف رخ کرنے سے قبل ہم نے اپنے والدین کی ہدایات کے مطابق زاد سفر تیار کیا۔ ابو نے بھائی وقار کے ساتھ جا کر ورکشاپ سے گاڑی کو ہر حوالے سے ٹھیک کرایا اور اس میں پٹرول بھی ڈلوایا۔ ہم ۱۰ جولائی بروز پیر صبح سویرے تمام اہل خانہ کے ہم راہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

مری ضلع راولپنڈی کا ایک تاریخی تفریحی مقام ہے۔ راولپنڈی سے مری لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ یہ خوب صورت شہر سطح سمندر سے کافی بلند ہے۔ سڑک اتنی وسیع، کشادہ اور فراخ ہے کہ گاڑی اس پر فرائے بھرتی چلی جاتی ہے۔ سڑک کے دونوں اطراف میں چیز اور صنوبر کے درخت دل کش منظر پیش کرتے ہیں۔ مری میں ہر سال اپریل سے نومبر تک موسم نہایت خوش گوار رہتا ہے لیکن یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس شہر میں دسمبر سے مارچ تک ناقابل برداشت سردی پڑتی ہے۔ دسمبر کے آخری دنوں سے فروری کے ابتدائی دنوں تک کے دورانیے میں برف باری کا قوی امکان رہتا ہے۔ اس عرصے کے دوران میں برف باری کے نظارے خواہش مند سیاح کو ہر مری کا رخ کرتے ہیں اور برف باری کے حسین و جمیل مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ذکر ہو رہا تھا ملکہ کہسار مری کی سیاحت کا، اس مرتبہ ہم سب افراد خانہ نے کوہ مری کی سیر کے لیے جولائی کے جن دنوں کا انتخاب کیا، ان دنوں اس شہر کا موسم بہت ہی اچھا تھا۔ وقفے وقفے سے بارش ہو رہی تھی۔ مری کی مرکزی سڑک مال روڈ پر ہوٹل خیابان میں ہمارا قیام رہا۔ یہ ہوٹل جی پی او چوک سے دو سو گز آگے ایک خوب صورت محل وقوع میں اپنا ایک الگ ہی نظارہ رکھتا ہے۔ ہم نے اپنی تعداد کے مطابق اس ہوٹل کے دو کمرے کرائے پر لیے۔ کھانے پینے کی اشیاء کے بارے میں یہ طے پایا کہ سیاحت کے دوران میں مختلف مقامات پر اس کا انتظام کر لیا جائے گا۔

ہم نے مری کے قیام کے دوران میں پنڈی پوائنٹ، کشمیر پوائنٹ اور باغ شہیدان جیسے قابل دید مقامات کی سیر کی اور وہاں فوٹو گرافی بھی کی۔ ان خوب صورت مقامات کے علاوہ ہم نے گھڑیاں کیپ اور بھور بن جیسے دل کش مقامات بھی دیکھے۔ نیو مری میں چیئر لفٹ اور کیبل کار پر بھی اس خوب صورت شہر کے دیدہ زیب مناظر کا نظارہ کیا۔ پہاڑوں کے اوپر سے گزرتی کیبل کار سے زمین کا دل کش نظارہ سیاحوں کو حیران کر دیتا ہے۔ بلند و بالا درختوں اور فلک شکاف سرسبز پہاڑوں میں گھرا یہ شہر قدرت کا ایسا حسین شاہ کار ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اسی کے قریب گھوڑا گلی کے مقام پر مشہور و معروف لارنس کالج ہے جو طلبہ کی تعلیم و تربیت کا اہم مرکز ہے۔ یہ ایک اقامتی درس گاہ ہے جہاں ملک کے دور دراز علاقوں سے طلبہ تعلیم و تربیت کے حصول کے لیے آتے ہیں اور اس عظیم دولت سے فیض یاب ہو کر ملک و قوم کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ مری کی شام کا نظارہ ناقابل فراموش ہوتا ہے۔ برقی قلموں کی رنگارنگ روشنیوں میں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان سے ستارے زمین پر اتر آئے ہوں۔ یہ سحر انگیز منظر مدتوں حافظے میں محفوظ

رہتا ہے۔ ہم نے اس مرتبہ ”لارنس کالج“ گھوڑاگلی دیکھا اور مری کی ہر صبح و شام سے بھی خوب خوب لطف اندوز ہوئے۔ ابو جان اور اتنی جان نے ہمیں مری کے ہر مقام کی تاریخی اہمیت سے آگاہ کیا۔ ہمارے ابو (جو ایک کالج میں تاریخ کے استاد ہیں) نے ہمیں بتایا کہ انیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں انگریزوں نے مری میں بیس کیمپ بنایا تو اس سے شہر کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ انھوں نے آہستہ آہستہ اس شہر میں قدم جمانے کی کوشش جاری رکھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کو پسپائی ہوئی تو انگریزوں نے اس شہر پر کھلم کھنڈ کر لیا۔ تاہم اس نخلے کے بہادر فرزندوں نے انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اپنی جدوجہد کا آغاز کر دیا اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دیں۔ آج بھی باغ شہیدان میں ان جاں نثاروں کی قبریں موجود ہیں جو ان کی شجاعت اور دلیری کی گواہی دے رہی ہیں۔ حصول پاکستان کے لیے اہل مری کا کردار تاریخ پاکستان کا ایک شان دار اور یادگار باب ہے۔ ۱۹۳۶ء میں قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ اپنی چھوٹی بہن محترمہ فاطمہ جناح کے ہم راہ مری تشریف لائے اور مری کے معروف جی پی او چوک میں مری کے لوگوں سے خطاب کیا۔ یہ تاریخی واقعہ مری کے لوگوں کے لیے ہمیشہ یاد رہے گا۔

اپنے چھ روزہ قیام کے دوران میں ہم سب نے مری کے چنے چنے کی سیر کی اور اس سے خوب لطف اندوز ہوئے۔ واقعی یہ شہر پاکستان کے خوب صورت ترین تفریحی مقامات میں سے ایک ہے۔ اسی لیے ہر موسم میں یہاں بیرونی ممالک اور ارض پاک کے مختلف شہروں سے آنے والے سیاحوں کا تانتا سا بندھا رہتا ہے۔ یہ سیاح، اس شہر کی یادیں سمیٹ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ہم سب بھی اس شہر کی سیر سے ناقابل فراموش یادیں لے کر واپس اپنے شہر کو آ گئے۔

اب جب کبھی تنہائی میں ہمیں اس شہر کے خوب صورت مناظر یاد آتے ہیں تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ جلدی جلدی موسم گرما کی تعطیلات ہوں اور ہم ایک بار پھر مری جانے کا پروگرام بنائیں۔



## ۲ شجرکاری مہم کی تقریب کی روداد

ہر سال کی طرح اس سال بھی جولائی کے مہینے میں ہمارے کالج میں شجرکاری مہم کا آغاز ایک رنگارنگ تقریب سے ہوا۔ کالج کے باغیچے میں شامیانے لگائے گئے تھے۔ خوب صورت اسٹیج تیار کیا گیا اور اساتذہ، طلبہ اور ان کے والدین کے لیے الگ الگ قطاروں میں کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ سر اختر سعید نے اسٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے ہوئے پرنسپل صاحب اور اساتذہ کرام کو اسٹیج پر تشریف فرما ہونے کے لیے کہا۔ اس کے بعد تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول ﷺ نے ہوا۔ سر اختر سعید نے تقریب کی غرض و غایت بیان کی اور بتایا کہ گزشتہ سال جتنے پودے لگائے گئے تھے وہ ابھی بھی سرسبز و شاداب ہیں اور تیزی سے پھل پھول رہے ہیں۔ ہم سکول میں آتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے ان کی سرسبز شاخیں ہاتھ ہلا کر ہمیں خوش آمدید کہہ رہی ہوں، ہوا چلتی ہے تو یہ شاخیں یوں جھکتی ہیں گویا ہمارا شکر یہ ادا کر رہی ہوں اور جب ہم کالج سے باہر جا رہے ہوں تو ہمیں الوداع کہتی

الوداع کہتی ہیں۔ سرانخر سعید نے اپنی اس خوب صورت گفتگو میں اس سال کی شجرکاری مہم میں لگائے جانے والے پودوں کے منصوبے کا بھی مفصل ذکر کیا۔ اس کے بعد ہمارے کالج کے پرنسپل صاحب کو دعوت خطاب دی گئی۔ تمام طلبہ، اساتذہ اور مہمانوں نے کھڑے ہو کر تالیوں کی گونج میں ان کا استقبال کیا۔ پرنسپل صاحب نے سب سے پہلے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور اپنے خطاب میں شجرکاری کے متعلق بہت سی مفید باتیں بتائیں۔ شجرکاری کے فوائد بیان کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ لفظ ”درخت“ چار حروف کا مجموعہ ہے۔ پہلا حرف ”ذ“ دولت کی نشان دہی کرتا ہے، دوسرا حرف ”ز“ راحت کی، تیسرا حرف ”خ“ خدمت کی اور چوتھا حرف ”ت“ تجارت کی۔ غور کیجیے! اگر ایک لفظ میں اتنے راز پوشیدہ ہیں تو خود درخت کتنی قدر و قیمت کا حامل ہوگا۔ درخت ہر حوالے سے ہماری زندگی میں خوش حالی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ ہمیں پھل، پھول، سبزہ، خوشبو، چھاؤں، عمارتی سامان، آرائش و زیبائش اور آلودگی وغیرہ سے بچاؤ جیسی نعمتیں درختوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ اپنی گفتگو کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے پرنسپل صاحب نے کہا کہ اس وقت ہم فضائی، آبی، زمینی اور شور کی آلودگی جیسے مسائل کا شکار ہیں۔ دھواں، خطرناک گیسوں، گرد و غبار، کوڑا کرکٹ، اور بدبودار ہواؤں جیسی ہر قسم کی آلودگی کا حل سرسبز و شاداب پودوں اور درختوں کی صورت میں موجود ہے۔ درخت کسی بھی علاقے کی آب و ہوا کو خوش گوار بناتے ہیں اور ہر قسم کے موسموں کی شدت کو خود برداشت کر کے لوگوں کو معتدل اور صاف ستھرا ماحول فراہم کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ مجید امجد کے بقول جی چاہتا ہے کہ:

اس چلتی دھوپ میں یہ گھنے سایہ دار پیڑ  
میں اپنی زندگی انھیں دے دوں جو بن پڑے

درختوں کی بہتات سے ہوا میں موجود آبی بخارات میں اضافہ ہوتا ہے اور بارش کی وجہ سے فضائی آلودگی میں کمی آتی ہے۔ وہ علاقے جہاں سیم اور تھورز زیادہ ہو، وہاں درخت زمین سے پانی جذب کر کے زیر زمین پانی کی مقدار کو کم کر دیتے ہیں۔ اس طرح پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور زمین قابل کاشت بن جاتی ہے۔ پھل دار درخت اور پھول دار پودے مناظر فطرت کو پرکشش بناتے ہیں۔ سبزہ مال مویشیوں کی خوراک بنتا ہے۔ درختوں کی وجہ سے ریشم سازی، فرنیچر سازی اور گتہ سازی جیسی صنعتیں فروغ پاتی ہیں۔ درخت نہ صرف ہمارے بہترین دوست ہیں بلکہ ان پر بے شمار پرندے گھونسلے بناتے، پرورش پاتے اور بچھاتے ہوئے فطرت کی آواز بن جاتے ہیں، اس لیے انھیں بلاوجہ آگ میں نہیں جھونکنا چاہیے۔ پرنسپل صاحب نے یہ شعر بر محل کہا:

کل رات جو ایندھن کے لیے کٹ کے گرا ہے  
چڑیوں کو بہت پیار تھا اس بوڑھے شجر سے

پرنسپل صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں تمام مہمانوں کی آمد کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور پودے لگا کر شجرکاری کی مہم کا افتتاح کرنے کی دعوت دی۔ تمام معزز مہمانان، اساتذہ اور طلبہ پرنسپل صاحب کی قیادت میں کالج کے کھلے میدان کی جانب چل دیے، جہاں

چاروں طرف مختلف اقسام کے پودے موجود تھے۔ ان پودوں کو اگانے کے لیے بڑی محنت سے گڑھے کھودے گئے تھے۔ پرنسپل صاحب نے ٹرمینیلیا کا پودا اپنے ہاتھوں سے لگایا اور سب نے مل کر دعائے خیر کی۔ ٹرمینیلیا کا پودا اس لحاظ سے منفرد ہے کہ جب یہ سبز پتوں سے بھر جاتا ہے تو بیوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے اوپر نیچے کئی چھتریاں رکھ دی ہوں۔ کچھ مہمانوں نے پبلکن، شیشم، نیم، بکائن اور فائکس وغیرہ کے پودے لگائے۔ طلبہ نے سکول کی دیواروں کے ساتھ ساتھ کونو کارپس کے پودے باڑ کے طور پر لگائے۔ اس پودے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بہت تیزی سے بڑھتا ہے اور ہر قسم کے موسم کی شدت کو برداشت کر لیتا ہے۔ ہر پودے کے ساتھ ایک ایک فلیش کارڈ بھی آویزاں کیا گیا جس پر پودے کے نام کے ساتھ ساتھ اسے اگانے والے کا نام بھی لکھا گیا۔ طلبہ نے اس مہم کے کامیاب آغاز پر بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ طلبہ نے وعدہ کیا کہ گھروں کو واپس جاتے ہی اپنے اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو بھی قائل کریں گے کہ انھیں اپنے گھروں میں پودے اگانے چاہئیں تاکہ خوش گوار اور انسان دوست صحت افزا ماحول قائم کیا جاسکے۔



## ۲ مہندی کی رسم کا آنکھوں دیکھا حال

پاکستان کے ہر صوبے اور علاقے میں شادی بیاہ کی رسوم لوگوں کے چہروں پر مسکرائیں بکھیرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ صوبہ پنجاب میں شادی کی دیگر رسوم میں سے مہندی کی رسم بہت اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے۔ برات سے ایک دن پہلے ڈلھا اور دلہن کے اپنے اپنے گھروں میں مہندی لگانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بارات اگر مقامی ہو تو کبھی کبھی ڈلھا والے دلہن کے گھر اور دلہن والے ڈلھے کے گھر ڈھول کی تھاپ پر مہندی لے کر جاتے ہیں۔ اس رسم میں لڑکیاں خوب صورت لباس زیب تن کیے، ہاتھوں میں مہندی کے تھال اٹھائے مہندی کی رسم ادا کرتی ہیں۔ لڑکے ڈھول کی تھاپ پر رقص کرتے ہیں۔ بڑے بوڑھے بھی ان خوشیوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

پچھلے ہفتے میرے تایا زاد بھائی کی شادی تھی۔ برات چوں کہ دور دراز کے علاقے میں جانی تھی اس لیے دونوں گھروں نے برات سے ایک رات پہلے اپنے اپنے گھروں میں مہندی کا انتظام کر رکھا تھا۔ ڈلھے کا گھر روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ رنگ برنگی روشنیاں ہر کسی کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔ میں بھی اپنی اتنی اور بہنوں کے ساتھ ڈلھا کی مہندی کی رسم میں شریک ہونے کے لیے پہنچ چکا تھا۔ یہ ایک رنگارنگ اور پر رونق تقریب تھی۔ لڑکوں نے زرد رنگ کے پچکے اپنے گلے میں ڈالے ہوئے تھے جب کہ لڑکیوں نے پیلے اور سبز رنگ کے خوب صورت لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ ڈلھانے سفید کرتہ پا جامہ پہنا ہوا تھا۔ اس کے گلے میں بھی زرد رنگ کا پچکا تھا۔ ڈلھا کی بہنیں اور ان کی سہیلیاں اس رسم میں اپنی بھرپور شرکت اپنے جوش و خروش سے ثابت کر رہی تھیں۔ ڈلھا کو باقاعدہ مہندی لگانے سے پہلے ڈلھا کی بہنوں اور ان کی سہیلیوں نے ایک دوسرے کو مہندی لگائی۔ ان کی دیکھا دیکھی لڑکیوں نے بھی ایک دوسرے کو مہندی لگائی۔ لڑکیوں نے ڈھولک کی تھاپ پر مہندی اور شادی کے گیت گائے۔ جھومر اور لڈی رقص بھی پیش کیا گیا۔ سب نے مل کر خوب ہنسا ہنسا کیا۔ اس کے بعد ڈلھا کو مہندی لگانے کی رسم شروع ہوئی۔ اسے ایک خوب صورت رنگین بیڑھے پر بٹھایا گیا جس کے

سامنے میز پر ایک پلیٹ میں مہندی اور مٹھائی رکھی گئی تھی۔ دُلہا کے ارد گرد لڑکوں اور لڑکیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ سب سے پہلے دُلہا کی اتنی جان آئیں۔ وہ دُلہا کے سر سے پیسے وارنے کے بعد ہنستے اور خوش ہوتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھیں، اپنے بیٹے کے ہاتھ پر مہندی لگائی اور اپنے ہاتھ سے اسے برقی کی کلڑی کھلائی۔ ان کے بعد میری اتنی یعنی دُلہا کی چچی اور خالہ جان نے بھی مہندی لگائی۔ بڑی خواتین کے بعد دُلہا کی بہنوں اور ان کی سہیلیوں نے قہقہے لگاتے اور مبارک باد دیتے ہوئے باری باری یہ رسم ادا کی۔ مٹھائی کھا کھا کر دُلہا کا حال برا ہو رہا تھا۔ لڑکوں کی باری آئی تو ایک دوست نے حد ہی کر دی۔ اس نے پورا دُلہا کے منہ میں ڈال دیا اور وہ بے چارہ وائش روم کی طرف دوڑتا پھرا۔ بزرگوں اور بڑے بوڑھوں نے دُلہا اور دلہن کو ڈھیروں دعائیں دیں۔ رسم کے اختتام پر سب لوگوں کی خاطر تواضع چٹ پٹے کھانوں سے کی گئی۔ نوجوانوں کو گول گپے اور پٹھورے بھی پیش کیے گئے۔ کھانے کے بعد بھی ہم لوگ وہیں موجود رہے اور ہلا گلا کرتے رہے۔ آدھی رات تک یہ سلسلہ جاری رہا اور تو یہ خوب صورت تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔



## ۵ ایک میلے کی روداد

عام طور پر کسی تہوار، صوفی بزرگ کے عرس یا رسم کے طور پر مقررہ تاریخوں پر میلے کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ میلے کسی قوم کی تہذیب و معاشرت، روایات اور ثقافت کے عکاس ہوتے ہیں۔ میلے میں لوگ رنگ و نسل، اونچ نیچ، غریبی امیری، زبان و بیان اور علاقائیت کی تفریق سے بالاتر ہو کر ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ کچھ میلے اتنے یادگار ہوتے ہیں کہ سارا سال ان کے انعقاد کا انتظار کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی ایک میلا ہر سال مارچ کے آخر میں مشہور بزرگ حضرت مادھولال حسین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر منعقد ہوتا ہے، جسے میلا چراغاں بھی کہا جاتا ہے۔

بچپن میں اپنے والد صاحب کے ساتھ میں ہر سال کسی نہ کسی میلے میں ضرور جایا کرتا تھا لیکن پچھلے سال مارچ کے مہینے میں میلا چراغاں میری زندگی کا یادگار میلہ بن گیا۔ میں نے میلا چراغاں کے بارے میں بہت سن رکھا تھا۔ اخباروں میں جب اس کے بارے میں پڑھتا اور ٹیلی وژن پر اس کے متعلق پروگرام دیکھتا تو میرے دل میں اس میلے میں جانے کی آرزو جاتی۔ بالآخر میں نے یہ میلا دیکھنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ میلے میں شرکت کے لیے میں نے کالج سے دو چھٹیاں لیں۔ ملتان سے لاہور تک کا سفر میں نے ریل گاڑی میں سوار ہو کر کیا اور تین گھنٹوں میں ریلوے اسٹیشن، لاہور پہنچا۔ یہاں میرا چچا زاد طارق میرے ساتھ میلے میں جانے کے لیے موٹر سائیکل پر آیا ہوا تھا۔ چناں چہ میں اور طارق موٹر سائیکل پر میلے میں پہنچے۔ سیکڑوں لوگ، بسوں، کاروں، رکشوں اور دیگر سوار یوں پر میلے کی طرف رواں دواں تھے۔ لوگوں کی بیسیوں ٹولیاں بھی میلہ دیکھنے کے لیے پیدل جا رہی تھیں۔ میلے کے مقام پر پہنچتے ہی لاؤڈ سپیکروں کے شور، ڈھول کی تھاپ، بلند آواز میں ریکارڈنگ اودودور دور تک قائم عارضی دکانوں نے ہمارا جوش و خروش سے استقبال

کیا۔ بچے، جوان اور بوڑھے حیرانی سے اردگرد کے ماحول کو دیکھ رہے تھے۔ دکانوں پر مٹھائیاں، پھل پھول، کھلونے اور تہہ کات کے لیے اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ صوفیہ کرام کے کلام اور فرامین کی کتابوں کے علاوہ اسٹال موجود تھے۔ میلے میں دستی رومال سے لے کر زرعی آلات تک سامان موجود تھا۔ خواتین کے لیے چوڑیوں اور زیورات کی دکانیں بھی ہوئی تھیں۔ مرد و خواتین اپنی اپنی پسند کی خریداری کر رہے تھے۔ میں اور طارق میلے میں ایک عارضی ٹی سٹال پر رہے۔ طارق ساتھ والی دکان سے پکوڑے، سمو سے اور میٹریاں لے آیا جنہیں ہم نے گرم چائے کے ساتھ کھایا۔ اونچی آواز میں مقبول دشمن اور گیت پیش کیے جا رہے تھے۔ جو لوگ دور دراز سے میلہ دیکھنے آئے تھے وہ ہولوں کا رخ کر رہے تھے۔ ان کی وجہ سے ہولوں پر خاصا رخ تھا۔

بندر والے کی ڈگڈگی، بندر کا پھند کنا، عجیب و غریب حرکتیں کرنا، سسرال کے گھر جانا اور اکڑا کر چلن ہنسی کا سامان فراہم کر رہا تھا۔ دوسری طرف بازی گر کے کرتب اور مداری کی شہدہ بازیاں دیکھ کر ہر شخص اپنے غموں کو بھلا کر خوش ہو رہا تھا۔ جادو گر بھینا ہوا رومال جوڑ رہا تھا، نوپنی سے کبوتر نکال رہا تھا اور چھتری سے چھتری بنا رہا تھا۔ بازی گر پانچ گیندیں بیک وقت فضا میں اچھال رہا تھا، باریک رسی پر چل رہا تھا اور آگ کے گولے کے اندر سے پھلانگ رہا تھا۔ یہ سب کھیل تماشے ہو ہی رہے تھے کہ لوگوں کی توجہ گھوڑے کے رقص نے اپنی طرف کھینچی لی۔ اتنے میں گھڑ دوڑ کا باقاعدہ اعلان ہونے لگا۔ تمام لوگ کھلے میدان کی طرف لپکے۔ میں اور طارق بھی فوراً ہی اس طرف چل دیے۔

گھڑ سوار پنجاب کے روایتی لباس میں ملبوس تھے۔ پٹائی کی آواز پر گھوڑوں کی دوڑ شروع ہو گئی۔ میدان میں دھول اڑ رہی تھی۔ سب لوگ پورے اٹھماک سے گھوڑوں کو دوڑتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ سر پٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سیاہ رنگ کا ایک گھوڑا یہ دوڑ جیت گیا جس کی خوشی میں باجے بجائے گئے۔ اس میدان میں شکاری کتوں کے مصنوعی خرگوش کے پیچھے دوڑنے کو بھی لوگوں نے بہت دلچسپی سے دیکھا۔

میلے میں دو مقامات پر موت کا کواں دیکھنے کے لیے لوگ قطاروں میں کھڑے تھے۔ تھیٹر پر بھی بے تماشا رخ تھا لیکن کئی ایرانی سرکس کی اپنی ہی شان تھی۔ میں اور طارق ٹکٹ خرید کر سرکس دیکھنے کے لیے ایک بہت بڑے شامیانے میں داخل ہوئے۔ اندر ایک الگ ہی سماں تھا۔ ایک بہت بڑا دائرہ جس کے بیرون میں لوگوں کے لیے نشستیں لگی ہوئی تھیں اور دائرے کے اندر ہاتھی، شیر اور گھوڑے کے کرتب دکھائے جا رہے تھے۔

شام ڈھلتے ہی حضرت ماحولال حسین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہزاروں قمقے اور چراغ روشن کر کے پورے ماحول کو پر نور کر دیا گیا۔ زمین سے آسمان تک روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ رات میں دن کا سماں پیدا ہو گیا۔ رات کو جب محفل نعت اور محفل سماع کا اہتمام ہوا تو اس پر نور ماحول کو چار چاند لگ گئے۔ مجھ سمیت تمام حاضرین و زائرین پر روحانی کیفیت طاری تھی۔ میں نے پوری رات دربار میں محفل نعت اور محفل سماع میں اپنے دل کو گر مایا، نماز تہجد اور نماز فجر وہیں ادا کی اور سورج طلوع ہونے پر طارق کے ساتھ پچا جان کے گھر

آگیا۔ میلہ چراغاں کی رونق اگرچہ تین دن تک جاری رہتی ہے لیکن مجھے دو چھٹیوں کے بعد کالج حاضر ہونا تھا اس لیے میں نے چچا جان کے گھر سے ناشتا کر کے واپس ملتان کی راہ لی۔ مجھے یہ میلہ ہمیشہ یاد رہے گا۔



### ۶ یوم آزادی کی زوداد

ہمارے کالج میں قومی اور مذہبی تہوار بڑے جوش و جذبے سے منائے جاتے ہیں۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی یوم آزادی کی تقریب روایتی جوش و خروش سے منعقد ہوئی۔ ہمارے کالج کی پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر نجم الصباح نے دو ہفتے قبل ہی اس تقریب کے اہتمام کا اعلان کر دیا تھا اور نوٹس بورڈ پر بھی اس کا اطلاع نامہ چسپاں کر دیا تھا۔ کالج میں وسیع پیمانے پر اس کے تیاریوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ راہداریوں اور برآمدوں کو رنگ برنگ جھنڈیوں سے سجایا جانے لگا تھا۔ اس موقع پر کونز شو، تقریری مقابلوں اور ملٹی فلموں کا مقابلہ اور ٹیلیو کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ان تقریبات کا انچارج محترمہ ڈاکٹر شاہدہ عزیز کو بنایا گیا تھا۔

یوم آزادی کی صبح کالج کی اندرونی اور بیرونی زیب و زینت اور آرائش دیدنی تھی۔ تمام طالبات وقت سے پہلے ہی کالج پہنچ گئی تھیں۔ کالج کے ہال کو بڑی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ اسٹیج کی پچھلی دیوار پر یوم آزادی کا بیسٹونل کش تحریر کے ساتھ آویزاں تھا۔ باقی دیواریں بھی قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار اور تحریک پاکستان کے قائدین کی تصاویر سے سجی تھیں۔ ٹھیک دس بجے اسٹیج سیکرٹری پروفیسر عائیلہ ساجد نے مائیک سنبالا اور اعلان کیا کہ پرنسپل صاحبہ تشریف لاری ہیں، وہ آج کی تقریب کی صدارت فرمائیں گی۔ چند لمحوں بعد ہی محترمہ پرنسپل صاحبہ ہال میں تشریف لے آئیں۔ ان کے ہمراہ دیگر اساتذہ بھی تھیں۔ طالبات نے ان سب کا تالیوں کی گونج میں استقبال کیا۔ تمام معزز زہمانان اپنی اپنی نشستوں پر تشریف فرما ہوئے۔

تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ یہ سعادت سال اول کی طالبہ عازرہ اعجاز نے حاصل کی۔ اس کے بعد نعت رسول مقبول ﷺ خاتمہ الخلق ﷺ کے لیے سال دوم کی طالبہ ماہ نور کو مدعو کیا گیا۔ اس کی عقیدت بھری آواز شرکائے تقریب کے دلوں میں گھر کر گئی۔ تلاوت اور نعت کے بعد صدر محفل کی اجازت سے ملٹی فلموں کا مقابلہ شروع کیا گیا۔ کالج کی سات لڑکیوں نے اس مقابلے میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے فن کے جوہر دکھائے۔ اس مقابلے میں سال دوم کی طالبہ اروی نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔ ملٹی فلموں کے بعد ”تحریک پاکستان میں طلبہ کا کردار“ کے موضوع پر تقریری مقابلے کا آغاز ہوا۔ تین طالبات نے اس میں حصہ لیا۔ انھوں نے تحریک پاکستان میں طلبہ کے کردار پر روشنی ڈالی اور محترمہ فاطمہ جناح کے کردار کو بھی سراہا۔ انھوں نے عہد حاضر کے طلبہ کو اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کا مشورہ دیا۔ اس مقابلے کو سال اول کی طالبہ جویریہ نے جیتا۔ کونز مقابلے میں دس طالبات نے حصہ لیا۔ اس مقابلے میں تحریک پاکستان کی تاریخ کے بارے میں سوالات کیے گئے۔ سال دوم کی طالبہ مریم زمانی اول پوزیشن کی حق دار ٹھہری۔ اب ٹیلیو شو کی باری تھی۔ طالبات نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظم ”ماں کا خواب“ کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا جسے

تمام حاضرین نے بہت سراہا۔ اس کے علاوہ وادی کشمیر کی آزادی کے متعلق بھی طالبات کی پرفارمنس کو بہت داد ملی۔ تقریب کے آخر میں پرنسپل صاحبہ نے صدارتی خطبہ دیا۔ انھوں نے انتظامیہ اور طالبات کو شاباش دی۔ اپنے خطاب میں انھوں نے قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کو خراج تحسین پیش کیا اور خطاب کے بعد مقابلوں میں پوزیشن لینے والی طالبات میں انعامات تقسیم کیے۔ تقریب کے اختتام سے پہلے پاکستان کا قومی ترانہ بجایا گیا جس کے احترام میں تمام شرکاء کھڑے ہو گئے۔ اس طرح یہ تقریب تین گھنٹے جاری رہنے کے بعد بخیر و خوبی اپنے اختتام کو پہنچی۔



### ④ ایک دل چسپ ہاکی میچ کی روداد

مشہور قول ہے: ”صحت مند و مانع صحت مند جسم میں ہوتا ہے۔“ اپنے جسم کو صحت مند، مضبوط اور چست بنانے میں کھیلوں کا بہت اہم کردار ہے۔ یہ جسمانی ورزش کا بہترین ذریعہ ہیں۔ کھیل دو قسم کے ہوتے ہیں: پہلے وہ جن کا تعلق اٹھلکھٹ سے ہے، مثلاً کشتی، دوڑ، جمپنگ، ہاکنگ، جوڈو کراٹے وغیرہ اور دوسرے وہ جو ایک سے زیادہ کھلاڑی مل کر یعنی ٹیم بنا کر کھیلتے ہیں، مثلاً رسہ کشی، کبڈی، والی بال، فٹ بال، بیڈمنٹن، کرکٹ اور ہاکی وغیرہ۔ ان سب کھیلوں میں ہاکی دو باتوں کی بنا پر بہت اہم ہے، پہلا یہ کہ ہاکی پاکستان کا قومی کھیل ہے اور دوسرا یہ کہ پاکستان ہاکی کے میدان میں اولمپکس، ورلڈ کپ اور چیمپئن ٹرافی جیسے دنیا کے بڑے اعزازات جیت چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ ہاکی کے کھیل میں بہت دل چسپی رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی ہاکی کا میچ ہو، بے شمار لوگ دیکھنے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ پچھلے سو موام میں نے کالج کے نوٹس بورڈ پر پڑھا کہ تین دن بعد یعنی بروز جمعہ المبارک ہمارے کالج کی ہاکی ٹیم کا مقابلہ تحصیل گوجرہ کے ایک کلب کی ہاکی کی ٹیم سے ہونے جا رہا ہے اور اس کے لیے فیصل آباد ہاکی اسٹیڈیم کا انتخاب کیا گیا ہے۔ میرے دل میں جوش و ولولہ پیدا ہوا۔ میں جانتا تھا کہ گوجرہ کے بے شمار کھلاڑی پاکستان کی قومی ہاکی ٹیم کا حصہ رہے ہیں، اس لیے مجھے یقین تھا کہ ہمارے کالج کے مقابلے میں یہ ٹیم بھی اعلیٰ کارکردگی کی حامل ہوگی۔ میں اس میچ کے انتظار میں تین دن بہت مختصس رہا۔

آخر جمعہ المبارک کا دن آ گیا۔ میں نماز جمعہ ادا کر کے فوراً اسٹیڈیم کی جانب روانہ ہوا۔ اور میں منٹ کے بعد ہاکی اسٹیڈیم پہنچ گیا۔ اسٹیڈیم ہمارے کالج کے طلبہ اور گوجرہ سے آئے ہوئے لوگوں سے کچھ کھج بھرا ہوا تھا۔ یہ لوگ میچ دیکھنے کے لیے مجھ سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد میچ کے دونوں ریفری اور مخصوص یونیفارم میں ملبوس دونوں ٹیمیں میدان میں آ گئیں۔ شہر کے ڈپٹی کمشنر بطور مہمان خصوصی تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہ میدان میں تشریف لائے اور دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے کھلاڑیوں کے ساتھ گروپ فوٹو بھی بنوائے۔

کھیل کا آغاز سہ پہر کے وقت ٹھیک تین بجے ہوا۔ ریفری نے میچ شروع کرنے کے لیے سیٹی بجائی۔ دونوں ٹیموں کے سنٹر فارورڈ میدان کے مرکز میں آمنے سامنے آ گئے اور تالیوں کی گونج میں کھیل کا آغاز ہو گیا۔ گوجرہ کے کھلاڑیوں نے شروع ہی سے

جارحانہ انداز اپنایا۔ ہمارے کھلاڑی میچ کے شروع میں قدرے سست تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان میں بھی تیزی آتی گئی۔ دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں میں گویا عقابانی روح بیدار ہو گئی اور انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف تابڑ توڑ حملے کرنے شروع کر دیے۔ دونوں ٹیموں کے کھلاڑی تندرست و توانا اور چاق چو بند تھے۔ ہماری ٹیم کی فارورڈ لائن کم زور تھی لیکن ہمارا دفاع بہت مضبوط تھا۔ یہی وجہ تھی کی گوجرہ کی ٹیم کی گول کرنے کی ہر کوشش کو ہمارے فل بیک اور گول کیپر نے ناکام بنایا۔ ہاف ٹائم سے دو منٹ پہلے ہماری مخالف ٹیم کا سنٹر فارورڈ ہمارے کھلاڑیوں کو چکھے دیتا ہوا گیند کو گول تک لے گیا۔ ہمارے گول کیپر نے حملہ بڑی مہارت سے بچا لیا لیکن گول پوسٹ سے واپس ہوتے ہی گیندان کے رائٹ ان نے دیوبولی اور پلک جھپکتے ہی گول کر دیا۔ ہماری تو جیسے سچی گم ہو گئی لیکن مخالف ٹیم کے حامیوں نے دل کھول کر اپنے کھلاڑیوں کو داد دی۔ اس کے ساتھ ہی ہاف ٹائم کی سیٹی بج گئی۔

وقفے کے دوران میں کھلاڑیوں کو دودھ، سب اور کیلے پیش کیے گئے اور ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ دس منٹ کے وقفے کے بعد کھیل دوبارہ شروع ہو گیا۔ ٹیموں نے میدان میں اپنی سائیز تبدیل کرنی تھیں اور ساتھ ہی ان کے حمایتی بھی اپنی نشستیں تبدیل کرنے لگے۔ دوسرا ہاف بڑے جوش و خروش سے شروع ہوا۔ ہمارے کھلاڑیوں نے اس ہاف کا جارحانہ آغاز کیا۔ ہماری فارورڈ لائن نے بار بار گول کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ مل سکی۔ اسی اثنا میں مخالف ٹیم کے سنٹر فارورڈ نے گیند کو اپنے قابو میں کیا اور بال اپنے قابو میں کر کے ہماری ٹیم کے چار کھلاڑیوں کو چکمہ دیتے ہوئے ایک اور گول کر دیا۔ اب تو ہمارے اپنے حوصلے پست ہونے لگے لیکن ہمارے کھلاڑیوں نے ہمت نہ ہاری۔ ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ ہماری ٹیم کو ایک پینلٹی کا زملہ گیا جس کے نتیجے میں ہمارے فل بیک ماجد رشید نے گول کر دیا۔ ہماری جان میں جان آئی اور ہم نے بھرپور تالیوں سے اپنے کھلاڑیوں کا حوصلہ بڑھایا۔ کچھ لمحوں بعد ہمارے سنٹر فارورڈ عبداللہ نے ایک اور تیز حملہ کیا، مخالف ٹیم کے کھلاڑی کا ان کے گول پوسٹ کے قریب فاول ہو گیا تو ریفری نے پینلٹی اسٹروک کے لیے سیٹی بجا دی۔ اب تو ہمیں یقین ہو گیا کہ میچ برابر ہو جائے گا اور یہی ہوا۔ ہمارے فل بیک ماجد رشید نے دوسرا گول کر کے میچ برابر کر دیا۔ داؤد حسین کے لیے طلبہ نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ مخالف ٹیم کے کھلاڑی پریشان نظر آنے لگے۔ انھیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ کالج کی ٹیم ایسا کھیل بھی پیش کر سکتی ہے! شاید ان کا حد سے بڑھا ہوا اعتماد انھیں لے ڈوبا تھا۔ میچ اب اپنے عروج پر تھا اور اختتامی لمحوں قریب آ رہے تھے۔ ہمارے سنٹر ہاف امجد کے پاس گیند آیا تو اس نے کسی دوسرے ساتھی کھلاڑی کو پاس دینے کے بجائے خود آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ گیند کو اپنے قابو میں کرتا ہوا، مخالف کھلاڑیوں سے بچتا بچتا نہایت پھرتی سے مخالف ٹیم کے گول پوسٹ تک پہنچ گیا اور گول کیپر کو چکمہ دے کر گول کر دیا۔ پھر کیا تھا، ہنگامہ، شور، نعرے بازی، بھنگڑے۔ میچ پھر سے شروع ہوا۔ ہمارے کھلاڑی بھرپور دفاع کرنے لگ گئے۔

مخالف ٹیم کے کھلاڑیوں کے بھرپور حملوں کے باوجود گول نہ ہونے دیا۔ آخر کار ریفری نے میچ کے اختتام کی سیٹی بجاتی۔ باہر بیٹھے تمام طلبہ ہاکی کے میدان میں داخل ہو گئے اور خوشی سے اپنے کھلاڑیوں کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔ یوں ایک سنسنی خیز مقابلہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ یہ میچ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

## رُوداد نگاری کے لیے چند مجوزہ موضوعات

- |   |   |
|---|---|
| (۱) عید میلاد النبی خانقہ لئیبتنہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے جلوس کی رُوداد | (۶) کسی یادگار سفر کی رُوداد                      |
| (۲) کسی کتاب کی تقریب رونمائی کی رُوداد   | (۷) ہسپتال میں مریض کی عیادت کی رُوداد            |
| (۳) سال گرہ پارٹی کی رُوداد   | (۸) داخلے کے بعد کالج میں گزارے پہلے دن کی رُوداد |
| (۴) جلسہ تقسیم انعامات کی رُوداد  | (۹) یوم اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تقریب کی رُوداد   |
| (۵) سبزی منڈی سے خریداری کی رُوداد  | (۱۰) ایک کرکٹ میچ کی رُوداد                       |



## روزنامچہ

روزنامچہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی روزمرہ زندگی کا حساب لکھنے کی کتاب، نوٹ بک، ڈائری اور کھاتہ وغیرہ کے ہیں۔ اصطلاحاً روزانہ کے معمولات کو یادداشت کے طور پر تحریری ریکارڈ میں لانا روزنامچہ کہلاتا ہے۔



## روزنامچہ لکھنے کے لیے چند ہدایات

- |  |  |
|--|--|
| (۱) املا کی درستی کا خیال رکھیں۔       | (۳) روزانہ کے معمولات کے اہم نکات ضرور درج کریں۔ |
| (۲) روزنامچہ کی ابتدا تاریخ سے کریں۔   | (۵) اختصار اور جامعیت کو ملحوظ خاطر رکھیں۔       |
| (۳) زبان سادہ اور عام فہم اختیار کریں۔ | (۶) زمانی و مکانی ترتیب برقرار رہے۔              |



## ① ایک ڈاکٹر کا روزنامچہ

۸ جنوری ۲۰۰۰ء

میں آج صبح ۵:۳۰ بجے اٹھا۔ نماز فجر ادا کی اور سیر کے لیے جناح باغ کو روانہ ہوا۔ تازہ اور ٹھنڈی ہوا سے دل و دماغ کو بہت سکون ملا۔ گھر واپس آ کر پانی پیا اور دو ابلے ہوئے انڈے سمیت چائے کے ساتھ ناشتا کیا۔ ۹ بجے ہسپتال سے ایک مریض کے آپریشن کے لیے کال آئی۔ میں جلدی سے تیار ہوا اور فوراً ہسپتال پہنچا، مریض کو آپریشن تھیمٹر میں منتقل کروایا اور اس کا اپنڈیکس کا

آپریشن کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کام احسن انداز سے مکمل ہوا۔ بعد میں وارڈ کا وزٹ کیا اور اسٹاف کو ضروری ہدایات دیں۔ پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ نماز ظہر ہسپتال کی مسجد میں باجماعت ادا کی۔ اتنی دیر میں گھر سے دوپہر کا کھانا آچکا تھا۔ کھانا کافی تھا، اس لیے اپنے اسٹنٹ اشرف علی کو بھی مدعو کر لیا اور ہم دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ اسی اثنا میں ایمر جنسی وارڈ میں ایک شدید زخمی کو لایا گیا جسے راہ زنی کے دوران میں تین فائر لگے تھے۔ میں فوراً ایمر جنسی وارڈ کی جانب دوڑا اور عملے کو بغیر وقت ضائع کیے اسے آپریشن تھیٹر میں لانے کا کہا۔ میں نے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے اس کا آپریشن شروع کیا لیکن میری بھرپور کوشش کے باوجود وہ جاں بر نہ ہو سکا کیوں کہ ایک گولی اس کے سینے میں دل کو چھو گئی تھی۔ مجھے اس کی موت کا بہت افسوس ہوا لیکن قدرت کو یہی منظور تھا۔ مریض کے لواحقین بھی اس کی الم ناک موت پر بہت غم زدہ تھے۔ میں سر جھکائے خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ ڈیوٹی کا وقت ختم ہوا تو میں گھر واپس آ گیا۔ بیوی بچوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا، تھوڑی سی چہل قدمی کی اور نماز عشا ادا کرنے کے بعد سو گیا۔



## ۲ لکڑی کے تاجر کا روزنامہ

یکم فروری ۲۰۰۰ء

معمول کے مطابق صبح اٹھا۔ باضوہو کر فجر کی نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے رزق حلال کے لیے دعا کی۔ بعد ازاں قرآن مجید کی کچھ آیات کی تلاوت کی۔ بچوں کے ساتھ ناشتا کیا، انھیں ان کے سکولوں میں چھوڑا اور لکڑ منڈی کو روانہ ہو گیا۔ رات کو میرے گودام پہ جو لکڑی آئی تھی اس کا بغور جائزہ لیا اور اسے ریکارڈ میں لکھ لیا۔ اس کے بعد گودام سے ملحق اپنی دکان میں بیٹھ گیا۔ ایک دو گاہک آئے لیکن انھیں کوئی بھی لکڑی پسند نہ آئی۔ دوپہر تک اور کوئی گاہک نہ آیا۔ اسی اثنا میں پڑتل اور دیار کی لکڑی کے دو اور ٹرک آ گئے۔ مارکیٹ میں اس لکڑی کی بہت مانگ ہے اس لیے لکڑی اترتے ہی تین چار گاہک آ گئے۔ ان میں سے ایک گاہک کو دیار کی لکڑی درکار تھی اور وہ بھی زیادہ مقدار میں۔ اس نے پورے ٹرک ہی کا سودا کر لیا۔ میں دل ہی دل میں بہت خوش ہوا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد دو تین اور گاہکوں نے بھی تھوڑی تھوڑی خریداری کی۔ شام کو میں خوش خوش گھر لوٹا۔ رات کے وقت بیوی بچوں کو شاپنگ کروائی۔ ان کے چہروں پر بکھری مسکراہٹ سے مجھے بہت راحت ملی۔ واپس آ کر سب کے ساتھ مل کر رات کا کھانا کھایا، تھوڑی سی سیر کی اور نماز عشا ادا کرنے کے بعد بسترِ راحت پر دراز ہو گیا۔



### ۳ ایک معلم کا روزنامہ

۱۸ مارچ ۲۰ء

میں صبح سویرے اٹھا، فجر کی نماز ادا کی اور قرآن کریم کی کچھ آیات کی تلاوت کی۔ اس کے بعد میں صبح کی سیر کے لیے پارک کی طرف روانہ ہوا۔ ایک گھنٹا سیر کرنے کے بعد میرا جسم تروتازہ ہو گیا۔ میں نے گھر آ کر اس سبق کی منصوبہ بندی کی جو آج میں نے طلبہ کو پڑھانا تھا۔ اس کے بعد میں نے ناشتا کیا اور کالج جانے کے لیے تیار ہوا اور اپنی موٹر سائیکل پر کالج کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک سٹیشنری کی دکان پر رک کر میں نے بورڈ مارکر خریدی اور کچھ دیر بعد کالج پہنچ گیا۔ حسب معمول رجسٹر حاضری پر دستخط کیے، رفٹائے کار سے علیک سلیک ہوئی اور اسٹاف روم میں بیٹھ کر اخبار پڑھا۔ میرا پہلا لیکچر گیا رھو میں جماعت میں تھا۔ میں کتاب اور بورڈ مارکر لے کر جماعت میں داخل ہوا تو تمام طلبہ نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا۔ سلام دعا کے بعد میں نے ان کی حاضری لگائی اور تدریس کا آغاز کیا۔ آج کا سبق فیض احمد فیض کی غزل کی تشریح تھی، جس کا مطلع تھا:

نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش دل ریزہ ریزہ گنوا دیا

جو بچے ہیں سنگ سمیت لوتن داغ داغ لگا دیا

یہ شعر اور دوسرے اشعار طلبہ کی سمجھ سے باہر تھے اس لیے میں نے فکری اور فنی لحاظ سے مطلع سمیت ہر شعر کی مکمل وضاحت کی۔ اب ان کے رد عمل سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ نہ صرف مطلع بلکہ پوری غزل کا مفہوم سمجھ گئے ہیں۔ میں نے سبق کے اختتام پر طلبہ کے سوالوں کے جواب بھی دیے۔ اس کے بعد گیا رھو میں جماعت کے ایک اور سیکشن میں بھی یہی سبق اسی طور پڑھایا۔ دو پیریڈ پڑھانے کے بعد میں اسٹاف روم میں واپس آ گیا۔ تھوڑی سی تھکاوٹ محسوس ہوئی تو ایک کپ چائے بنا کر پی اور ساتھ میں بسکٹ بھی کھائے۔ اس وقفے کے بعد بارھویں جماعت کو مزید دو لیکچر دیے۔ کالج سے چھٹی ہوتے ہی میں گھر پہنچا۔ گھر پہنچ کر میں نے کھانا دانا کھایا اور کچھ دیر آرام کیا۔ آرام کرنے بعد کچھ وقت اہل خانہ کے ساتھ گزارا۔ روزانہ کے معمول کے مطابق بیٹے اور بیٹی کے ہوم ورک میں ان کی رہنمائی کی اور ان کی کامیابیوں کا معائنہ کیا۔ ایک بار پھر چائے پی۔ مغرب کی نماز مسجد میں ادا کی اور واپس آ کر رات کا کھانا تناول کیا۔ عشا کی نماز کے بعد گھر کے باہر چہل قدمی کی اور واپس آ کر سو گیا۔



### ۳ شاعر کا روزنامہ

۲۱ اپریل ۲۰۰۰ء

آج معمول سے ہٹ کر نور کے تڑکے ہی آنکھ کھل گئی۔ وضو کر کے نماز تہجد ادا کی۔ ماحول بہت خوش گوار تھا، ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں فجر کی اذان کے انتظار میں دوبارہ بستر میں آلیٹا۔ دور کسی مسجد سے نعتیہ اشعار پڑھنے کی صدا آنے لگی۔ میں نے کان لگا کر توجہ سے پوری نعت سنی، جس نے مجھے بھی نعت گوئی کی تحریک دی۔ نعت کے دو اشعار کی آمد ہوئی تھی کہ فجر کی اذان شروع ہو گئی۔ اٹھ کر دو رکعت سنت گھر ہی میں ادا کی اور فرض نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد چلا گیا۔ مسجد سے واپسی پر مزید نعتیہ اشعار کی آمد ہو رہی تھی۔ گھر پہنچ کر تمام اشعار کو اپنی ڈائری میں لکھ لیا۔ میں دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہا تھا کہ دن کا آغاز خوب صورت نعت سے ہوا ہے۔ ناشتے کی میز لگی تو بے خودی میں یہ نعت وہیں اپنے بیوی بچوں کو سنائی اور یوں وہ سب میری نعت کے پہلے سامعین تھے۔ اتفاقاً آج بزم معین ادب کے زیر اہتمام ایک نعتیہ نشست بھی منعقد ہوئی تھی۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ وہاں بھی یہی نعت پیش کروں گا۔ دوپہر کے وقت محفل میں پہنچا، نعت کی شان نزول بیان کی اور شرکا کے روبرو پیش کر دی۔ تمام شرکائے محفل نے دل کھول کر داد دی۔ انتظامیہ نے کھانے کا بھی بندوبست کیا ہوا تھا۔ دیگر شعرا کے ہمراہ کھانا کھایا اور گھر لوٹا۔ نماز ظہر کے بعد تھوڑی دیر آرام کیا۔ سہ پہر کے وقت سٹر منڈی روزانہ کی نوکری کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اپنی منشی کی نشست پر بیٹھا، رجسٹر کھولے اور رات گئے تک حساب کتاب میں مجبور ہوا۔ اس عرصے میں رات کا کھانا کھایا اور دو مرتبہ چائے پی۔ رات کو واپسی ہوئی تو راستے سے امرود اور مالے خریدے، انھیں موٹر سائیکل کے بینڈل پہ لٹکایا اور گھر پہنچ گیا۔ بچے سو چکے تھے۔ بیوی نے دروازہ کھولا اور استقبال کیا۔ تھوڑا سا پھل کھایا اور ڈائری کھول لی۔ صبح والی نعت ”مدحت گری میں اوج ہنر دیکھتا رہا“ پھر سے پڑھتے پڑھتے میری آنکھ لگ گئی۔



### ۵ شادی کی تقریب کے متعلق روزنامہ

۳۰ نومبر ۲۰۰۰ء

آج میرے سگے بڑے بھائی محمد صہیب رومی کی شادی تھی۔ میں نے کالج سے تین دن کی رخصت لے رکھی تھی۔ کل رات مہندی کی رسم میں سہیلیوں کے ساتھ بلا گلا کرتے کرتے تھک کر پور ہو چکی تھی لیکن صبح سویرے اٹھنا بھی تھا۔ مہمانوں کی دیکھ بھال، ان کے ناشتے کا بندوبست، صفائی ستھرائی کی نگرانی، ڈلہا کے کمرے کی تیاری اور برات کے ساتھ روانگی کی تیاری، کتنے ہی ایسے کام تھے۔ خواتین کے بیٹھنے کا انتظام گھر کے اندر تھا جب کہ مرد حضرات باہر شامیانے میں موجود تھے۔ میں نے اتنی کے ساتھ مل کر

خواتین کو ناشتا کرایا اور اُبونے اپنی نگرانی میں باہر مردوں کو ناشتا دیا۔ خالہ، پھوپھو، چچا زاد، ماموں زاد بہنیں اور سہیلیاں پہلے ہی تیار ہو کے آئی تھیں اس لیے انھیں ناشتا پیش کرنے کے فوراً بعد میں بھی تیار ہو گئی۔ جلد ہی دُلہے میاں کی سہرا بندی کی تقریب شروع ہو گئی۔ تمام عزیز واقارب نے اسے خوشی خوشی سلامی اور سلامتی کی دعائیں دیں۔ برات لاہور کے لیے روانہ ہوئی تو میں دُلہا کی کار میں بیٹھی۔ دلہن والوں نے ہمارا شان دار استقبال کیا۔ سب سے پہلے نکاح ہوا اور دعائے خیر کی گئی۔ اس کے بعد سب کو چھوٹی چھوٹی ڈبیوں میں چھوہارے، بادام اور ٹافیاں پیش کی گئیں۔ دلہن والوں نے پہلے ہر میز پر مشروبات پیش کیے پھر مزے دار کھانا پیش کیا جسے سب نے جی بھر کر کے کھایا۔ کھانے کے بعد شان دار سہز چائے سے بھی تواضع کی گئی۔

سہ پہر کے بعد رخصتی کا وقت ہو گیا۔ دُلہا اور دلہن کار میں سوار ہوئے۔ ہم رات کو آٹھ بجے گھر پہنچے۔ دُلہا دلہن کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ میں بہت تھک گئی تھی۔ گھر آ کر میں نے کپڑے تبدیل کیے۔ کچھ وقت رشتہ داروں اور مہمانوں کے ساتھ گزارا۔ ان کے ساتھ رات کا کھانا کھایا۔ مہمانوں کے ساتھ آئے ہوئے بچے بہت شور کر رہے تھے جس کی وجہ سے میں دیر تک سو نہیں پائی۔ میری آنکھ کب جھپکی اور کب مجھے نیند نے آیا، پتا ہی نہ چلا۔

## ۶ مطالعاتی دورے کا روزنامہ

۱۵ دسمبر ۲۰۰۰ء

آج ہمارے کالج کی طرف سے لاہور کے شاہی قلعے اور بادشاہی مسجد کے مطالعاتی دورے کا انتظام کیا گیا تھا۔ میں صبح سویرے اٹھا، یونیفارم پہنی اور سات بجے کالج کے لیے روانہ ہو گیا۔ کالج پہنچا تو پتا چلا کہ روانگی کے لیے بس تیار ہے اور میری جماعت کے تمام طلبہ اس میں سوار بھی ہو چکے ہیں، مجھے بھی آخری سیٹ پر کھڑکی کے ساتھ جگہ مل گئی۔ ابھی ساتھیوں کے ساتھ سلام دعا ہی ہوئی تھی کہ بس چل پڑی۔ میرے پاس کچھ خشک میوے تھے جب کہ یار دوست بھی سفر میں کھانے کے لیے کچھ چیزیں ساتھ لائے ہوئے تھے۔ ہماری بس ڈیرہ غازی خان سے ملتان نئی بنی ہوئی شاہراہ پر رواں دواں تھی۔ اس سفر کا دورانیہ تقریباً دو گھنٹے تھا۔ آدھے راستے میں دوستوں نے کھانے پینے کی چیزیں نکالیں اور میں نے بھی خشک میوے نکالے۔ ہمارے ساتھ دو پروفیسر اشکر فاروقی صاحب اور ڈاکٹر سید علی جتوئی صاحب بھی تھے، میں نے پہلے انھیں چائے پوزے اور کاجو پیش کیے۔ ساتھ بیٹھے ہوئے دوستوں کو بھی وضع داری دکھائی اور خود بھی ان کی چیزوں سے لطف اندوز ہوا۔ چار گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم لاہور کی حدود میں داخل ہوئے اور اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ سب سے پہلے شاہی قلعہ دیکھنے کو ملا۔ شاہی قلعہ میں ہماری چال ڈھال بھی شاہانہ تھی۔ ہم چشم تصور سے بادشاہوں کی جاہ و حشمت کا نظارہ کر رہے تھے۔ شیش محل دیکھنے کا بہت مزہ آیا۔ میں نے وہاں بہت سی تصاویر بنائیں۔ اس کے بعد ہم بادشاہی مسجد گئے۔ وہاں رکھے ہوئے تہزکات کی زیارت کی اور نماز ادا کی۔ اس کے بعد دوبارہ بس میں سوار ہوئے اور خلاف توقع ہمارے اساتذہ کرام ہمیں

سوز و اثر پارک اور واگہ بارڈر بھی لے گئے جہاں ہم نے پرچم اتارنے کی شاندار تقریب دیکھی۔ پھر واپسی کا سفر شروع ہوا۔ تمام طلبہ کو کالج تک حفاظت سے پہنچایا گیا۔ میں گھر آیا، کھانا کھایا، تھوڑی سی چہل قدمی کی اور بستر پر لیٹ گیا۔



### روزنامچے کے لیے چند مجوزہ موضوعات

- |                               |                                  |
|-------------------------------|----------------------------------|
| (۱) ایک نجومی کارونامچہ       | (۷) ایک انتظامی افسر کارونامچہ   |
| (۲) ایک تاجر کارونامچہ        | (۸) ایک سیاست دان کارونامچہ      |
| (۳) ایک ریلوے آفیسر کارونامچہ | (۹) ایک وکیل کارونامچہ           |
| (۴) ایک بیج کارونامچہ         | (۱۰) ایک اخباری رپورٹر کارونامچہ |
| (۵) ایک فن کار کارونامچہ      | (۱۱) ایک مصور کارونامچہ          |
| (۶) ایک کلرک کارونامچہ        | (۱۲) ایک صنعت کار کارونامچہ      |



## مضمون نویسی

مضمون عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ضمن میں لیا ہوا کے ہیں یعنی کسی صنفِ سخن کے ضمن میں وہ متن، وہ تحریر یا وہ عبارت جو کسی خاص بحث پر مشتمل ہو۔ گویا کسی خاص موضوع پر بحث کو ضابطہ تحریر میں لانا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔ اصنافِ سخن میں مضمون نویسی نثر کی ایک ایسی صنف ہے جس میں کسی بھی موضوع پر اظہارِ خیال کیا جاسکتا ہے۔ مضمون کو بالعموم درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ معلوماتی مضامین	۲۔ واقعاتی مضامین	۳۔ استدلالی مضامین
۴۔ سائنسی مضامین	۵۔ مزاحیہ مضامین	۶۔ تاریخی مضامین
۷۔ بیانیہ مضامین	۸۔ سوانحی مضامین	۹۔ جغرافیائی مضامین

مضمون نویسی میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس موضوع پر آپ لکھ رہے ہیں، اس کے بارے میں آپ کے پاس کتنی معلومات ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار کس طرح کرتے ہیں۔ اس کی ترتیب میں ابتدائی کے طور پر سب سے پہلے موضوع کا انتخاب اور اس کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ مضمون کا یہ حصہ نہایت جامع مگر مختصر ہونا چاہیے اور ایسا دل نشین اسلوب اپنانا چاہیے کہ اس کے پڑھنے کے بعد قاری نہ صرف نفسِ مضمون سے ایک حد تک آگاہ ہو جائے بلکہ اس کے دل میں پورا مضمون پڑھنے کا تجسس پیدا ہو۔

نفسِ مضمون موضوعِ بحث کا مرکزی اور سب سے اہم حصہ ہوتا ہے۔ مضمون نگار پر لازم ہے کہ وہ اپنے خیالات کو ایک خاص ترتیب کے مطابق اقتباسات کی صورت میں لکھے۔ مشکل الفاظ اور غیر ضروری تراکیب سے اجتناب کرے البتہ جہاں ضروری ہو غیر محسوس طریقے سے تشبیہات، اشعار، ضرب الامثال، مشابہت کے قول اقوال، احادیث اور قرآنی آیات کے حوالہ جات سے بھی کام لے۔ الماد و انشا افلاط سے پاک ہو جب کہ حسن اسلوب مد نظر رہنا چاہیے۔ موضوعِ سخن کے مطابق تائید یا تردید میں بحث اور دلائل کے بعد مضمون کے آخر میں نتیجہ پیش کیا جاتا ہے۔

اختتامی حصے میں تمام تفصیلات کو سمیٹ کر چند سطروں میں بیان کرنا چاہیے۔ مضمون کا خاتمہ ایسا پر اثر اور جان دار ہونا چاہیے کہ موضوع کے تمام ضروری نکات قاری کی نظروں کے سامنے آجائیں۔ مضمون لکھتے وقت درج ذیل امور کو مد نظر رکھنا ضروری ہے:

- (۱) الماد درست ہو۔
- (۲) خوش خطی کا خاص خیال رکھیں۔
- (۳) جملوں کی ساخت درست ہو۔
- (۴) خیالات کا انتخاب موضوع کے مطابق ہو۔
- (۵) زمانی اور مکانی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہو۔
- (۶) کسی بات کو بار بار نہ دہرایا جائے۔
- (۷) صرف وہی بات لکھی جائے جس کا آپ کو صحیح علم ہو۔
- (۸) افعال اور رموز و اوقاف کی علامات کا استعمال درست ہو۔



## ① سیرتِ طیبہ ﷺ

وہ دانائے سُبُل، ختم الرُّسُل، مولائے کُل، جس نے  
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ربّ کائنات نے انسانیت کے لیے ہدایت کا آخری اور مکمل ترین سرچشمہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اور بعثت سے ایک نئے دور کا آغاز اور تاریخ کی ایک نئی جہت کا تعین ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ہم تاریخ میں آپ ﷺ سے پہلے اور بعد کے زمانوں کا تقابل کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد انسانیت کلیتاً ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔ ایک ایسا دور جس میں شعور و آگہی، تہذیب، ثقافت اور اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ اور استحکام کی وہ نظیریں ملتی ہیں جن کا آپ کی آمد سے پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سب ختم نبوت کا وہ ابدی فیضان تھا جو آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے ذریعے سے عالمِ انسانیت میں جاری و ساری ہوا۔

قرآن مجید میں واضح طور پر ہدایتِ ربانی کو اطاعتِ رسول ﷺ سے مشروط قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔“ (سورۃ النور، آیت: ۵۳) یہاں ہدایت کو اطاعتِ رسول ﷺ پر موقوف قرار دے کر یہ حقیقت بیان کر دی گئی ہے کہ سیرت و سنتِ نبوی ﷺ کو اپنے اوپر لازم کیے بغیر دنیا و آخرت میں کامیابی کی کوئی اور سبیل نہیں۔ بقول شاعر:

جو کرنی ہے جہاں گیری، محمدؐ کی غلامی کر

عرب کا تاج سر پہ رکھ خداوندِ عجم ہو جا

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو لوگوں کے لیے اخلاقِ حسنہ کا اعلیٰ اور مکمل نمونہ بنایا اور پوری کائناتِ انسانی میں فقط آپ ﷺ کی ذات وہ نمونہ ہے جس سے ہر عمر، ہر طبقہ اور ہر دور کے لوگ زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں، اس لیے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اسوۂ حسنہ یعنی بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

قرآن مجید نے بہ صراحت یہ اعلان کر دیا ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت ہی اطاعتِ الٰہی ہے۔

مزید یہ کہ احکامِ قرآنی کی تفصیلات و جزئیات بھی سیرتِ نبوی ﷺ ہی نے فراہم کی ہیں ورنہ ان احکام کی تعمیل بھی ناممکن ہو جاتی۔ جیسا کہ قرآن مجید نے بار بار نماز ادا کرنے کا حکم دیا، مگر نماز ادا کرنے کا طریقہ نہیں بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو اسی طرح پڑھا کرو۔“ (بخاری صحیح: ۲۰۰۸)

اس طرح زکوٰۃ، حج، روزہ کے احکام اور سفر کی نماز وغیرہ کی تفصیلات بھی ہمیں آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کی سیرت ہی سے ملتی ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے معاملات زندگی سراسر احکام شریعت ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کی خلوت و جلوت، آپ ﷺ کے شب و روز، آپ ﷺ کی حرکت و سکون، آپ ﷺ کی نشست و برخاست، لین دین، کلام و سکوت کا بغور مشاہدہ کرتے اور آنکھیں بند کر کے آپ ﷺ کی اتباع میں لگے رہتے حتیٰ کہ دوران نماز قبلہ کی تبدیلی کے وقت بھی ایک لمحہ تو وقف کیے بغیر بیت المقدس سے ٹھہر کر حضور ﷺ کی پیروی کر لی اور اپنی دولتِ ایمان میں اضافہ کر لیا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت ہر مسلمان کے ایمان کی بنیاد ہے۔ ایک حدیث پاک ہے: ”تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُسے اُس کے والدین، اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔“ گویا محبت رسول ﷺ ایمان کی شرطِ اول ہے، اس کے بعد ہی اطاعت اور اعمال کا دروازہ کھلتا ہے۔

قرآن کریم نے بھی آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی گواہی دی ہے: ”اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہیں۔“ (سورۃ القلم، آیت: ۴)

حضور ﷺ کے خلقِ عظیم کی مثالیں سیرتِ طیبہ کی کتب میں خوشبو کی طرح بکھری ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ”بے شک میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔“ (بحوالہ الموطا ص: ۷۶)

مہی رحمت ﷺ اپنے اہل و عیال اور نواسوں سے بے پناہ محبت فرماتے۔ یتیموں کے سر پر دستِ شفقت رکھتے، مہمانوں کی خدمت خود اپنے ہاتھوں سے کرتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے، محتاجوں کی مدد فرماتے، بیماروں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ آپ ﷺ نے انسانوں کو غلام بنانے کی رسم کا خاتمہ کیا، انحضرت اور بھائی چارے کی بنیاد رکھی۔ دورِ جاہلیت میں عورت کی کوئی عزت و توقیر نہ تھی۔ وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے عورت کو اس کے ہر روپ میں توقیر بخشی۔ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا کھڑے ہو کر استقبال کرتے۔ یہ عزت افزائی صرف اپنی بیٹی تک محدود نہیں تھی۔ ایک دفعہ عرب کے مشہور سردار حاتم طائی کی بیٹی آپ ﷺ کی خدمت میں لائی گئی تو آپ ﷺ نے مثالی حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو والدین اپنی بیٹیوں کی صحیح پرورش اور تعلیم و تربیت کرتے ہیں اور ان کی شادی کر کے اپنے فرائض پورے کرتے ہیں، وہ جنت میں میرے ساتھ یوں کھڑے ہوں گے جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں۔ (بحوالہ صحیح مسلم) حضور ﷺ نے عورت کو ایک ماں کی حیثیت سے اس کے قدموں تلے جنت کی نوید سنا کر وہ عزت اور کرم بخشی جو کسی اور معاشرے یا مذہب میں نہیں۔ گویا آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ ایک بہترین اور مثالی معاشرتی زندگی کے شان دار اصولوں کا مرقع ہے جس سے تمام نوع انسان فیض یاب ہو رہی ہے۔

حضور ﷺ کی ہستی نہ صرف مسلمانوں کے لیے رحمت ہے بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی صلہ رحمی اور عفو و درگزر کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے حقوق، جان و مال کا تحفظ اور ان کی مذہبی روایات کا احترام مسلمانوں کے لیے لازم قرار دیا ہے اور انھیں ان کے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی مکمل آزادی بخشی ہے۔

محسن انسانیت ﷺ نے بنی نوع انسان کے لیے عفو و درگزر، برداشت، ایثار، حکمت اور رواداری کے اعلیٰ ترین نمونے پیش کیے جو ہر دور کے لوگوں کے لیے مثالی ہیں۔ اسلام سے قبل فاتح لشکر کے لیے مفتوح قیدیوں کو قتل کر دینا اور لوٹ مار کرنے کا عام رواج تھا۔ آپ ﷺ نے ان فوجی رسوم کو ختم کیا، قیدیوں اور شکست خوردہ لشکر کے لیے آفاقی قوانین متعارف کرائے۔ دوران جنگ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ سرسبز درختوں، فصلوں اور پانی کے چشموں کو نقصان پہنچانے سے بھی منع فرمایا اور فاتح لشکر کے لیے حکم دیا کہ وہ لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہوں اور نہ ہی کسی کھلے دروازے سے اندر جھانکیں۔ آپ ﷺ سب سے بڑھ کر دشمن کو معاف کرنے والے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے مشرکین مکہ کے لیے عام معافی کا اعلان فرمایا کہ سب کو اپنے گھروں میں رہنے کی اجازت دے دی۔

اللہ کے رسول ﷺ انسانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ جانوروں کے لیے بھی سراپا رحمت ہیں۔ آپ ﷺ نے جانوروں پر ظلم کرنے اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے سے منع فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی چیز یا کھونسے کو بھی نقصان پہنچاتا تو حضور ﷺ ناراضی کا اظہار فرماتے۔

سیرت طیبہ ہر خاص و عام، اعلیٰ و ادنیٰ اور ہر گوشہ حیات کے لیے ہدایت کا بہترین نمونہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی دنیا و آخرت کو خوب صورت بنا سکتے ہیں۔ پوری انسانیت کے مسائل کا حل سیرت طیبہ کی اتباع میں پوشیدہ ہے۔



## ۲ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور دو قومی نظریہ

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر  
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

دو قومی نظریہ سے مراد یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان میں دو بڑی قومیں رہتی تھیں۔ یہ قومیں ہندو اور مسلم تھیں۔ یہ دونوں قومیں  
سیکڑوں سال تک ایک دوسرے کے ساتھ رہی ہیں لیکن اپنے مخصوص مذہبی اور منفرد معاشرتی نظاموں کی وجہ سے باہم ایک دوسرے  
میں ضم نہیں ہو سکیں۔

دو قومی نظریہ محض برصغیر تک محدود نہیں ہے۔ تاریخ نے ہمارے سامنے کئی مثالیں پیش کی ہیں جیسے برطانیہ اور آئرلینڈ کی  
یونین، چیکو سلواکیہ اور پولینڈ کی آزادی۔ تاریخ نے ہمیں بہت سے جغرافیائی خطوط بھی دکھائے ہیں جو برصغیر پاک و ہند سے بہت  
چھوٹے تھے، جنہیں بصورت دیگر ایک ملک کہا جاسکتا تھا لیکن وہ سات یا آٹھ خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہوئے۔ اسی طرح پرنگالی  
اور ہسپانوی بھی جزیرہ نما خطے میں علیحدہ علیحدہ موجود ہیں۔

۱۸۶۷ء میں اردو ہندی تنازع اور ۱۸۸۵ء میں کانگریس کی بنیاد سے لے کر ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام تک  
ہندو تو اتعصب دو قومی نظریے کا سب سے بڑا محرک ثابت ہوا جس کا باقاعدہ اعلان ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے الہ آباد والے (میں  
منعقدہ جلسے میں) اجلاس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) بنانے کی تجویز کی صورت  
میں کیا۔ ان کے الفاظ تھے:

”برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے الگ مملکت قائم کر دی  
جائے کیوں کہ دونوں اقوام کا ایک جا رہنا ناممکن ہے اور نہ ہی یہ ایک جا ہو کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ الہ آباد  
میں گنگا و جمنہ کا پانی جس طرح الگ الگ نظر آتا ہے، اسی طرح یہ دونوں اقوام اکٹھی رہنے کے باوجود  
شناخت میں الگ الگ ہیں۔ ہندوستان کے مسئلے کے حل کے لیے علیحدہ قومیت کا وجود ناگزیر  
ہے۔ ہندوستانی معاشرے کی اکائیاں یورپی ممالک کی طرح علاقائی نہیں۔ یہ محض مختلف مذاہب سے تعلق  
رکھنے والی مختلف نسلوں پر مشتمل انسانی گروہوں کا ہے۔ الگ الگ قومیتی گروہوں کو تسلیم کیے بغیر پورے  
جمہوری اصول کا اطلاق ہندوستان پر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مسلمانوں کا یہ مطالبہ جائز ہے کہ ہندوستان کے  
اندر مسلم انڈیا کا قیام عمل میں لایا جائے۔“

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا:

”میری خواہش ہے کہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے صوبوں کو ملا کر ایک الگ ریاست بنا دی

جائے۔ برطانوی سلطنت کے اندر یا باہر خود مختار حکومت مجھے شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کا مقدر دکھائی دیتی ہے۔“

یہ دو قومی نظریہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے روشنی کا ایسا مینارِ ثابِت ہوا جو بعد میں تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کا باعث بنا۔ قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی دو قومی نظریے کے حامی اور قائل تھے۔ ۱۹۳۰ء کی پہلی گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اب ہم ایک ایسے مقام پر آ پہنچے ہیں جہاں اگر میں یہ نہ بتاؤں کہ مسلمانوں کا موقف کیا ہے تو میں اپنے فرض سے غفلت برتوں گا۔ میں واشگاف الفاظ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں، ہندو مسلم جھوٹا میں کوئی نیا دستور نافذ کرنے سے پہلے ایک ضروری اور ناگزیر اقدام ہے، ایک بنیادی شرط ہے، جب تک آپ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت نہ دیں جس کی بنا پر وہ حکومت ہند کے آئندہ دستور کے تحت مکمل سلامتی اور خود مختاری محسوس کرنے لگیں۔ جب تک آپ ان کا تعاون، خلوص اور رضامندی حاصل نہ کریں گے، اس وقت تک جو دستور بھی آپ ہندوستان کے لیے بنائیں گے، چوبیس گھنٹے بھی نہ چل سکے گا۔“

قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ جس وقت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دو قومی نظریے کے حامی و ہم نوا بنے تو یہ نظریہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت بن گیا اور بہ تدریج عوام و خواص میں مقبول ہوتا گیا۔ الہ آباد کے اجلاس کے چار سال بعد جب قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کی صدارت کا عہدہ مستقل طور پر قبول کیا تو انھوں نے ہندوستان کے اندر مسلم انڈیا کے قیام کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی باقاعدہ کوششیں شروع کر دیں۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مسلم لیگ کی طویل جدوجہد نے بتدریج دو قومی نظریے کی بنیاد اور اصولوں کے مراحل طے کیے۔ قراردادِ اولہ (پاکستان) ۲۳ مارچ ۱۹۳۰ء کو پیش ہوئی جس میں قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صدارتی خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:

”ہندو اور مسلمان دو علیحدہ مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں جو بالکل مختلف عقائد پر قائم ہیں اور مختلف نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔ دونوں اقوام کے ہیروز، رزمیہ کہانیاں اور واقعات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لہذا دونوں قوموں کو ایک لڑی میں پرونے کا مقصد برصغیر کی تباہی ہے کیوں کہ یہ برابری کی سطح پر نہیں بلکہ اقلیت اور اکثریت کے روپ میں موجود ہیں۔ برطانوی حکومت کے لیے بہتر ہوگا کہ ان دونوں قوموں کے مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے برصغیر کی تقسیم کا اعلان کرے جو کہ تاریخی اور مذہبی لحاظ سے ایک صحیح قدم ہوگا۔“

اسی اجلاس سے خطاب میں قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ ریاست یعنی پاکستان کو اپنی

منزل قرار دیا۔ ۱۹۴۴ء میں علی گڑھ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے، وطن اور نسل نہیں۔ ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں، زندگی گزارنے کا اپنا ایک اسلامی فلسفہ حیات اور زاویہ نگاہ ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کو تسلیم کرتی ہے۔“

قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی دو قومی نظریہ اور نظریہ پاکستان کے بارے میں سوچ بالکل واضح تھی۔ وہ دو قومی نظریہ کے قائل اور نظریہ پاکستان کے محرک اور اسے عملی صورت دینے کے لیے متحرک تھے۔ وہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا بہر صورت قیام چاہتے تھے اور اس کے لیے مسلسل کوشاں رہے۔ گاندھی سمیت بے شمار ہندو رہ نما آپت کے بدترین مخالف بن گئے۔ وہ کسی بھی صورت میں مسلمانوں کی الگ ریاست کا قیام اور اس کا مطالبہ روکنے کے لیے ہر حد سے تجاوز کرنے پر تلبے ہوئے تھے۔ ہندو رہنماؤں نے بے شمار حیلے بہانے تراشے اور عذر پیش کیے۔ گاندھی کے نظریات کے حامی ایک ہندو لیڈر راج گوپال اچاریہ نے قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے الگ وطن کے نظریے کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا:

”جناح کا مطالبہ اس طرح ہے جیسے دو بھائی ایک گائے کی ملکیت پہ جھگڑیں اور گائے کو دو حصوں میں تقسیم کر لیں۔“

قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ اپنے نظریات، خیالات، ارادوں اور مقاصد کے حصول کے لیے بہت سنجیدہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین بصیرت سے نوازا ہوا تھا۔ پختہ رائے اور قوت فیصلہ، ان کی شخصیت کا خاصا تھی۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کا حامی و ناصر ہے۔ وہ مطمئن تھے کہ قدرت نے پہلے ہی ہندوستان کو تقسیم کر رکھا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ ہندوستان کے نقشے پر مسلم اکثریت کے علاقے بہت واضح ہیں۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہ تو سیاسی بازیگری کے قائل تھے اور نہ منافقت ہی پسند کرتے تھے۔ ان کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ انہوں نے کبھی سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے بیانات نہیں دیے۔ وہ خوب سوچ کر بولنے کے عادی تھے اور جب کوئی سیاسی بیان دیتے تھے تو اس پر ڈٹ جاتے تھے۔ اپنے کسی سیاسی بیان سے وہ منحرف نہیں ہوتے تھے۔ ان کے مقابلے میں گاندھی تھے جو نت نئے بہروپ میں سامنے آتے۔ وہ قانون کی خلاف ورزی کر کے جیل جانا سیاسی ضرورت سمجھتے تھے۔ لیکن قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سیاسی زندگی میں کبھی قانون شکنی نہیں کی۔ اسی لیے انگریزوں کے دل میں یہ حسرت ہی رہی کہ وہ کبھی قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا سکیں۔ وہ مروج اصطلاح میں سیاسی رہنما نہ تھے جو لاکھوں پر مٹوں پر بک جاتے ہیں۔ ان کے منحنی جسم میں بڑی طاقتور روح تھی۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ سے خطاب میں فرمایا تھا:

”پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔“

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان سے لے کر ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء یعنی قیام پاکستان تک کا دورانیہ بظاہر بہت مختصر ہے لیکن اس دوران میں جو قربانیاں، جاں فشائیاں، پریشائیاں اور صعوبتیں قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ، تحریک پاکستان کے قائدین اور کارکنان کو برداشت کرنا پڑیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی گرتی ہوئی صحت کے باوجود نہایت استقامت سے اپنی قوم کی رہنمائی اور قیادت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ کرپس مشن، گاندھی کا ایک قومی نظریہ اور اس کے خطوط، دوسری جنگ عظیم کے آثار، سول نافرمانی کی تحریک، صوبائی اور مرکزی انتخابات، ہندوؤں اور انگریزوں کی ساز باز جیسے مسائل کے باوجود مسلمانوں کے لیے ایک آزاد وطن پاکستان کو معرض وجود میں لانا، صرف اور صرف قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ جیسی معجز نما شخصیت ہی کا کارنامہ ہے۔

۳ جون ۱۹۴۷ء کو پریس کانفرنس سے خطاب کے دوران میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مطالبہ مانتے ہوئے اعلان کیا کہ ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ریاست پاکستان کا قیام عمل میں لایا جائے گا اور ساتھ ہی برطانوی ہندوستان کی دو نئی سلطنتوں کے درمیان جغرافیائی تقسیم کا خاکہ بھی پیش کیا جسے ”۳ جون کا منصوبہ“ کہا جاتا ہے۔

اللہ کے فضل و کرم سے چشم فلک نے وہ دن بھی دیکھا کہ جب قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی اُن تھک محنت اور مسلسل جدوجہد رنگ لے آئی۔ تحریک پاکستان کے قائدین اور کارکنان کی بے مثال قربانیاں مراد پا گئیں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کا سورج آزادی کی نوید لے کر طلوع ہوا۔ دنیا کے نقشے پر اسلامی جمہوریہ پاکستان جلوہ فرما ہو گیا۔ دنیا کے بڑے بڑے قائدین اپنے کارناموں سے تاریخ تبدیل کرتے ہیں لیکن قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ وہ رہنما ہیں جنہوں نے تاریخ کے ساتھ ساتھ جغرافیہ بھی تبدیل کر کے دکھایا اور کروڑوں مسلمانوں کی تقدیر بدلتے ہوئے ایک اسلامی نظریاتی اور فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی۔

رہ کریم سے دعا ہے کہ ہمارا وطن تاقیامت سلامت رہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

خدا کرے کہ مری ارض پاک پر اترے  
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو



## ۳ پاکستان میں آبادی کے مسائل

اک اور کھیت چنی سڑک نے نکل لیا  
اک اور گاؤں شہر کی وسعت میں کھو گیا

پاکستان کے بڑے مسائل میں آبادی کی زیادتی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک ہماری آبادی کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ حالیہ مردم شماری ۲۰۲۳ء کے مطابق پاکستان کی آبادی ۲۴ کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔ آبادی کے اس اضافے کی وجہ سے ارض پاک کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔ قومی وسائل کا استعمال حد سے تجاوز کر چکا ہے۔ وسائل اور مسائل کا عدم توازن زندگی کے ہر شعبے میں نظر آتا ہے۔ بچوں اور بچیوں کی تعلیم کو لہجے۔ آج سکول، کالج اور یونیورسٹیاں طلبہ سے بھری پڑی ہیں لیکن فارغ التحصیل نوجوانوں کے پاس روزگار کے مواقع موجود نہیں۔ زراعت کے وسائل کو دیکھ لیں، ہماری تقریباً ستر فی صد آبادی دیہات میں ہے اور ہمارے ملک کا بنیادی ذریعہ آمدن زراعت ہے۔ اس کے باوجود چینی اور آٹے جیسی اجناس بھی ہمیں درآمد کرنی پڑتی ہیں۔ ریلوے کو دیکھ لیں، سوار ہونے کو جگہ نہیں ملتی، بسیں اور لوڈیوں کی نظر آتی ہیں اور ٹرانسپورٹ بھی اتنی زیادہ ہو چکی ہے کہ لوگوں کو ہر بڑی سڑک پر اکثر ٹریفک جام کا سامنا ہوتا ہے۔ سرکاری ہسپتال مریضوں سے بھرے پڑے ہیں، برآمدوں میں بھی گنجائش ختم ہو چکی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ مساجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے جائیں تو سڑکوں اور گلیوں میں نمازیوں کے لیے صفیں بچھی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

آبادی کی زیادتی نے آمدنی کے ذرائع کم کر دیے ہیں۔ کم آمدن کا اثر یقینی طور پر صحت، تعلیم، غذا اور ہر شعبہ حیات پر پڑ رہا ہے۔ بچوں کی صحت بہت خراب اور ناقص ہو چکی ہے۔ ان کے چہرے زرد، جسم کم زور، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں اور ہڈیاں باہر کونکلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ گرمی ہو یا سردی، ان کے بدن پر مناسب لباس نہیں ہوتا۔ دسمبر اور جنوری کی سخت سردی میں جسم ڈھانپنے کے لیے گرم لباس نہیں ہے۔ گھروں میں موجود بچوں کو، جن کا جسم بہ تدریج نشوونما کے مراحل میں ہوتا ہے، ضرورت کے مطابق خوراک نہیں ملتی۔ بچوں کی تعلیم و تربیت، ذہنی نشوونما اور جسمانی بالیدگی رک گئی ہے۔ ان کی پڑھائی کے لیے کتابیں، کاپیاں، سٹیشنری کا سامان، یونیفارم، صاف ستھرے لباس اور فیس کی ادائیگی کے لیے رقم میسر نہ ہے۔

تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی میں صرف یہی خرابی نہیں کہ لاکھوں کی تعداد میں بچے مناسب خوراک، لباس اور تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں بلکہ لاکھوں افراد کے قیام و طعام کا مسئلہ بھی شدت اختیار کر چکا ہے۔ ایک آٹھ مرلے کا مکان جو کبھی چار افراد پر مشتمل ایک فیملی کی ملکیت تھا، وہاں افراد کی تعداد آٹھ ہو گئی اور وہ چار فیملیز میں بٹ گیا تو جگہ دو دو مرلے رہ گئی۔ مکانوں میں گنجائش ختم ہو گئی اور لوگ نئی قیام گاہیں تعمیر کرنے کے لیے اضافی بستیاں بنانے میں لگن نظر آنے لگے۔ اضافی بستیاں، ناؤن اور کالونیاں اتنی بڑھ چکی ہیں کہ زیر کاشت رقبہ تیزی سے سکڑتا جا رہا ہے۔

سرکاری محکموں میں ملازمت کے مواقع ناپید ہو چکے ہیں۔ اس کا سبب بھی آبادی میں ناقابل یقین اضافہ ہے۔ کسی بھی ادارے میں چند خالی اسامیاں مشتہر ہونے کی دیر ہوتی ہے، نوجوانوں کا ایک جم غفیر اٹا آتا ہے۔ دو دو اسامیوں پر دو دو ہزار امیدوار جو تیاں چٹاتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ درجہ چہارم کی نوکری سے لے کر گزٹڈ آفیسر کی نوکری تک یہی عالم ہے۔ کھیتوں میں کام کرتے مزارع دیکھ لیجیے، جدید زرعی آلات نے ان کی ضرورت کم کر دی ہے اور بے ہنگم آبادی نے ان کی دست یابی بڑھادی ہے۔ وہ بے چارے جو ربیع اور خریف کی فصلوں کی کاشت اور کٹائی کر کے سال بھر کا اناج اکٹھا کر لیتے تھے، اب اس سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ صنعت کو دیکھ لیجیے، ہزاروں کاری گریساں کی صورت صبح سویرے گاؤں سے شہر کی طرف اور شام کو شہر سے گاؤں کی جانب رواں دواں نظر آتے ہیں، ان میں سے چند ایک خوش قسمت ہوں گے جنہیں کسی فیکٹری یا کارخانے سے باقاعدہ روزگار میسر ہو۔ شہروں کے محلوں اور بازاروں میں مزدوروں کی بے شمار ٹولیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ ایک مزدور کی ضرورت ہو تو بیسیوں گھیرا ڈال لیتے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟ یقیناً حد سے بڑھی ہوئی آبادی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ اس صورت حال میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟

آبادی کے اس گھبیر مسئلے کے دو ہی حل ہیں، یا تو وسائل آبادی کے مطابق ہو جائیں یا پھر آبادی وسائل کے مطابق ہو جائے۔ جہاں تک وسائل بڑھانے کی بات ہے تو اس کے لیے قیام پاکستان سے اب تک کوششیں جاری ہیں۔ وسائل کسی قدر بڑھے بھی ہیں تو ان سے کئی گنا بڑھتی ہوئی آبادی کی نذر ہو گئے ہیں۔ آج بھی پٹرول، کیمیکل، ادویات اور مشینری درآمد کی جارہی ہے۔ حالات نے ثابت کیا ہے کہ ہم وسائل کو اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے مطابق نہیں کر سکتے۔ پس ہمیں دوسری تدبیر کو اپنانا ہوگا یعنی آبادی کو وسائل کے مطابق کیا جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کی طرح آبادی اور وسائل کے درمیان توازن کا شعور پیدا کیا جائے۔ یہ شعور بڑوں کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کو بھی حاصل ہونا چاہیے جو جلد ہی عملی زندگی میں قدم رکھنے جارہے ہوں۔

زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو، منصوبہ بندی کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔ صنعت، تجارت، زراعت، تعلیم و تربیت خواہ کوئی شعبہ ہو، اسے منصوبہ بندی کی احتیاج ہے۔ اسی طرح بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے منصوبہ بندی ناگزیر ہے ورنہ جس قدر نئے کارخانے اور فیکٹریاں قائم کی جارہی ہیں اور زرعی پیداوار بڑھانے کی مہمات زور شور سے جاری ہیں، سب سچی لا حاصل ہوگی، ہمارا معیار زندگی بہتر نہ ہو پائے گا اور ہمارے وسائل بھی اکارت جائیں گے۔



## ۲ زراعت و صنعت

یہ کھیت، یہ درخت، یہ شاداب گرد و پیش  
سیلاب رنگ و بو سے یہ سیراب گرد و پیش

زراعت ایسے پیشے، علم یا فن کو کہتے ہیں جس کا تعلق کاشت کاری اور لائیو اسٹاک یعنی دودھ، گوشت اور انڈوں وغیرہ کی پیداوار سے ہو۔ گویا فصلوں اور مال مویشیوں کی صورت میں پیداوار حاصل کرنے والا شعبہ، زراعت کا شعبہ کہلاتا ہے۔ پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اس لیے زراعت کا شعبہ معاشی حوالے سے انتہائی اہمیت کا حامل شعبہ ہے۔ پاکستان میں جو فصلیں کاشت کی جاتی ہیں، انہیں ”خریف“ اور ”ربیع“ کی فصلیں کہتے ہیں۔ ”خریف“ خزاں کا موسم ہے۔ اس موسم کا دورانیہ جون سے اکتوبر تک ہے۔ اس موسم میں سویا بین، مکئی، باجرہ، جوار، کپاس اور چاول جیسی فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔ ”ربیع“ بہار کا موسم ہے۔ اس موسم کا دورانیہ نومبر سے اپریل تک ہے۔ اس موسم میں گندم، چنے، سرسوں، اور جو وغیرہ کی فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔

۲۰۲۳ء کی مردم شماری کے مطابق ہمارے ملک کی آبادی کا نصف سے زائد حصہ دیہات میں مقیم ہے۔ اس آبادی کی اکثریت زراعت سے وابستہ ہے۔ اگر پاکستان کے برسر روزگار افراد کا تناسب دیکھا جائے تو ان میں سے تقریباً ۳۲ فی صد کا روزگار زراعت سے جڑا ہوا ہے۔ ہماری زمینیں ہمیں خوراک فراہم کرتی ہیں، نقد آمد اور فصلیں ملکی صنعتوں کی بنیاد بنتی ہیں اور روزگار کا ذریعہ بھی۔ غذائی خود کفالت کے قابل بنانے میں معاونت فراہم کرتی ہیں اور ہریالی اور سبزے کی صورت میں ہمیں ماحولیاتی آلودگی سے محفوظ فراہم کرتی ہیں۔ لہذا پاکستان کا زرعی شعبہ جتنا زیادہ ترقی کرے گا اتنا ہی ہماری انفرادی اور اجتماعی خوش حالی کا باعث بنے گا۔ آبادی کے لحاظ سے اس وقت ہم دنیا کے ساتویں بڑے ملک سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ آبادی مزید تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ یہ زراعت ہی ہے جو اتنی بڑی آبادی کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے میں کردار ادا کر رہی ہے۔

زراعت کا صنعت سے گہرا تعلق ہے۔ جہاں تک صنعت کا تعلق ہے تو اس سے مراد خام مال کو کارآمد اشیاء میں تبدیل کرنا صنعت ہے۔ زراعت کا شعبہ مختلف اجناس کو خام مال کی صورت میں فیکٹریوں اور کارخانوں کو فراہم کرتا ہے تاکہ کھانے پینے اور دوسری روزمرہ ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ یہ فیکٹریاں اور کارخانے گندم کو آٹے، میدے، سوچی اور دلے وغیرہ میں تبدیل کر کے کھانے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح مختلف دالوں کو قابل استعمال بنایا جاتا ہے۔ کپاس روئی، دھاگے اور کپڑے کی شکل میں ہماری ضروریات زندگی پوری کرتی ہے۔ گندم کی چھانٹ سے حاصل شدہ چوکر، مٹی (مختلف جڑی بوٹیوں کے بیج) اور دالوں کے چھلکے مویشیوں کا بہترین چارہ بنتے ہیں۔ کپاس کے بیج سے تیل نکالا جاتا ہے اور اس سے مویشیوں کے لیے کھل بنولہ بھی تیار ہوتی ہے۔ چاول اور مکئی نہ صرف ہماری روزمرہ خوراک کا اہم حصہ ہیں بلکہ ان سے بچوں اور بڑوں کے لیے مزے دار مشروبات، بسکٹ، ٹافیاں اور گولیاں وغیرہ بھی تیار کی

جاتی ہیں۔ گٹا شوگر ملوں میں جا کر ایک طرف چینی اور شکر کی صورت اختیار کرتا ہے تو دوسری طرف اس کا پھوک گٹا سازی وغیرہ کے لیے بھی استعمال میں آتا ہے۔ سرسوں، کینولا اور سورج مکھی سے خوردنی تیل حاصل کیا جاتا ہے اور ان کا پھوک جانوروں کی خوراک بنتا ہے۔ سبزیاں، پھل اور ان کے بیج نہ صرف بھرپور غذائیت فراہم کرتے ہیں بلکہ انہیں مختلف طریقوں سے مشروبات اور ادویات کے طور پر بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ درختوں کی لکڑی سے عمارتی ساز و سامان اور فرنیچر تیار کیا جاتا ہے۔ یوں زمینی پیداوار کی صورت میں حاصل شدہ خام مال کا رآمد اشیا میں تبدیل ہو کر صنعت کی صورت اختیار کرتا ہے۔

لائو اسٹاک سے مراد مال مویشی پالنا ہے۔ گھروں میں مرغیاں، بھیڑ بکریاں اور گائے بھینسیں وغیرہ پالی جاتی ہیں۔ اسی طرح پولٹری، فیش، گوٹ اور ڈیری فارمنگ میں جدید سائنسی بنیادوں پر مال مویشی پالے جاتے ہیں جو انڈے، دودھ اور گوشت کی فراہمی کے ساتھ ساتھ دیگر مصنوعات کی تیاری میں بھی خام مال فراہم کرتے ہیں۔ دودھ اور گوشت بچوں کی افزائش اور بڑوں کی صحت کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ زراعت کا شعبہ آبادی کی اس بنیادی ضرورت کی فراہمی کو ممکن بنائے ہوئے ہے۔

ریشم کے کیڑے پالنا بھی ایک نفع بخش کاروبار اور دل چسپ مشغلہ ہے۔ چین کے بعد پاکستان میں ریشم سازی کی صنعت ترقی کی جانب گامزن ہے۔ اسی طرح شہد کی کھیاں قدرتی ماحول کے ساتھ ساتھ مصنوعی چھتوں میں بھی پرورش پاتی ہیں۔ چونکہ شہد غذا بھی ہے اور دوا بھی، اس لیے شہد کی طلب کے پیش نظر پہاڑی مکھی، مغربی مکھی، ڈومنا (بڑی مکھی) اور چھوٹی مکھی کی افزائش پر پاکستان میں خصوصی توجہ دی جا رہی ہے اور شہد کی پیداوار میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

موسم ریح میں گندم، سرسوں، توریا، چنا اور مسور جیسی فصلیں بارانی علاقوں میں نمایاں اہمیت رکھتی ہیں۔ ان فصلوں کو نقصان دینے والی جڑی بوٹیوں کو چار گروپوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے گروپ میں چوڑے پتے والی (پالک جیسی)، دوسرے گروپ میں گھاس، تیسرے گروپ میں باریک پتوں والی جنگلی گندم وغیرہ اور چوتھے گروپ میں نوک دار پتوں والی جنگلی جینی، دہلی سٹی جیسی جڑی بوٹیاں شامل ہیں۔ یہ جڑی بوٹیاں فصل کی کاشت سے لے کر بڑھوتری، کٹائی، گہائی اور منڈی تک ہر مرحلے پر مختلف طریقوں سے نقصان کا سبب بنتی ہیں۔ ان میں جڑی بوٹیوں کا جدید سائنسی اصولوں کے مطابق خاتمہ کر کے بہتر پیداوار حاصل کی جاسکتی ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کی طلب کے مطابق زرعی پیداوار میں اضافہ ہمارے لیے انتہائی ضروری ہے۔ عوامی اور حکومتی سطح پر اس سلسلے میں بے شمار اقدامات کیے جا چکے ہیں اور کیے جا رہے ہیں۔ زمینی پیداوار کی بہتری کے لیے کھادیں، معیاری بیج، مشینری کا استعمال، آب پاشی اور ادویات کا کردار کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ ہمارے کسان خود بھی اپنے تجربات کی روشنی میں ان وسائل کے استعمال کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور حکومت بھی ہر چھوٹے بڑے کسان تک ان وسائل کی بہترین فراہمی کو یقینی بنا رہی ہے۔ بیج بونے سے لے کر فصلوں کی کٹائی اور گہائی تک کے تمام مراحل کو بہتر بنانے کے لیے جدید مشینری فراہم کی جا رہی ہے۔ آب پاشی کی بہتری

کے لیے نہری نظام کو موثر بنا یا گیا ہے اور بارانی علاقوں کے زمینداروں کو ٹیوب ویل کی سہولت فراہم کی گئی ہے۔ ٹریکٹر، تھریشر اور ہارویسٹر وغیرہ فراہم کر کے فصلوں کی بوائی، کٹائی اور گہائی کو بہت بہتر بنا دیا گیا ہے۔ کسانوں کو آسان شرائط پر قرضے دیے جا رہے ہیں اور زرعی علم و ہنر میں اضافے کے لیے مختلف تربیتی پروگراموں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ زرعی شعور کو اجاگر کرنے کے لیے ملک بھر میں زرعی جامعات اور زرعی ترقیاتی ادارے بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں۔ عوامی اور حکومتی سطح پر ماڈل فارمز بنائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے دور کی فی ایکڑ پیداوار پرانے دور کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے۔ قدیم دور کی نسبت جدید دور میں بیج بونے کا طریق کار بہت بہتر ہے۔ پہلے پہل بیج بونے کے لیے کسان بیلوں کی مدد سے ہل چلاتا تھا اور سخت محنت کرتا تھا۔ اس کے باوجود پیداوار بہت کم ہوتی تھی۔ آج ٹریکٹر کے ذریعے سے زمین میں ہل چلایا جاتا ہے، بیج بوئے جاتے ہیں اور تھوڑی محنت سے بہتر فصل کاشت کی جاتی ہے۔

اسی طرح فصلوں کی کٹائی اور گہائی کے طریق کار میں بھی جدت آچکی ہے۔ ہارویسٹر اور تھریشر وغیرہ کے استعمال سے نہ صرف وقت اور زیادہ مشقت کی بچت ممکن ہو چکی ہے بلکہ پیداوار کا ضیاع بھی بہت کم ہو گیا ہے۔ ماڈل فارم حکومتی اور عوامی ہر دو سطح پر بنائے جاتے ہیں۔ ان ماڈل فارمز میں جدید سائنسی اصولوں کے مطابق کاشت کاری کی جاتی ہے۔ مخصوص زرعی رقبے پر قائم یہ فارم تمام کسانوں کے لیے بہترین نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسان ان فارموں میں فصلوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ فصلیں کیسے اگائی جاتی ہیں؟ کس طرح کی کھادوں کا استعمال کیا جاتا ہے؟ فصلوں کو موسموں کی شدت سے کیسے بچایا جاتا ہے؟ کون سی ادویات فصلوں کو کیڑوں مکوڑوں اور بیماریوں سے بچا کر زیادہ پیداوار کا سبب بنتی ہیں؟ آج کل تو ایسے گرین فارم بھی بنائے جا رہے ہیں جہاں بے موسمی سبزیوں اور پھلوں کی کامیابی سے کاشت کی جا رہی ہے۔ اب ہم کسی بھی موسم میں ہر قسم کی سبزی اور پھل اپنی خوراک کا حصہ بنا سکتے ہیں۔

سرسبز و شاداب پاکستان ہماری خوش حالی کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سونا اگلنے والی زمینوں سے نوازا ہے۔ سرزمین پاکستان نہ صرف میدانی علاقوں میں زرخیز ہے بلکہ اس کے پہاڑ بھی سرسبز و شاداب ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بہترین منصوبہ بندی کر کے زراعت کو صنعت بناتے ہوئے اس مملکت خداداد کی خوش حالی کو یقینی بنائیں۔ زرعی مصنوعات کی درآمدات کے بجائے برآمدات کو فروغ دیں اور زر مبادلہ کی صورت میں اپنے پاک وطن کی معیشت کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔



## ۵ پاکستان کا قومی کھیل

جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا  
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

مشہور قول ہے کہ اگر کھیل کے میدان آباد ہو جائیں تو ہسپتال ویران ہو جاتے ہیں۔ کھیل انسانی جسم کو تندرست و توانا بناتے ہیں اور بے شمار انسانی اوصاف پیدا کرتے ہیں۔ خود اعتمادی، باہمی احساس، تحمل، بردباری، وقت کی پابندی اور نظم و ضبط جیسی کتنی ہی صفات ہیں جو کھیلوں کی مرہون منت ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: العقل السليم في الجسم السليم۔ ”یعنی: صحت مند جسم میں ہی صحت مند دماغ ہوتا ہے۔“ گو یا تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیل بھی ضروری ہیں۔

میدان کے لحاظ سے کھیلوں کو تقسیم کیا جائے تو یہ دو قسم کی ہوتی ہیں یعنی ان ڈور اور آؤٹ ڈور۔ شطرنج، کیرم بورڈ، سنوکر، بیلیں ٹینس، بیڈمنٹن اور سکواش وغیرہ کا تعلق ان ڈور کھیلوں سے ہے جب کہ ہاکی، فٹ بال، باسکٹ بال، والی بال، کبڈی اور رسہ کشی وغیرہ آؤٹ ڈور کھیلیں ہیں۔ کھیل کوئی بھی ہوں اور کسی میدان میں بھی کھیلے جائیں، ہمارے ذہن اور جسم کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کھیلنے سے دماغ تروتازہ ہوتا ہے اور قائدانہ صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ کھیل کے قواعد و ضوابط کھلاڑی کو نظم و ضبط کا پابند بناتے ہیں۔ کھیلوں سے ایک طرف تو کھلاڑیوں میں تحمل، بردباری، برداشت، دوسروں کا احساس، فرماں برداری اور باہمی تعاون جیسے جذبات پروان چڑھتے ہیں جب کہ دوسری طرف وہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا سیکھتے ہیں۔

فٹ بال کے ساتھ ساتھ ہاکی کا کھیل بھی دنیا بھر میں مقبول ہے۔ ہاکی کا میدان اگرچہ فٹ بال کے میدان سے قدرے چھوٹا ہوتا ہے مگر دلچسپی کے لحاظ سے کسی طور کم نہیں۔ فٹ بال کی طرح ہاکی کی ٹیم بھی گیارہ کھلاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے اور اس میں بھی دو ریفری ہوتے ہیں۔ عالمی معیار کے مطابق ہاکی کے میدان کی لمبائی ایک سو گز اور چوڑائی ساٹھ گز ہوتی ہے۔ کھلاڑی مجوزہ معیار کے مطابق بنی ہوئی ہاکی اور گیند سے کھیلتے ہیں جب کہ کھیل کا دورانیہ ۷۰ منٹ ہوتا ہے جس کا پہلا اور دوسرا ہاف ۳۵، ۳۵ منٹ کا ہوتا ہے۔ پہلے ہاف کے بعد دونوں ٹیمیں اپنی سائیڈز تبدیل کر لیتی ہیں۔

ہاکی ہمارے وطن عزیز پاکستان کا قومی کھیل ہے۔ پاکستان کے علاوہ یہ کھیل ایشیائی ممالک جیسے بھارت، چین، جاپان، جنوبی کوریا وغیرہ میں بہت مقبول ہے۔ اس کے علاوہ ہالینڈ، انگلینڈ، پولینڈ، سپین، فرانس، جرمنی، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ وغیرہ میں بھی اس کھیل کی بے حد مقبولیت ہے۔ تاریخی لحاظ سے ہاکی کا کھیل انیسویں صدی میں مقبول ہوا۔ ۱۹۰۸ء اور ۱۹۲۰ء کے اولمپک مقابلوں میں ہاکی کا کھیل شامل تھا۔ ۱۹۲۸ء کے بعد اسے اولمپک کھیلوں کے برٹورنامنٹ میں شامل کیا گیا۔ ۱۹۵۲ء میں ہاکی کا کھیل ایشین گیمز میں شامل ہوا۔ ہاکی کے ورلڈ کپ کا آغاز ۱۹۷۱ء میں کیا گیا۔ ہاکی کے بڑے ٹورنامنٹس میں اولمپکس مقابلہ جات کے ساتھ ساتھ ورلڈ کپ، چیمپیئنز ٹرافی، ایشیا کپ اور سیف گیمز شامل ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط تک پورے یورپ میں یہ کھیل مقبول ہو چکا تھا۔

ہندوستان میں برطانوی فوج نے ہاکی کا کھیل متعارف کرایا۔ بر اعظم ایشیا میں پہلے پہل پاکستان اور ہندوستان کی صرف دو نمائندہ ٹیمیں تھیں۔ جاپان، ملائیشیا، جنوبی کوریا، انڈونیشیا اور بنگلہ دیش کی ہاکی ٹیمیں بعد میں منظر عام پر آئیں۔

پاکستان کی ہاکی ٹیم پہلی بار ۱۹۴۸ء میں بین الاقوامی مقابلوں میں علی اقتدار کی کپتانی میں شامل ہوئی جو قیام پاکستان سے قبل متحدہ ہندوستان کی طرف سے بھی کھیل چکے تھے۔ اس ٹورنامنٹ میں پاکستان نے چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۵۶ء کے میلبرن اولمپکس میں پاکستانی ہاکی ٹیم نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فائنل تک رسائی حاصل کی اور سلور میڈل حاصل کیا۔ ۱۹۶۰ء کے روم اولمپکس میں پاکستان نے عبدالحمید حمیدی کی قیادت میں پہلا اولمپک گولڈ میڈل حاصل کر کے بھارت کی ۳۲ سالہ بالادستی کا خاتمہ کیا۔ یہ وہ تاریخی فتح تھی جس نے ہاکی کو پاکستان کا قومی کھیل بنا دیا۔ ۱۹۶۸ء کے میکسیکو اولمپکس میں پاکستان نے طارق عزیز کی قیادت میں آسٹریلیا کو فائنل میچ میں شکست دے کر اور ۱۹۸۳ء کے لاس اینجلس اولمپکس میں منظور جوہیر کی قیادت میں جرمنی کو شکست دے کر گولڈ میڈل حاصل کیے۔ پاکستان نے اب تک پندرہ بار اولمپکس کے ہاکی مقابلوں میں حصہ لیا ہے اور تین سونے، تین چاندی اور دو کانسی کے تمغے حاصل کیے ہیں۔ پاکستان کی ہاکی ٹیم نے ۱۹۷۱ء میں پہلا ورلڈ کپ، ۱۹۷۸ء میں دوسرا، ۱۹۸۲ء میں تیسرا اور ۱۹۹۳ء میں چوتھا ورلڈ کپ جیتا۔ پاکستان کی ہاکی ٹیم نے سب سے زیادہ بار یعنی چار بار ورلڈ کپ جیتا جو ایک ریکارڈ ہے۔ اس کے علاوہ چیمپئنز ٹرافی، ایشیا کپ اور سیف گیمز میں بھی متعدد تمغے حاصل کر کے اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ چکا ہے۔ ہاکی کی وجہ سے پاکستانی پرچم کئی عشروں تک پوری دنیا کے میدانوں میں لہراتا رہا۔ ہاکی کے میدان میں مجموعی طور پر پاکستان تین اولمپکس گولڈ میڈل، چار ورلڈ کپ، تین چیمپئنز ٹرافی، تین اڈلان شاہ ہاکی ٹورنامنٹ گولڈ میڈل اور آٹھ ایشین گیمز گولڈ میڈل اپنے نام کر چکا ہے۔

پاکستانی ٹیم عرصہ دراز تک ناقابل شکست سمجھی جاتی رہی۔ ماضی میں پاکستانی کھلاڑیوں کے کھیلنے کا انداز اور کارکردگی قابل ستائش تھی۔ اس وقت قدرتی گھاس پر پاکستان کا ایشیائی ہاکی اسٹائل بہت مقبول تھا جس کے سامنے یورپی ٹیمیں بے بس نظر آتی تھیں۔ جب یورپی ٹیموں نے آسٹریلیا اور پولینڈ کو قدرتی گھاس کے متبادل کے طور پر متعارف کرایا تو ایشیائی اسٹائل اتنا کامیاب نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں ہمارے کھلاڑی سخت محنت کے باوجود وہ نتائج حاصل نہیں کر پا رہے جو ماضی میں ان کا طرز امتیاز تھا۔ ماضی میں نصیر بندہ، اصلاح الدین، منور زماں، سلیم شیروانی، سمیع اللہ، شہناز شیخ، حسن سردار، حنیف خان، شہباز سینئر، کلیم اللہ، سمیع اللہ، منظور جوہیر، قاضی محب اور شہباز جوہیر جیسے عالمی شہرت یافتہ پاکستانی کھلاڑی وطن عزیز کی نمائندگی کر چکے ہیں۔

ہاکی کے میدان میں پاکستان کی پہچان خواتین کی ہاکی ٹیم بھی ہے۔ پاکستان کی ویمن ہاکی ٹیم متعدد بین الاقوامی مقابلوں میں شرکت کر کے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کر چکی ہے۔ امید ہے کہ مستقبل میں خواتین کی قومی ہاکی ٹیم بھی پاکستان کے لیے بڑے عالمی اعزازات جیتنے میں کامیاب ہوگی۔ مقامی ہاکی کلبوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی سطح پر ہاکی کو فروغ دینے کے لیے موثر اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں۔ امید ہے پوری دنیا میں پاکستان ہاکی کی کھوئی ہوئی ساکھ ایک بار پھر بحال ہوگی۔ ان شاء اللہ!



## ۱. تعلیم نسواں

تعلیم نسواں عربی زبان کے دو الفاظ "تعلیم" اور "نسواں" کا مرکب ہے۔ تعلیم کے معنی ہیں علم حاصل کرنا جب کہ نسواں کا لفظ نسا سے نکلا ہے جس کا معنی ہے عورت۔ گویا عورتوں کا علم حاصل کرنا تعلیم نسواں کہلاتا ہے۔ علم کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے کیوں کہ بنی نوع انسان اگر اشرف المخلوقات ہے تو علم ہی کی وجہ سے، وہ اپنی تخلیق کے بعد اگر مسکود ملائک اور واجب التعظیم بنا تو علم ہی کی بنا پر۔ علم وہ موضوع ہے جو زندگی کا ہمہ اطراف سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ وہ دولت ہے جو تقسیم کرنے سے بڑھتی ہے۔ یہ وہ روشنی ہے جس سے جہالت کے اندھیرے چھٹتے ہیں۔ یہ وہ طاقت ہے جس سے کائنات کے بھید کھلتے ہیں اور اس کے خفیہ خزانے دریافت ہوتے ہیں۔ علم ایک بے کنار سمندر ہے۔ یہ انسان کو خود شناسی سے خدا شناسی کی طرف راغب کرتا ہے لیکن موضوع بحث صرف علم کا حصول نہیں بلکہ تحصیل تعلیم نسواں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا عورت بنی نوع بشر سے متعلق نہیں؟ کیا وہ آدمیت اور انسانیت سے خارج ہے؟ یقیناً نہیں۔ وہ اولاد آدم اور بنت حوا ہے۔ وہ اس کائنات کا جمال اور شاہ کار ہے۔ عورت ایک دل کش وجود کا نام ہے۔ وہ اس گردش لیل و نہار میں سوز و ساز، زریست کا نہایت اثر آفریں اور کیف آور نغمہ ہے۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

کسی بھی معاشرے کے قیام کے لیے مرد اور عورت لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مرد خاوند ہے، باپ ہے، بیٹا ہے، بھائی ہے تو عورت بیوی ہے، ماں ہے، بیٹی ہے اور بہن ہے۔ بیوی کا اپنے خاوند سے خونی تعلق نہیں ہوتا لیکن وہ خونی رشتوں کو جنم دیتی ہے۔ وہ ماں کے روپ میں دنیا کی خوب صورت ترین مخلوق ہے کیوں کہ کوئی ماں بد صورت نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ سے گھر جٹ نظیر ہے۔ وہ بیٹی ہے تو ماں باپ کے گھر کی رحمت اور رونق، وہ بہن ہے تو بھائیوں کے لیے ماں کی طرح سراپا محبت، سراپا ایثار اور سراپا مروت۔ مولانا حاتمی نے کیا خوب کہا ہے:

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دنیا کی زینت تم سے ہے

تم گھر کی ہو شہزادیاں، شہروں کی ہو آبادیاں

تم ہو تو غربت ہے وطن، تم بن ہے ویرانہ چمن

ہو دیس یا پردیس، جینے کی حلاوت تم سے ہے

یقیناً اچھی بیوی ہی اچھی ماں بنتی ہے، اچھی ماں اچھی بیٹی کی ضامن ہے اور اچھی بیٹی ہی اچھی بہن ثابت ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ عورت کا اپنے ہر روپ میں اچھا ہونا کیوں کر ممکن ہے؟ یقیناً علم ہی وہ زیور ہے جو قدرت کی اس خوب صورت تخلیق کو کائنات ارضی کا شاہکار بناتا ہے۔ علم اچھے اور اچھے میں حد فاصل ہے۔ اس حد کو سر کر کے اپنے وجود کی سرحد بنانا مرد اور عورت دونوں کے لیے ناگزیر ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے؟ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔“ (بحوالہ شعب الایمان) جب قرآن اور حدیث کے مخاطب مرد اور عورت دونوں ہیں، معاشرے کی ابتدا کا ماخذ مرد اور عورت دونوں ہیں، کاروبار زیت کے محافظ مرد اور عورت دونوں ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ مرد تو علم و فن سے اپنی شخصیت کو مزین کر لے اور عورت زیور تعلیم سے آراستہ نہ ہو۔

درحقیقت مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پیسے ہیں۔ یہ جب تک ہموار رہیں زندگی کی گاڑی اُس وقت تک پرسکون طور پر رواں دواں ہے۔ جہاں ان میں بگاڑ آیا زندگی جہنم زار بن گئی۔ اس لیے ایک پڑھی لکھی عورت ہی ایک اچھی، بہتر اور مثالی بیوی ثابت ہو سکتی ہے۔ ایک پڑھی لکھی بیوی ہی حیاداری کے تمام تقاضے پورے کر سکتی ہے۔ وہ اپنے خاوند کی ضروریات، جذبات اور احساسات کو پوری طرح سمجھ سکتی ہے۔ وہ خاوند کی پسند و ناپسند معلوم کر کے اس کے لیے سکون کا باعث بن سکتی ہے۔ ایک پڑھی لکھی بیوی ہی شیریں زبان کی حامل، تحمل مزاج اور نرم خو ہو سکتی ہے۔

وہ گھر میں چادر اور چادر یواری کے تحفظ کی ضامن ہے۔ ملازم ہے تو زندگی کی منصوبہ بندی کر کے اپنی ملازمت کی ذمہ داریوں کو گھر کے ماحول پر اثر انداز نہیں ہونے دیتی بلکہ عہد حاضر کے معاشی معاملات میں اپنے خاوند کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ روایتی عورتوں کی طرح ایک ہی مرد پر تادم زیت پورے گھر کی کفالت کا بوجھ نہیں لادتی۔ وہ اگر ملازمت نہیں بھی کرتی تو گھریلو معاملات ایک ماہر اقتصادیات کی طرح نبھاتی ہے اور گھر کو ہر قسم کے مسائل سے محفوظ رکھتی ہے۔

دینی اور معاشرتی ہر دو پہلوؤں سے دیکھیں تو عورت کا روپ بحیثیت ماں بے مثال اور لاثانی ہے۔ ماں کو جتنی توقیر اسلامی تناظر میں حاصل ہے کسی اور ضابطے میں ممکن نہیں۔ جنت کو ماں کے قدموں تلے رکھ دیا گیا ہے۔ انسانی پہلو سے بھی غور کریں تو ماں انسانیت کا ماخذ ہے۔ بچے کی پیدائش، پرورش، بڑھوتری اور نشوونما، کون سا ایسا پہلو ہے جس کی احتیاج ماں پورا نہیں کرتی۔ یہی ماں جس کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے، اگر تعلیم یافتہ ہو تو کتنا ترقی یافتہ، صحت مند اور خوش حال معاشرہ منظر عام پر رونما ہوگا۔ نیولین نے جب یہ بات کہی تھی کہ تم مجھے اچھی مائیں دے دو، میں تمہیں اچھی قوم دے دوں گا تو اس سے بھی یہی مراد تھی کہ اچھی ماں ہی اولاد کی اچھی تربیت کر سکتی ہے۔

تعلیم ہر مینی کا بنیادی حق ہے جس کی ادائیگی والدین اور معاشرے کا اولین فریضہ ہے۔ مینی کی عظمت و اہمیت کے پیش نظر دین اسلام نے اس کی تعلیم و تربیت کے لیے بہترین اصول وضع کیے ہیں۔ عہد نبوی ﷺ میں مردوں کے وعظ و نصیحت کی طرح عورتوں کے لیے بھی خاص دن مقرر تھا جس میں وہ رسول اکرم ﷺ سے فرمودات عالیہ سماعت کرتی تھیں۔ ہادی عالم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص لڑکیوں کی پرورش سے دوچار ہو، پھر اُن کی پرورش سے آنے والی مصیبتوں پر صبر کرے تو یہ سب لڑکیاں اس کے لیے جہنم سے آئیں گی۔“ (جامع ترمذی: ۱۹۱۳) آپ ﷺ کی سیرت طیبہ، ارشادات اور تعلیمات اس امر کے متقاضی

ہیں کہ بیٹوں کے ساتھ ساتھ بیٹیوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں عادلانہ طرز فکر و عمل اپنایا جائے۔

عورت، خاندان اور معاشرہ کا روبرو بارزیت کے تسلسل کی بنیادی اکائیاں ہیں۔ عورت خاندان کی بنیادی اکائی ہے اور خاندان معاشرے کی۔ عورت پڑھی لکھی، مہذب اور سلیقہ شعار ہوگی تو خاندان کی اندرونی اور بیرونی حالت بعینہ بہتر ہوگی۔ ایسا خاندان معاشرے کو بالغ نظر، مہذب اور مفید شہری فراہم کرے گا۔ گویا عورت بہترین معاشرے کے آغاز و ارتقا کا لازمی جزو ہے اس لیے اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہر معاشرے کی اولین ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو پس پشت ڈالنا مجرمانہ غفلت کا ارتکاب ہوگا۔ عورت اگر تعلیم و تربیت کی صفات سے متصف ہے تو اس کے اوصاف معاشرے کے افراد سے منعکس ہوں گے اور معاشرہ نقطہ کمال کو پہنچے گا بصورت دیگر مذہبی، اخلاقی، فکری، فنی اور زندگی کے عملی پہلوؤں میں زوال ہی زوال نظر آئے گا۔

عورت کو تعلیم دلانے کا صرف یہی مقصد ہرگز نہیں کہ مغربی ممالک کی طرح اسے پڑھا لکھا کر فیکٹریوں، کارخانوں، دفتروں اور نجی اداروں میں ملازمت کے لیے بھیجا جائے بلکہ اس کی تعلیم کا مقصد خود اس کی زندگی کو کامیاب بنانا ہے۔ اسے ایسی شخصیت کا روپ دینا ہے کہ اس کی ذات سے منسلک ہر فرد اس سے مستفید ہو سکے۔ اسے ایسی اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند کرنا ہے کہ وہ ایک اچھی ماں، اچھی بہن، سلیقہ شعار بیوی اور اطاعت گزار بیٹی بن سکے۔

غور طلب پہلو یہ ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے بھی کیا وہی نصاب کافی ہے جو لڑکوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو کچھ مضامین اور تعلیمی شعبے ایسے ہیں جو لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے مشترک ہو سکتے ہیں لیکن کچھ مضامین اور شعبہ جات ایسے بھی ہیں جو زیادہ تر خواتین کے لیے مخصوص ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں امور خانہ داری عام طور پر خواتین کی ذمہ داری سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے سائنس، آرٹس، کامرس اور دیگر شعبہ جات سے متعلق مضامین کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کے لیے امور خانہ داری اور گھریلو دستکاری جیسے مضامین بھی نصاب کا حصہ ہونے چاہئیں۔ مغربی تہذیب کی تقلید میں پڑھی لکھی خواتین کا موقف یہ ہوتا ہے کہ پڑھ لکھ کر بھی اگر چولہا ہی پھونکنا پڑے تو پھر تعلیم کا کیا فائدہ؟ یہ نظریہ غلط ہے کیوں کہ پڑھنے لکھنے کے بعد بھی ان کا اصل ٹھکانا گھر ہی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ امور خانہ داری وہ اپنی درس گاہوں ہی سے سیکھ کر نکلیں۔ لڑکیوں کے لیے تعلیمی اداروں میں پیشہ ورانہ تعلیم اور عملی تربیت دینے کا بندوبست بھی ہونا چاہیے۔



## ④ سائنس کے کرشمے

خلیے کی گرہ کھولی ، جوہر کا جگر چیرا      راکٹ کو خلاؤں میں بھیجا ہے سفیرانہ  
اب ذوقِ تجسس کا اک اور ہی عالم ہے      گھومیں گے خلاؤں میں ہم خود ہی دلیرانہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ سننے اور بولنے کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اسے عقل و فہم اور علم و فضل بھی عطا کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات پر غور و فکر کرنے، اس کا مشاہدہ کرنے اور اس میں چھپے ہوئے خزانے دریافت کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس لیے انسان اپنی فطری صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے نہ صرف سورج، چاند، ستاروں، زمین، آسمان اور فضاؤں جیسے مظاہر قدرت کو سمجھنے کی کوشش کرتا چلا آ رہا ہے بلکہ کائنات کے تمام عناصر میں موجود وسائل کو دریافت کر کے اپنے استعمال میں لانے کے لیے نئی ایجادات کرتا چلا آ رہا ہے۔ سائنسی علوم کا بنیادی مقصد نئی نئی ایجادات اور دریافتوں کے ذریعے سے دنیا کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا اور زندگی گزارنے کے لیے نئے نئے وسائل مہیا کرنا ہے۔ چوں کہ سائنس علم کا دوسرا نام ہے، اس لیے انسان عقل و علم کے ذریعے سے جو ایجادات کرتا ہے، وہ سائنسی ایجادات کہلاتی ہیں۔

موجودہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ اس عہد میں حیرت انگیز ایجادات نے ہماری معاشرتی زندگی کے ہر پہلو میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ وہ چیزیں جن کا ذکر داستانوی اور افسانوی تھا، آج حقیقت کا روپ دھار چکی ہیں۔ انسان سمندر کی تہ سے لے کر آسمان کی بلندیوں تک اپنے قدم جما چکا ہے اور ساری دنیا سمٹ کر اس کے قدموں میں آ چکی ہے۔ کل تک غاروں میں رہنے والا انسان آج شان دار عمارتیں اور گھر تعمیر کر رہا ہے۔ ایسے گھر جن میں سائنسی ایجادات کی بدولت وہ تمام سہولیات میسر ہیں جن کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ صرف بجلی ہی کو دیکھیے، ہم کبھی روشنی کے لیے تیل سے جلنے والے چراغوں کے محتاج ہوا کرتے تھے، گرمی سے بچنے کے لیے دستی پتکھے تھامے ہوئے درختوں کی چھاؤں کا سہارا لیتے تھے۔ آج ایک بٹن دبائیں تو سارا گھر روشن ہو جاتا ہے۔ پتکھے، اڑکولر، اڑکنڈیشنر اپنا کام دکھانے لگتے ہیں اور ہم گرمی کی تپش سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ کھانا پکانے کے لیے بجلی اور گیس کے چولھے، کھانے پینے کی اشیاء محفوظ کرنے کے لیے ریفریجریٹر اور ڈیپ فریزر، کپڑے دھونے اور خشک کرنے کے لیے واشنگ اور ڈرائر مشینیں، کپڑے سینے کے لیے سلائی مشین اور پانی کی دستیابی کے لیے موٹر پمپ موجود ہیں۔ غرض ہمارے گھر سائنسی ایجادات سے اس طرح سج چکے ہیں کہ اگر پرانے دور کا کوئی شخص آجائے تو اسے ہماری دنیا جنت معلوم ہونے لگے۔ ہمیں اپنے گھروں سے باہر اور دوسرے شہروں یا ملکوں میں آنا جانا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے ذرائع نقل و حمل پر نظر ڈالیں تو ناقابل یقین حد تک انقلاب نظر آتا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے ہمارے ذرائع آمد و رفت کو گویا جادوئی بنا دیا ہے۔ فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ سالوں کے فاصلے دنوں میں اور دنوں کے فاصلے گھنٹوں، منٹوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ موٹر سائیکل، موٹر کار، گاڑی، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز جیسی ایجادات ہمیں وہ قوت عطا کر چکی ہیں کہ ہم فاصلوں کے ساتھ ساتھ وقت کو بھی محفوظ محسوس کرتے ہیں۔

جدید سائنسی ایجادات سے مواصلات کے نظام میں بھی ان گنت تبدیلیاں آئی ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون، موبائل فون، فیکس اور انٹرنیٹ، ایسی ایجادات ہیں جن کے سبب ہم ساری دنیا کو اپنے سامنے موجود پاتے ہیں۔ اب یہ ممکن ہو چکا ہے کہ ہم کسی بھی وقت اور کسی جگہ ہزاروں میل دور بیٹھے کسی شخص کو براہ راست دیکھ سکتے اور اس سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ای میل کے ذریعے سے چند سیکنڈوں میں ہزاروں کلومیٹر دور دوستوں کو پیغامات، مضامین، کہانیاں، اسباق اور اشعار وغیرہ بھیجے جاسکتے ہیں۔ موجودہ دور میں موبائل فون سے بھی کمپیوٹر کا کام لیا جا رہا ہے۔ طلبہ کمپیوٹر کو سامنے رکھ کر انٹرنیٹ سے کسی بھی تعلیمی ادارے، شعبہ تعلیم اور کتاب وغیرہ کے بارے میں بھرپور معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ ان سہولیات نے درس و تدریس کے نظام کو بہت مؤثر، علاج معالجے کی مستند معلومات کی فراہمی کو آسان اور معلومات عامہ تک عام آدمی کی رسائی کو ممکن اور آسان بنا دیا ہے۔ قدیم دور کا انسان بے شمار توہمات کا شکار تھا۔ مختلف بیماریوں کے شکار انسان کو آسیب زدہ قرار دے دیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ بڑا عجیب و غریب سلوک کیا جاتا تھا۔ ایک طرف بیماری، دوسری طرف تکلیف دہ طریق علاج اسے موت کی آغوش میں دھکیل دیتے تھے۔ سائنسی ترقی کی بدولت آج ہر مرض کی تشخیص ممکن ہو چکی ہے، ناقابل علاج مہلک امراض کا علاج ممکن بنا دیا گیا ہے اور جگر، دل، گردوں سمیت بے شمار انسانی اعضا کی پیوند کاری بڑی کامیابی سے کی جا رہی ہے۔

سائنس دانوں کے انسانیت پر بے شمار احسانات ہیں۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ان کے احسانات سے بھری پڑی ہے۔ آج کا انسان بالوں کی تراش، خراش، دانتوں کی صحت و صفائی، چپٹائی کے معاملات، تندرستی اور لباس سے لے کر جوتوں اور جرابوں تک سائنسی ایجادات کا مرہون منت ہے۔ اجتماعی لحاظ سے گھروں اور دیگر عمارتوں کی تعمیرات، اناج کی کھیت سے لے کر عام آدمی تک رسائی، بجلی، گیس اور صاف پانی کی فراہمی وغیرہ ہماری اجتماعی زندگی پر سائنسی ترقی کے احسانات کی مثالیں ہیں۔ اگرچہ سائنسی ترقی کے منفی اثرات کی مثالیں بھی اسلحہ سازی، بم، بارود کی بارش اور ایٹمی تابکاریوں کی صورت میں موجود ہیں لیکن اس میں سائنسی ترقی ہرگز قصور وار نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں قصور صرف منفی سوچ اور منفی ذہن کا ہے کہ جس کی وجہ سے سائنسی ایجادات کا منفی استعمال ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ سائنسی ترقی کی بدولت ہماری معیشت، صنعت، تجارت، زراعت، تعلیم اور تفریح جیسے تمام شعبہ جات نہایت تیز رفتاری سے ترقی کر رہے ہیں۔ اگر سائنس اور ٹیکنالوجی میں اسی رفتار سے ترقی ہوتی رہی تو آنے والی نصف صدی میں یہ دنیا جانے کہاں سے کہاں پہنچ جائے بقول علامہ اقبال:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں  
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی



## ۸ برداشت اور رواداری

کبھی کے دیپ سندر ہیں ہمارے کیا تمہارے کیا

اجالا ہر طرف ہے اس کنارے اُس کنارے کیا

کسی منفی رجحان کے نتیجے میں اپنے سخت ردِ عمل پر قابو پالینا برداشت ہے اور ردِ عمل کے طور پر منفی رویے کے بجائے مثبت حسن سلوک کو روارکھنا، رواداری کہلاتا ہے۔ ہمارا معاشرہ اس وقت جن منفی رجحانات سے دوچار ہے، ان میں عدم برداشت کو اولیت حاصل ہے۔ جس کے باعث ہمارے اندر رواداری کا وصف مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں روزانہ ایسے بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو چھوٹی چھوٹی اور انتہائی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں دکھائی دیتے ہیں۔ بات کا ہتکنگ بنا دیا جاتا ہے۔ محض اپنی جھوٹی انا اور ضد پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کا احترام پامال کیا جاتا ہے۔ عزت نفس مجروح کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے کہ ہر آدمی اپنے نظریات اور اپنی سوچ کو سچا اور خود کو درست سمجھتا ہے۔ اور دوسرے کو سچ سے عاری گردانتا ہے۔ ایسی صورت حال میں یقیناً تصادم کی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور لوگ ایک دوسرے کا گلا تک کانٹے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

اگر ہم لوگ تھوڑی دیر کے لیے صبر و تحمل، برداشت اور رواداری سے کام لیں تو بہت بڑے مالی و جانی نقصان سے بچا جاسکتا ہے۔ لیکن برداشت کا وصف لوگوں میں اُس وقت پیدا ہوگا جب دو رواداری اور حسن سلوک کو اپنا شعار بنا لیں گے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ برداشت اور رواداری سے کام لیتے ہوئے ہمارے لیے ایسی بے شمار زندہ مثالیں قائم کی ہیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنی رہیں گی۔ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، پتھر برسائے گئے، طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار کیا گیا مگر آپ ﷺ نے ہمیشہ برداشت اور تحمل سے کام لیا بلکہ فتح مکہ کے موقع پر تمام دشمنانِ اسلام کو معاف فرما دیا۔

اس وقت ہمارے ملک کے دو سنگین مسائل ہیں، جو لوگوں کو عدم برداشت اور تصادم کی طرف لے کے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقہ واریت ہے اور دوسرا مسئلہ طبقاتی امتیاز ہے۔ ان مسائل کی وجہ سے معاشرے کا امن و سکون غارت ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ حیثیت مسلمان جب ہمارا خالق و مالک ایک ہے، قرآن ایک ہے، رسول ایک ہے تو پھر ہمیں بھی ایک ہونا چاہیے۔ جب معاشرے میں ایک ساتھ رہتے ہوئے لوگ فرقہ واریت میں تقسیم ہو جائیں گے تو لامحالہ منافرت بڑھے گی۔ ایسے میں اگر رواداری اور برداشت کو بروئے کار لایا جائے تو ہم اختلافِ رائے کے باوجود لوگ امن و سکون کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ”اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔“ (آل عمران: آیت ۱۰۳)

اسلام تو دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بھی حسن سلوک روارکھنے کا درس دیتا ہے۔

عہدِ نبوی ﷺ میں ایک مرتبہ نجران سے مسیحی علما کا ایک وفد مدینے آیا اور مسجدِ نبوی ﷺ میں انھوں

نے اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ کچھ صحابہ نے تحفظات کا اظہار کیا لیکن رسول اکرم ﷺ نے ان مسیحیوں کو مسجد نبوی ﷺ میں عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔ اس واقعہ میں اسلام کی سچی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ یہ برداشت اور رواداری کی عظیم الشان مثال ہے۔ لہذا اُسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہم سب کو فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر برداشت اور رواداری کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔

اسی طرح نسلی و طبقاتی امتیازات سے بھی خود کو دور رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنے خاندانی اور قومی تفاخر کی بنا پر دوسرے لوگوں کو خود سے حقیر اور کم تر گردانتے ہیں۔ یہ رویہ بھی بسا اوقات جھگڑے اور تصادم کی فضا پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ جس سے لوگوں کا سکون غارت اور وقت ضائع ہوتا ہے۔ حالاں کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

”اور ہم نے تمہیں (مختلف) قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“ (سورۃ الحجرات، آیت: ۱۳)

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم ﷺ واضح کر دیا تھا کہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہوگی۔ ان واضح تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم سب کو چاہیے کہ نسلی اور خاندانی تفاخر سے بالاتر ہو کر ہم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں۔ یہ سچی ممکن ہوگا جب ہم ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے دوسروں کی باتوں کو برداشت کریں اور ان کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک سے پیش آئیں گے۔ اس رویے سے یقیناً معاشرے میں زندہ اور تابندہ روایات کو فروغ ملے گا۔

اگر تھوڑی دیر کے لیے ترقی یافتہ اور مہذب معاشروں کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو ان میں جہاں اختلاف رائے نظر آتا ہے وہاں برداشت اور رواداری کے نقوش واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے کامیابی اور ترقی کی بلندیوں کو چھوتے ہیں۔ ہمیں بھی اپنی معاشرتی روایات کو حوصلہ مندی اور صبر و برداشت کے اصولوں پر قائم رکھنے کا عزم کرنا چاہیے تاکہ ہم آپس میں باہمی اخلاص کے ساتھ مثالی بھائی چارے کو فروغ دے سکیں اور اپنے وطن کے گلی کوچوں میں امن و آشتی کے چراغ روشن کر سکیں۔

سات صندوقوں میں بھر کر دفن کر دو نفرتیں

آج انساں کو محبت کی ضرورت ہے بہت



## ۹ ٹریفک قوانین

دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے  
موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں

سڑکوں پر چلنے والی مختلف قسم کی چھوٹی بڑی گاڑیوں کی آمد و رفت کو ٹریفک کہا جاتا ہے۔ جس طرح پوری کائنات کا نظام قانونِ قدرت کے تحت چل رہا ہے مثلاً سورج اور چاند ستاروں کا طلوع و غروب، موسموں کی آمد و رفت، فصلوں کا پکنا وغیرہ سب ایک قانون کے تابع ہیں، اسی طرح سڑکوں پر ٹریفک کی آمد و رفت کے لیے بھی انسانوں نے قوانین ترتیب دیے ہوئے ہیں۔ سائنسی ترقی کی بدولت جہاں دیگر ایجادات نے عقلِ انسانی کو ورطہٴ حیرت میں ڈال رکھا ہے وہاں ذرائعِ نقل و حرکت بھی سائنس ہی کے مرہونِ منت ہیں جن کی بدولت لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ باسانی آتے اور جاتے ہیں۔ مہینوں کا سفر دنوں میں اور دنوں کا گھنٹوں میں طے ہونے لگا ہے۔

جدید دور کی سفری اور بار برداری کی ان سہولتوں کا ایک نقصان وہ پہلو بھی ہے۔ سڑکوں پر موٹر سائیکلوں، کاروں، بسوں، رکشوں، ویگنوں اور ٹرکوں وغیرہ کی تعداد میں اضافے کے باعث ٹریفک کے بے شمار مسائل پیدا ہونے لگے ہیں۔ اگرچہ ان مسائل پر قابو پانے کے لیے قوانین بھی تشکیل دیے گئے ہیں مگر بد قسمتی سے ٹریفک کے قوانین پر عمل کرنے کے شعور کا فقدان نظر آتا ہے۔ قانونی جہتوں سے قطع نظر، اگر ہم اخلاقی نقطہ نظر سے بھی دیکھیں تو ٹریفک قوانین کی پابندی کرنا نہایت ضروری ہے۔ انہیں نظر انداز کرنے سے معاشرتی صورتِ حال بگڑنے کے علاوہ قیمتی جانیں بھی ضائع ہوتی ہیں۔

عام طور پر ٹریفک قوانین کی عمل داری میں رکاوٹ کی وجہ جہالت اور نا سمجھی ہوتی ہے۔ اکثر ڈرائیور حضرات ان پڑھ ہوتے ہیں جنہیں ٹریفک قوانین تو کیا، ٹریفک کے اشاروں تک کی صحیح سوجھ بوجھ نہیں ہوتی۔ بعض اوقات لوگ کم عمری میں لائسنس کے بغیر گاڑیاں چلانے لگتے ہیں۔ پھر پیسے کے لالچ میں گاڑیوں کے مالکان ایک ہی ڈرائیور کو مسلسل کئی کئی گھنٹوں کی ڈیوٹی سونپ دیتے ہیں۔ جہاں دو ڈرائیوروں کی ضرورت ہو وہاں ایک ہی ڈرائیور سے کام چلایا جاتا ہے۔ نتیجہ تیز رفتاری، تھکاوٹ یا نیند آ جانے کے باعث چھوٹے بڑے حادثات رونما ہو جاتے ہیں۔

من حیث القوم ہمارا مزاج بھی عجیب ہے۔ موٹروے پر ہوتے ہیں تو ہمارا رویہ دنیا کی ہر مہذب قوم جیسا ہوتا ہے اور جو نہیں جی ٹی روڈ پر آتے ہیں تو تہذیب سے ناتا ٹوٹ جاتا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ٹریفک قوانین کو ہنس پشت ڈالنا اور ان کی خلاف ورزی کرنا نوجوان نسل کا فیشن بن گیا ہے۔ موٹر سائیکلوں پر دن و ہیٹنگ کرنا یا ایک ہی موٹر سائیکل پر اکٹھے چار پانچ نوجوانوں کا بیٹھ کر تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنا نہایت خطرناک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن اخبارات ہولناک حادثات کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں

اور ٹیلی ویژن پر ان حادثات کے مناظر دکھائے جا رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح بڑی بڑی بسیں جو لمبے روٹس پر چلتی ہیں ان کے ڈرائیو رتیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اگلی گاڑی سے آگے نکلنے کی کوشش میں اکثر اوقات حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حالاں کہ سرکاری محکمہ جات کی طرف سے سڑکوں پر جگہ جگہ مقررہ حد رفتار کے بورڈ آؤیزاں ہوتے ہیں مگر قابل افسوس امر ہے کہ اکثر اوقات ان اشاروں اور تحریروں کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ذرا سی غلطی گھروں کے گھرا جاڑ دیتی ہے۔

سڑکوں کا بروقت مرمت نہ ہونا، غیر معیاری ہونا اور ان پر غیر قانونی سپیڈ بریکر بنانا بھی حادثات کے اسباب میں شامل ہے۔ اسی طرح سڑکوں پر نا کارہ گاڑیوں کا چلنا بھی بہت سارے حادثات کا باعث بنتا ہے۔ ٹریفک کے قوانین و ضوابط میں یہ بات بھی شامل ہے کہ سڑکوں پر ہر اعتبار سے کارآمد گاڑیاں چلائی جائیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس نوعیت کی کھٹارا گاڑیوں کو سڑک پر لانا ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی اور ناقابل معافی جرم ہے۔ قوانین سے لاپرواہی کے باعث اکثر اوقات سڑکوں پر ٹریفک بے ہنگم اور بے قابو ہو جاتی ہے۔ منزل تک جلد پہنچنے کی دُھن میں ڈرائیور حضرات پہلے سے پھنسی ہوئی ٹریفک میں گھستے چلے جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کے اس اقدام سے ٹریفک مزید جام ہو جائے گی۔ اُن کے قطار توڑنے سے آگے پیچھے آنے والی گاڑیاں ایک دوسرے میں پھنس جاتی ہیں اور لوگوں کو کئی کئی گھنٹوں تک ذہنی و جسمانی اذیت سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس صورت حال سے عدم برداشت، غصہ، چڑچڑاپن، ڈپریشن اور اعصابی تناؤ جیسے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ سڑکوں پر بارن کا بے جا استعمال اور گاڑیوں کے خراب سائینلر بھی اس نوع کی بیماریوں کو جنم دینے کا باعث بنتا ہے۔

آج کل ڈرائیونگ کے دوران میں موبائل فون کا استعمال عام رواج بن گیا ہے جو سراسر غیر قانونی ہے۔ اس سے نہ صرف ٹریفک کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ خطرناک حادثات بھی پیش آرہے ہیں۔ اسی طرح بے شمار لوگ ڈرائیونگ کے دوران میں سیٹ بیلٹ باندھنا گوارا نہیں کرتے۔ رات کے وقت ٹرک اور ٹریکٹر ڈرائیو سڑکوں پر چلتی ہیں تو ان پر لدا ہوا سامان مثلاً لکڑیاں، گنا، لوہے کے گاڑے، آئرن وغیرہ دائیں بائیں سے باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں اور سامنے سے آنے والی گاڑی کا ڈرائیور لائٹس کی وجہ سے صحیح طرح سے دیکھ نہیں پاتا جس کے باعث حادثات پیش آجاتے ہیں۔ رات کے وقت اکثر ڈرائیور اپنی گاڑی کی لائٹس کو مدھم نہیں رکھتے۔ یہ عمل بھی خلاف قانون ہے اور حادثات کا باعث بھی۔

ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی روکنے کے لیے نہ صرف ٹریفک پولیس ذمہ دار ہے بلکہ عوام اناس میں بھی احساس ذمہ داری پیدا ہونا چاہیے۔ پیدل چلنے والے سڑک پار کرتے وقت زیر آکرا سٹگ کا استعمال کریں، سائیکل اور موٹر سائیکل والے سڑک کے بائیں جانب چلیں، حد رفتار کو ملحوظ خاطر رکھیں اور ون وہیلنگ جیسے جرم کا کسی صورت بھی ارتکاب نہ کریں۔ لائٹ ٹرانسپورٹ وہیکل (LTV) اور ہیوی ٹرانسپورٹ وہیکل (HTV) استعمال کرنے والے ڈرائیور نہ صرف اپنی اپنی لین میں گاڑی چلائیں بلکہ مجوزہ رفتار کا بھی خیال رکھیں اور اور لوڈنگ ہرگز نہ کریں۔ سائیکل، موٹر سائیکل، کار اور تمام چھوٹی بڑی گاڑیوں کے ڈرائیور ٹریفک کے اشاروں کا خاص خیال

رکھیں، سرخ جتی (سگنل) روشن ہو تو اپنی اپنی لین میں رہتے ہوئے رک جائیں، گاڑیاں بے ہنگم طریقے سے کھڑی نہ کریں، پہلی جتی کا مطلب ہے چلنے کے لیے تیار ہو جائیں جب کہ سبز جتی کا اشارہ بتاتا ہے کہ اب آپ گاڑی آگے بڑھا سکتے ہیں۔

بغیر انسٹنس اور بیماری کی حالت میں گاڑی ہرگز نہ چلائیں۔ والدین کم عمر بچوں کو کسی صورت موٹر سائیکل یا گاڑی وغیرہ نہ چلانے دیں۔ عوام اور ٹریفک پولیس دونوں طرف کا یہ باہمی تعاون ہی صورت حال کی بہتری کا ضامن بن سکتا ہے۔ ٹریفک پولیس کو مناسب تربیت اور جدید ٹیکنالوجی فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اس پیشے کو ہر طرح کے حرص و ہوس اور کرپشن سے پاک رکھا جائے۔ حکومتی سطح پر عوام کے لیے مختلف سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کی جائیں اور عوام کو ٹریفک کے اصولوں کی خلاف ورزی سے پیدا ہونے والے خطرات و حادثات سے آگاہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں ٹریفک کی خلاف ورزی کرنے والوں کو مناسب سزا دی جائے۔ جدید ذرائع اطلاعات و نشریات مثلاً ٹی وی، ریڈیو، اخبارات و رسالے اور انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے سے عوام کو ٹریفک قوانین کا شعور دینا چاہیے تاکہ لوگ خود معاشرتی اور ملکی سطح پر جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنا سکیں۔



## ۱۰ کسبِ حلال کی فضیلت

کسب اور حلال دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ کسب کے معنی ہیں کمائی، تحصیل، حصول جب کہ حلال کے معنی ہیں جائز، روا، درست، طیب، مباح وغیرہ۔ گویا کسبِ حلال سے مراد جائز کمائی کرنا اور رزقِ حلال کمانا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اے لوگو! ان (چیزوں) میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال (اور) پاکیزہ ہیں اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“ (سورۃ البقرہ: آیت ۱۶۸)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے سے بندوں کو حلال و طیب کھانے کا حکم صادر فرمایا ہے اور حرام چیزیں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ حرام اشیاء انسان کے اخلاق اور کردار کو بگاڑ دیتی ہیں جب کہ حلال، جائز اور پاکیزہ رزق سے دل روشن ہوتے ہیں۔ حلال رزق محنت کر کے کمایا جاتا ہے۔ اسی لیے محنت کرنے والے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ایسا رزق انسان کو نیک راہ چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جو لوگ رزقِ حلال کماتے ہیں، ان کا اخلاق اور کردار اتنا پاک صاف ہو جاتا ہے کہ ہر برے کام سے انھیں گھن آنے لگتی ہے۔ وہ بری صحبت سے اور برے افعال سے بچتے ہیں اور ایسی چیزوں کے کھانے پینے کی طرف قطعاً نہیں جاتے جنہیں حرام قرار دیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگیوں میں اللہ تعالیٰ برکت ڈال دیتا ہے۔ ان کی اولادیں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کی دنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی۔ ان کے مقابلے میں حرام رزق کمانے والے اور حرام خوردگی کرنے والے اپنی دنیا اور آخرت

برباد کر لیتے ہیں۔ ملاوٹ، خیانت، بددیانتی اور دھوکا دہی رزق حرام کے ذرائع ہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ حرام خوری صرف یہ نہیں کہ وہ چیزیں کھانا پینا جنہیں دین میں حرام قرار دیا گیا ہے بلکہ حرام کی دولت سے خرید کر کھایا گیا حلال جانور کا گوشت بھی سور کے گوشت جیسا اور حرام کی رقم سے خریدا گیا پاک صاف مشروب بھی شراب کی طرح حرام ہوتا ہے۔ حرام خوری سے اس فانی دنیا میں عارضی لذت تو حاصل ہوتی ہے لیکن حرام خور اپنے اخلاق و کردار کو داؤ پر لگا لیتے ہیں۔ بدنامی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ ان کا خون سفید اور دل رزق حرام کے سبب سیاہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک غلے کے ڈھیر کے قریب سے گزرے تو آپ ﷺ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ داخل کر دیا، آپ ﷺ کی انگلیاں تر ہو گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”غلے والے! یہ کیا معاملہ ہے؟“ اس نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول ﷺ، بارش سے بھیگ

گیا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے اوپر کیوں نہیں کر دیا تا کہ لوگ دیکھ سکیں۔“ پھر

آپ ﷺ نے فرمایا: جو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔“ (سنن ترمذی: ۱۳۱۵)

غور کیجیے! جسے رسول اللہ ﷺ فرمادیں کہ ”ہم میں سے نہیں ہے“ اس کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ ایسے بد نصیب کی دنیا کیا ہوگی اور انجام کیا ہوگا؟

جس کو برا حضورؐ نے سمجھا برا ہے وہ

اچھا ہے وہ حضورؐ ہی اچھا کہیں جسے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے مسجود ملائک ٹھہرایا ہے۔ زمین کی تہ سے لے کر آسمانوں کی بلندیاں تک اس کے سامنے مسخر ہیں۔ وہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتا ہے۔ وہ ستاروں پہ کندیں ڈال سکتا ہے۔ وہ معراج مصطفیٰ ﷺ سے خبر پا چکا ہے کہ آسمان کی وسعتیں اس کی زد میں ہیں۔ وہ جبر کو قدر میں بدل سکتا ہے لیکن رزق حرام کا حصول ایسا رذیل، گھٹیا، سطحی اور بد انجام فعل ہے جو اس کی بلند یوں کو پستیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ حرام رزق کمانے والے کو آسمان کی بلند یوں سے بیخ کر زمین کی پستیوں میں دبا دیتا ہے۔ اسی لیے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تاکید کی ہے:

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دیانت داری اور محنت سے روزگار کمانے والا شخص اپنا بھی بھلا کرتا ہے اور معاشرے کا بھی۔ ہماری روزمرہ کی اشیائے خورد و نوش اگر خالص ہوں تو یہ ہر شخص کے مفاد میں ہوگا۔ دودھ کی مثال ہی لیجیے، خالص دودھ ہر بچے، بڑے اور بوڑھے کی بنیادی غذا ہے۔ آنا، چینی،

دال اور کھجی کی بھی یہی مثال ہے۔ اسی طرح اپنے منصب سے انصاف کرنا بھی درحقیقت معاشرے اور اس کے افراد کو مفاد پہنچانا ہے۔

اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ حلال کمانے والا ہمیشہ دوسروں کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے تو بالکل درست ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”تم میں سے بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع دے۔“ (کنز العمال: ۴۴۱۴)

رزق حلال کے حصول کے لیے کوئی بھی جائز پیشہ اپنایا جاسکتا ہے۔ تعمیر و ترقی کا کوئی بھی محنت طلب کام کیا جاسکتا ہے۔ محنت مزدوری، کھیتی باڑی، گلہ بانی، ملازمت، تجارت اور عملی فنون یعنی ہنرمندی کا کوئی بھی کام (جس کی شریعت میں ممانعت نہ ہو) کیا جاسکتا ہے۔ انبیائے کرام میں سے زراعت حضرت آدم علیہ السلام کا پیشہ تھا، لباس تیار کرنا حضرت ادریس علیہ السلام کا پیشہ، بکریوں کا کاروبار کرنا حضرت شعیب علیہ السلام کا پیشہ، کشتی تیار کرنا اور بڑھنی کا کام کرنا حضرت نوح علیہ السلام کا پیشہ، بزازی (کپڑا بچپنا) حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیشہ، تیر بنانا، حضرت صالح علیہ السلام کا پیشہ، جوتے سینا اور ان کی تجارت کرنا، حضرت داؤد علیہ السلام کا پیشہ لوہے کی زرہیں بنانا تھا، جب کہ اعلان نبوت سے قبل حضور اکرم ﷺ بھی تجارت سے منسلک تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی محنت کر کے روزگار کمانے میں ذرا تامل نہ فرمایا۔ ان کی اکثریت تجارت سے منسلک تھی۔

انبیائے برحق، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے کسب حلال کے لیے ہر ممکن ذرائع اختیار کیے اور محنت کو عار سمجھنے کے بجائے اسے اپنے لیے باعث عظمت جانا۔ ان کی زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ ہمیں ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ کسی بھی جائز پیشے کو کم تر سمجھیں اور اس پیشے سے منسلک کسی بھی شخص کو حقیر جانیں۔ یقیناً محنت کرنے والا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے مطابق نہایت قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ دنیا میں وہی لوگ اور وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جن کا شعار محنت ہے۔ آج کے نوجوان اگر کسب حلال کی فرض و غایت اور اس کی اصل روح و فضیلت کو سمجھتے ہوئے محنت کو اپنا شعار بنالیں تو بے روزگاری کا کبھی شکوہ نہ کریں۔ ایسا شعار کسی بھی معاشرے کو خوش حال بنا دیتا ہے۔ بقول مولانا حالی:

وہی لوگ پاتے ہیں عزت زیادہ  
جو کرتے ہیں دنیا میں محنت زیادہ  
جو محنت نہ ہوتی تجارت نہ ہوتی  
کسی قوم کی شان و شوکت نہ ہوتی  
جو ہاتھوں سے اپنا کمایا وہ اچھا  
جو ہو اپنی محنت کا پیسا وہ اچھا

## ❶ قدرتی آفات

زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں  
کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں!

قدرتی آفات کا تعلق انسان یا اس سے وابستہ اشیاء اور اشخاص کی تباہ کاریوں سے ہے۔ ایسے قدرتی عوامل جو انسان کے لیے جانی اور مالی نقصان کا سبب بنیں، انہیں قدرتی آفات کہتے ہیں۔ ان آفات میں زلزلہ، سیلاب، ڈیٹنگلی وائرس، کرونا وائرس، پولیو، قحط سالی، آتش فشاں، زمین کا سرکنا، گردباد اور جنگل کی آگ وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے زلزلہ، سیلاب، کرونا اور ڈیٹنگلی وائرس ایسی قدرتی آفات ہیں جن کا دنیا کے دیگر ممالک طرح ہمارے پیارے وطن پاکستان کو بھی اکثر و بیشتر سامنا رہا ہے۔ ان تمام آفات میں بالخصوص زلزلہ ایک ایسی قدرتی آفت ہے جو اچانک وقوع پذیر ہوتی ہے اور بعض اوقات انتہائی تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ زمین کی اچانک حرکت، لرزش یا تھر تھراہٹ کو زلزلہ کہتے ہیں۔ زمین کے اندر کے مادے جب گرم ہو کر پھیلتے ہیں تو زمین پھٹتی ہے اور زور زور سے ہلنا اور کانپنا شروع کر دیتی ہے۔ زمین کا کانپنا کبھی تو اس قدر کم ہوتا ہے کہ زمین کے مکینوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی اور کبھی یہ اس زور سے کانپتی ہے کہ عمارتیں لرز کر رہ جاتی ہیں، گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے زور زور سے بچنے لگتے ہیں، شیشے ٹوٹ جاتے ہیں اور شدید زلزلے کی صورت میں انسانی بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں، پل ٹوٹ جاتے ہیں، سڑکیں، ریلوے لائنیں، پائپ لائنیں اکھڑ جاتی ہیں اور مواصلاتی نظام وغیرہ پر تباہ کن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انسانی ہلاکتوں کے ساتھ ساتھ ان کی جائیدادیں بھی تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ قدرتی آفت انسانوں کی بڑی بربادی کے ساتھ ساتھ درختوں، فصلوں، جانوروں اور دیگر انسانی وسائل کا بھی قلع قمع کر دیتی ہے۔

زلزلہ آیا اور آکر ہو گیا رخصت مگر  
وقت کے رخ پر تباہی کی عبارت لکھ گیا

اچانک رونما ہونے والا شدید زلزلہ کئی دوسری آفات کا بھی پیش خیمہ بنتا ہے۔ مثال کے طور پر زیر زمین لرزش اور عدم مطابقت کی وجہ سے آنے والا زلزلہ آتش فشاں پہاڑ سے لاوا اگلنے کا سبب بھی بن سکتا ہے، اس کی وجہ سے سونامی کے خطرات منڈلانے لگتے ہیں، پہاڑوں سے چٹانیں اور پتھر ٹوٹ کر گرتے ہیں جو قریبی آبادیوں میں مالی اور جانی نقصان کا باعث بنتے ہیں، گلیشیرز سے برف کے تودے دریاؤں میں گر کر سیلاب کا سبب بنتے ہیں اور زمین کا سرکنا کئی طرح سے وقوع پذیر ہونے لگتا ہے۔ یوں زلزلے کے نقصانات تو اپنی جگہ مگر اس کے نتیجے میں برپا ہونے والی آفات کے نقصانات صورت حال کو مزید سنگین بنا دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اب تک کئی چھوٹے بڑے زلزلے آتے رہے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کے شدید

ترین زلزلے سے پورا شہر برباد ہو گیا تھا اور تقریباً پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) افراد لقمہ اجل بن گئے تھے۔ ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء میں پاکستان کے شمالی علاقوں اور آزاد کشمیر میں آنے والا زلزلہ بھی انتہائی تباہ کن ثابت ہوا۔ اس زلزلے نے جو قیامت برپا کی، اس کا تھوڑا سا دل کانپ جاتا ہے۔ اس زلزلے نے مظفر آباد، بالاکوٹ، باغ، مانسہرہ، راولا کوٹ اور گردونواح کے علاقوں سمیت ایک وسیع و عریض سرزمین کو تباہ و برباد کر دیا، پہاڑ اپنی جگہ سے سرک گئے، چٹانیں ٹوٹ پھوٹ گئیں اور ندی نالوں کے رخ بدل گئے۔ اس زلزلے کے نتیجے میں تقریباً اسی ہزار (۸۰۰۰۰) انسانی جانوں کا ضیاع ہوا، لاکھوں لوگ معذور ہو گئے، بے شمار تعلیمی ادارے، دفاتر، نجی املاک، مال مویشی، گھر اور جائیدادیں پہاڑوں کے نیچے دھنس گئیں۔ اکتوبر ۲۰۱۵ء میں بھی شمالی پنجاب اور خیبر پختون خوا میں شدید نوعیت کا زلزلہ آیا۔ ریکٹر سکیل پر اس کی شدت ۷.۳ تھی۔ اس زلزلے نے بھی شمالی علاقوں میں بڑی تباہی مچائی، ہیکڑوں لوگ ہلاک ہوئے اور ہزاروں بری طرح متاثر ہوئے۔

زلزلے کی طرح سیلاب بھی ایک خطرناک قدرتی آفت ہے۔ بارش کے باعث جب دریاؤں میں پانی کا بہاؤ اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ سیلاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بارشوں کے علاوہ ڈیم کا ٹوٹنا اور پہاڑوں پر برف کا گھلنا بھی سیلاب کا سبب بن سکتا ہے۔ دریاؤں کا پانی جب اپنی حدیں پھیلا نکلتا ہوا شدید بہاؤ کے ساتھ میدانی علاقوں میں آتا ہے تو انسان، جانور، عمارت اور کھڑی فصلیں اس کی لپیٹ میں آ جاتی ہیں۔ یہ پھرا ہوا سیلاب ایک طرف انفرادی سطح پر مالی اور جانی نقصان کے سائے کی داستائیں چھوڑ جاتا ہے تو دوسری طرف ملک و قوم کی معیشت کو تباہ حال بنا دیتا ہے:

بستی کے گھروں کو کیا دیکھے، بنیاد کی حرمت کیا جانے

سیلاب کا شکوہ کون کرے، سیلاب تو اندھا پانی ہے

پاکستان جیسا ترقی پذیر ملک بوجہ اب تک بارشوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے کافی نقصان اٹھا چکا ہے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا سیلابی ریلوں کی تباہ کاریوں کی تحریروں اور تصویروں سے بھر پڑا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو سیلاب کے شدید ریلوں کی زد میں آ کر لقمہ اجل بنے اور زخمی ہوئے۔ کتنے ہی مویشی ہلاک ہوئے، کتنی ہی کھڑی فصلیں تباہ ہوئیں، کتنی ہی عمارتیں زمین بوس ہوئیں، کتنی ہی زیر کاشت زمینیں دریا برد ہوئیں اور اس سبب کتنے ہی وبائی امراض ہیں کہ جو انسانوں اور مویشیوں کی بیماری اور موت کا باعث بنے۔ بجلی کی بندش، سہولیات زندگی کی عدم دستیابی اور مہنگائی بھی سیلاب ہی کا ردعمل ہے۔ حکومت پاکستان کو تقریباً ہر سال ہی اس آفت سے نمٹنے اور سدباب کے لیے اربوں روپے کے وسائل استعمال کرنے پڑتے ہیں لیکن ۲۰۲۲ء میں آنے والے سیلاب نے تباہی و بربادی کی نئی تاریخ رقم کر دی۔ اس سال حکومت نے زیادہ بارشوں کے باعث پاکستان کے ۷۲ اضلاع کو آفت زدہ قرار دیا۔ پاکستان کی انجینیئری برائے انسداد قدرتی آفات کے مطابق بارشوں اور سیلاب کے باعث ۵۰۰۰ کلومیٹر سے زائد سڑکیں تباہ ہوئیں، ۱۲۰۰ سے زائد افراد ہلاک اور ۶۰۰۰ سے زائد زخمی ہوئے جب کہ تقریباً ۵۰۰۰ مویشی بھی موت کے منہ میں چلے گئے۔

سیلاب سے متعلق مناسب آگاہی اور انتہائی نظام، نکاسی آب کا انتظام اور زائد پانی ذخیرہ کرنے کے لیے چھوٹے بڑے ڈیمز کی تعمیر وقت کی اہم ضرورت ہے۔ سیلاب کے دنوں میں حکومت اور عوام کے باہمی اشتراک سے وبائی امراض کی روک تھام اور دیگر انسانی ساختہ وجوہات کا تدارک کیا جاسکتا ہے اور یہ اس خطرناک آفت سے بچاؤ کے لیے ناگزیر ہے۔

گزشتہ تین چار عشروں سے پاکستان کے طول و عرض میں ڈیٹنگلی بخار بھی ایک قدرتی آفت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ ڈیٹنگلی بخار مادہ مچھر (ایڈیز) کے کاٹنے سے ہوتا ہے۔ یہ مچھر منطقہ حارہ اور ذیلی منطقہ حارہ کے علاقوں میں پایا جاتا ہے جن میں پاکستان سمیت جنوب مشرقی ایشیا کے اور بھی بہت سے ممالک شامل ہیں۔ پاکستان میں اس وبا سے شروع شروع میں بہت سی ہلاکتیں ہوئیں لیکن بر وقت حکومتی اقدامات سے بڑھتی ہوئی ہلاکتوں پر توجہ دیا گیا لیکن اس مچھر کا ابھی تک خاتمہ نہیں ہو سکا۔ ڈیٹنگلی مچھر کی افزائش کا بڑا سبب عوام کی عدم احتیاط ہے۔ حکومت کی منظم کوششوں سے عوام کی اکثریت کو شعور حاصل ہو چکا ہے کہ چھتوں، کھلے میدانوں، کیاریوں، گملوں، بیکار نازوں اور کھلے برتنوں سمیت کسی بھی جگہ جمع شدہ کھڑا پانی مچھر کی افزائش کا ذریعہ ہے۔ اس لیے ہم سب پر لازم ہے کہ اس موذی وبا سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن احتیاطی تدابیر اپنائیں، کوشش کی جائے کہ کہیں پانی کھڑا نہ ہو، مچھر کش ذرائع استعمال کیے جائیں، سوتے جاگتے بازو، ٹخنے اور پاؤں ننگے نہ ہوں اور نکاسی آب کا مستقل انتظام کیا جائے۔ ڈیٹنگلی بخار میں مبتلا ہونے کی صورت میں مریض کو چاہیے کہ فوراً ڈاکٹر سے رجوع کرے اور ٹونے لوگوں سے دور رہے۔

ڈیٹنگلی بخار کی وبا کے علاوہ ۲۰۱۹ء میں کرونا وائرس سے پھیلنے والی وبا جسے COVID-19 نام دیا گیا ایک ایسی قدرتی آفت ہے جس نے تھوڑے ہی عرصے میں پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور لاکھوں افراد اس کی زد میں آ کر لقمہ اجل بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ حکومتی اور عوامی سطح پر احتیاطی تدابیر کو اپنانے اور بروقت ویکسینیشن کے سبب پاکستان اس مہلک وبا کے زیادہ نقصانات سے محفوظ رہا۔ کرونا وائرس مختلف اشکال میں اب بھی دنیا کے مختلف علاقوں میں پنپ رہا ہے اس لیے اب بھی اس سے خبردار رہنے اور تمام احتیاطی تدابیر کو جاری رکھنے کی از حد ضرورت ہے۔



## ۱۶ احساسِ تحفظ

احساسِ تحفظ ہر ذی شعور انسان کا بنیادی حق ہے اور اس تحفظ کی فراہمی ہر اس شخص کا اولین فریضہ ہے، جو مذہبی، معاشرتی، اخلاقی یا قانونی طور پر اس کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہو۔ ایسا معاشرہ جہاں لوگ ہر حوالے سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہوں، خوش حال معاشرہ کہلاتا ہے اور معاشرتی خوش حالی اسی وقت ممکن ہوتی ہے جب ہر فرد یہ محسوس کرے کہ اس کی بقا، اس کے معاشرے اور قوم و ملت سے وابستگی ہی میں مضمر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر فرد کا اس بات پر بھی پختہ یقین ہونا چاہیے کہ معاشرے کی تعمیر، تشکیل اور تقدیر اسی کے ہاتھ میں ہے۔

بچپن، جوانی اور بڑھاپا، زندگی کے وہ مراحل ہیں جن سے ہر شخص گزرتا ہے۔ ان تمام مراحل کے تقاضوں کو گناہ گار نبھانے والے افراد بہترین اور خوش حال معاشرے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ زندگی کے ان مراحل میں سب سے اہم مرحلہ بچپن کا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

کتابِ زندگی کا سب سے پہلا باب ہے بچپن  
ہماری آنے والی زندگی کا خواب ہے بچپن  
اسی مرکز سے رخ تبدیل ہوتا ہے نگاہوں کا  
یہیں سے سلسلہ چلتا ہے مستقبل کی راہوں کا

بچپن کے اس مرحلے میں ہر شخص جسمانی، ذہنی، سماجی اور جذباتی حوالوں سے نشوونما پاتا ہے۔ زندگی کا یہ مرحلہ بارہ سے سولہ سال تک کی عمر میں انتہائی حساس نوعیت اختیار کر لیتا ہے اور غضوانِ شباب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس عمر میں بچے بلوغت کے مرحلے میں قدم رکھتے ہیں۔ جسمانی ساخت میں تبدیلی عجیب سا ذہنی خلفشار پیدا کرتی ہے۔ خوشی، غم، غصہ اور برداشت جیسے جذبات عجیب ذہنی کیفیات سے دوچار کرتے ہیں۔ بچے کے تعلقات گھر اور سکول سے نکل کر عام معاشرے تک پھیل جاتے ہیں۔ اس لیے یہ دور بچے کے اخلاق، کردار، ذہنی پختگی اور بہترین شخصیت کی بنیاد کے لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ بچے مت نئے دوست بناتے ہیں اور ان کے اوقات کار نئے رخ اختیار کرتے ہیں۔ یہ نئے دوست اور نئی صحبتیں اگر:

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز  
کبوتر با کبوتر ، باز با باز

کی طرح محدود رہیں تو صورت حال تسلی بخش کہی جاسکتی ہے۔ اگر اس کے برعکس ہوں تو ان کا انجام یقیناً تباہ کن ہوگا۔ ہر جنس کی اپنی ایک فطرت ہے۔ اس لیے کسی بھی صورت میں غیر فطری ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

بچوں کو دوستی کے حوالے سے بہترین اور محفوظ ترین ماحول کی یقینی فراہمی والدین کی اولین ذمہ داری ہے۔ وہ جس طرح

اپنے بچوں کو پولیو، ٹی بی، ٹائیفائیڈ، خسرہ، ڈننگی بخار اور کرونا وائرس جیسی مہلک بیماریوں سے بچاؤ کے لیے ان کی ویکسینیشن کراتے اور دیگر حفاظتی تدابیر اختیار کرتے ہیں، کسی بھی دہشت گردی جیسی ہنگامی صورت حال سے بچنے کے لیے بچوں کے ارد گرد کے ماحول پر کڑی نظر رکھتے ہیں، اسی طرح انھیں چاہیے کہ بچوں کے تمام تفریحی مشاغل کو مثبت اور تعمیری بنائیں۔ بچوں کی زندگی میں نظم و ضبط لائیں اور بچوں کی دوستیوں کے معاملے کو موزونیت سے مشروط رکھیں۔ بچے اپنے والدین کو ہر طرح سے اپنا آئیڈیل سمجھتے ہیں۔ جھوٹ، فراڈ، چوری، بہتان تراشی، سگریٹ نوشی، دنگا فساد جیسی معاشرتی برائیوں کے منفی اثرات گھر اور ارد گرد کے ماحول سے بچوں پر براہ راست اثر انداز ہیں۔ لہذا ماں باپ، بہن بھائی، دادا دادی اور نانا نانی ایسے افراد ہیں جو گھر کا ماحول سازگار بنا سکتے ہیں۔ یہ تمام افراد اپنا رول ماڈل پیش کر کے بچوں کے غلط رویوں کی غیر محسوس طریقے سے نہ صرف اصلاح کر سکتے ہیں بلکہ انھیں ہر قسم کی غلط صحبت سے بچا کر محفوظ اور فعال فرد بنا سکتے ہیں۔

معاشرے کے اچھے برے لوگوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ایک بیٹی کو چاہیے کہ وہ اپنی ماں کو اپنی بہترین دوست سمجھے۔ اپنے روزمرہ معمولات اور مسائل کے بارے میں اپنی ماں کو خبردار رکھے اور دوستانہ ماحول میں اس سے ہر طرح کی رہنمائی طلب کرے۔ ماں بھی اپنی بیٹی کو اچھے انداز اور حکمت سے بتائے کہ اپنی ذات کی کیسے حفاظت کرتے ہیں اور کس طرح اپنے وجود کو اغیار سے دور رکھتے ہیں۔ ماں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیٹی میں اچھے برے لوگوں میں تمیز رکھنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ اسی طرح بیٹے کو چاہیے کہ وہ اپنے والد کا دوست بن جائے اور یقین رکھے کہ اس کے ساتھ اس کے والد صاحب سے زیادہ اچھی دوستی نبھانے والا اور کوئی نہیں ہے۔ والد کو بھی چاہیے کہ وہ اپنا رویہ اپنے بیٹے کے ساتھ دوستانہ رکھے۔ بچے کی صحبت کا دھیان رکھے اور اسے بتائے کہ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔ باپ اس امر کو بہر صورت یقینی بنائے کہ اس کا بیٹا کسی بدکماش، اوباش یا مشکوک شخص سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا۔ بچے معصوم اور کورے کاغذ کے مانند ہوتے ہیں جن پر والدین ہر طرح کی تحریر لکھ سکتے ہیں۔ بچوں کی تمام حرکات و سکنات پر والدین کی کڑی نظر انھیں بے راہ روی سے بچا سکتی ہے۔ بچوں کے کھیل کود، لباس، نہانا دھونا، سونا جاگنا، کھانا پینا اور پہننا اور ان سب پر مکمل توجہ رکھنا بچوں کے محفوظ اور خوش حال مستقبل کی بنیادیں ہیں۔ فہم و فراست رکھنے والے والدین اپنے بچوں کے معمولات، گفت و شنید اور چال ڈھال سے ان کے اخلاق و کردار کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صحابیات رضی اللہ عنہن کے روشن اخلاق و کردار کی مثالیں دے کر بچوں کی تربیت کرنی چاہیے۔ انھیں دینی اور سماجی حوالوں سے کاربائے نمایاں انجام دینے والے قوم کے سپوتوں کی داستانیں سنائی جائیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں بچوں کی اخلاقی تربیت کی جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو جو امور اپنانے کا حکم دیا ہے اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے ان کا عملی ثبوت پیش کر کے دکھایا ہے، ہر ماں کو ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اور اپنی بیٹی

کے لیے مثالی نمونہ بننا چاہیے۔ ایک والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال بن کر اپنے بیٹے کی حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسی تربیت کرے اور بیٹا اتنا معتبر، مؤدب اور مکمل انسان ثابت ہو کہ اپنے باپ کے حکم پر اپنے مال و جان سمیت سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی  
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندگی

بچوں کا سماجی اور اخلاقی شعور بہتر بنایا جائے۔ انھیں قوم و ملت کے نوجوانوں کی بہادری کے ایسے قصے سنائے جائیں جو انھیں بااعتماد، مضبوط اور بہادر بنائیں۔ ایسا بہادر کہ اگر کوئی غلط کار انھیں ورغلانے یا اغوا کرنے کی کوشش کرے تو یہ ننھے سپاہی اسے منہ توڑ جواب دے سکیں۔ بچوں کے تفریحی مشاغل کا مثبت اور تعمیری ہونا لازمی امر ہے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ سیر و تفریح اور مختلف کھیلیں ان کی جسمانی ساخت کو مضبوط تر بناتے ہیں اور ذہنی چٹنگی میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ تفریح کے معاملے میں یہ حقیقت ہر بچے پر واضح ہونی چاہیے کہ کسی بھی اخلاقی اور قانونی حد سے تجاوز کرنا تفریح نہیں بلکہ بغاوت اور بے راہ روی میں شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح ایسی تمام سرگرمیاں اور کھیل کود جو وقت کے ضیاع یا اخلاقی و جسمانی نقصان کا سبب بن سکتے ہیں، ان سے احتراز ضروری ہے۔

لڑکپن میں خواہ لڑکا ہو یا لڑکی سکول کی سطح پر بچوں کو دورانِ تدریس ایسے اساتذہ کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے جو انصاف کی کتابوں کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ باقاعدگی سے ان کی روحانی، جسمانی اور جذباتی تربیت پر مثبت اثرات مرتب کریں۔ اساتذہ کرام جو بچوں اور بچیوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک روحانی باپ کا درجہ رکھتے ہیں، ان کے ہر مسئلے کو سلجھانے میں ان کی مدد کریں تاکہ بچے بلا جھجک اپنا ہر مسئلہ ان کے سامنے پیش کر سکیں۔ بچوں کو سکول میں ایسا ماحول فراہم کیا جائے کہ انھیں کسی قسم کے عدم تحفظ کا احساس نہ ہو، تاکہ وہ نہایت سکون سے تعلیم و تربیت کے مراحل طے کر سکیں۔



## ۱۳ بدعنوانی (کرپشن) سے نجات

بدعنوانی انگریزی زبان کے لفظ Corruption کا اردو معنی ہے۔ ہر وہ برائی جو معاشرے میں کسی بھی قسم کے فساد کا باعث بنے ”کرپشن“ کہلاتی ہے۔ سود خوری، رشوت ستانی، سفارش، وعدہ خلافی، جھوٹ، ملاوٹ، تعصب، اقرار پروری، بددیانتی، ہر طرح کی چوری اور دیگر تمام سماجی برائیاں کرپشن ہی کے ذیل میں آتی ہیں۔ اگر ہم ایک خوش حال، منظم اور پرامن معاشرہ چاہتے ہیں تو ان تمام برائیوں سے نجات ناگزیر ہے۔ دین اسلام نہ صرف تمام قسم کی کرپشن کو ختم کرنے کی تاکید کرتا ہے بلکہ حضور ﷺ کی سیرت اقدس کی پیروی کی تلقین بھی کرتا ہے جو ایسے تمام پہلوؤں سے سچی ہوئی ہے جن کی پیروی کر کے تمام معاشرتی برائیوں سے بچا جاسکتا ہے اور معاشرے کو خوش حال اور مثالی بنا یا جاسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے ان (اعمال) کی وجہ سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمائے۔“ (سورۃ الروم، آیت: ۴۱)

دراصل انسان حرص و ہوس کی رو میں نہ کر اور خواہشات کا غلام بن کر ایسی تمام حدیں پار کر جاتا ہے جہاں سے کسی بھی برائی کا آغاز ہوتا ہے۔ ضرورت کے بجائے سہولت کی تلاش اور سہولت کے بجائے تعیبات کا تعاقب انسان کو سماجی برائیوں کی طرف راغب کر دیتے ہیں۔ انسان ناجائز طریقے سے ہر وہ چیز حاصل کرنا چاہتا ہے جس پر اس کا حق نہیں ہوتا۔ ان ناجائز ہتھکنڈوں میں رشوت ستانی اور سفارش زیادہ فساد برپا کرنے والے افعال ہیں۔

رشوت کسی بھی معاشرے کی جڑوں کو دیمک کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کر دیتی ہے۔ مختلف محکموں کے ملازمین رشوت لیے بغیر کسی بھی سائل کا جائز کام کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے اور رشوت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف سائل بھی اپنے جائز یا ناجائز کام کے لیے لوگوں کی منھیاں گرم کرنے پر نکلے رہتے ہیں۔ اس طرح مرتشی اور راشی دونوں رشوت کا بازار گرم کرنے میں پیش پیش نظر آنے لگتے ہیں۔ حالاں کہ اسلامی تعلیمات میں واضح طور پر آیا ہے کہ:

”رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا، دونوں جہنمی ہیں۔“ (طبرانی: ج ۱ / ص ۵۷۹)

رشوت کے عام ہونے کی بے شمار وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی وجہ دین اسلام سے دوری اور سنت نبوی ﷺ سے انحراف ہے۔ دوسری وجہ مذہبی اور سماجی اقدار کی عدم پیروی ہے۔ ہم لالچ اور حرص و ہوس میں آ کر اپنی شان دار اقدار کو پامال کر دیتے ہیں، جس کا نتیجہ رشوت ستانی کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں غربت اور جہالت بھی رشوت ستانی کے بڑے اسباب ہیں۔ رشوت کی دلدل میں دھنسا شخص کرپشن کو اپنے لیے ہنر اور فن سمجھتا ہے۔ اس پہلو کی طرف زمانہ حال کے مقبول مزاحیہ شاعر انور مسعود نے کیا خوش گوار انداز میں توجہ دلائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

کروں گا کیا جو کرپشن بھی چھوڑ دی میں نے

مجھے تو کوئی اور کام بھی نہیں آتا

رشوت کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے اور معاشرے کو اس سماجی بُرائی سے پاک کرنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں احکام الہی اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت کو اپنانا ہوگا۔ اپنے ملک میں تعلیم کو عام کرنا ہوگا اور بہترین اقدار کو رواج دینا ہوگا۔ رشوت خوری دور کرنے کے لیے کسی بھی درخواست، مقدمے یا فائل پر عمل درآمد کے لیے ایک محدود مدت مقرر کی جانی چاہیے تاکہ مسائل کو بار بار چکر نہ لگانے پڑیں اور اپنا جائز کام کرانے کے لیے بھی رشوت کی پیش کش نہ کرنی پڑے۔ عدل و انصاف کے تمام تر تقاضے اگر کوئی معاشرہ پورا کرے تو یقیناً رشوت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ ہمیں اور ہمارے بڑوں کو ایک رول ماڈل بن کر دوسروں کے سامنے پیش ہونا ہوگا۔ ہمیں معاشرے میں یہ احساس پیدا کرنا ہوگا کہ رشوت ایک لعنت ہے، یہ ہمارے معاشرے اور ہماری اولادوں کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

اے طائرِ لاہوتی! اُس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

رشوت ستانی کے علاوہ سفارش بھی ایک بہت بڑی سماجی بُرائی ہے۔ رشوت کی طرح اس کا استعمال بھی اگر ناجائز کاموں کے حصول کے لیے کیا جائے تو انفرادی اور اجتماعی سطح پر یہ بھی معاشرے میں ایک بڑا فساد برپا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ جب ہم سفارش کے بل بوتے پر کسی دوسرے کو اُس کے حق سے محروم کر کے ناحق کسی عہدے، جائیداد یا سامان وغیرہ پر قابض ہوں گے تو ہمیں سے معاشرتی عدم استحکام کا آغاز ہو جائے گا۔ سفارش کی بیماری جس معاشرے میں عام ہو جائے وہاں غریب بے بس اور کمزور لوگ پس کر رہ جاتے ہیں، جب کہ وہ لوگ جن کے تعلقات بڑے بڑوں سے ہوتے ہیں، سفارش اور تعلق کی بنا پر ناجائز کام کروا لیتے ہیں۔ یوں بے شمار نا اہل افراد اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو کر مختلف اداروں میں اپنی نا اہلی کی وجہ سے ترقی کے سفر کو روک دیتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرتی اور ملکی قوانین کو دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق بنایا جائے۔ عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کا طرزِ معاشرت اپناتے ہوئے رشوت اور سفارش کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی بدعنوانی کا خاتمہ کیا جائے۔ ہر مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے اور ایسے تمام عناصر کا احتساب کیا جائے جو کرپشن کے حوالے سے کسی بھی گناہ کے مرتکب ہوں۔ عدل و انصاف کو معاشرے میں عام کیا جائے۔ نوکریوں کے سلسلے میں میرٹ اور اہلیت کو فوقیت دی جائے۔ تعلیم کو عام کر کے معاشرتی شعور کو بیدار کیا جائے، جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے فرق کو لوگوں کے اذہان و قلوب میں بسایا جائے۔ اس کے لیے میڈیا کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم سچے اور سچے مسلمان بن جائیں اور حُبِ الوطنی کے تقاضوں کو پورا کرنے لگیں تو یقیناً ہمارا معاشرہ اور ہمارا ملک تمام برائیوں سے پاک ہو سکتا ہے۔

## ۱۷ پاکستان چین اقتصادی راہداری

پاکستان اور چین کے تعلقات باہمی مفادات پر مبنی ہونے کے باوجود حقیقت دونوں ممالک کے مابین محبت بھرے گہرے جذبات کے ترجمان ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ پاکستان چین تعلقات بحر الکامل سے زیادہ گہرے اور کوہ ہمالیہ سے زیادہ بلند ہیں، تو یہ بالکل سچا ہے۔

پاکستان چین اقتصادی راہداری ۴۶ ارب ڈالر مالیت کا دوطرفہ منصوبہ ہے۔ گمان ہے کہ یہ منصوبہ تکمیل پذیر ہونے کے بعد خطے کے لیے کایا پلٹ (Game Changer) ثابت ہوگا۔ یہ اقتصادی منصوبہ تین ہزار کلومیٹر شاہراہات کے ذریعے چین کے شہر کاشغر کو پاکستان کی جدید بندرگاہ گوادر سے منسلک کر دے گا۔ کاشغر چین کی اکثریت مسلم آبادی کے صوبے سنکیانگ کا دار الحکومت ہے اور یہ وہی شہر ہے جو قدیم زمانے میں شاہراہ ریشم پر اہم ترین پڑاؤ رہا ہے اور جس کے بارے میں مفکر مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا تھا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لیے  
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

پاکستان اور چین دونوں ممالک کے اقتصادی ماہرین کا بڑے وثوق کے ساتھ کہنا ہے کہ اس ربط ضبط کے بڑے دور رس اقتصادی اثرات مرتب ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مرکزی شاہراہ کے ساتھ ساتھ بالائی ڈھانچے کے طور پر دوسرے ترقیاتی منصوبے بھی شروع کیے جا رہے ہیں۔

پینلزری پبلک آف چائنا (چین) نے قومی حمیت اور عزم و حوصلہ کی بنا پر اپنی اقتصادی طاقت کا لوہا دنیا بھر سے منوایا ہے۔ دونوں سپر پاور یعنی امریکہ اور روس کے علاوہ یورپی یونین، ایشیا اور آسٹریلیا کے لوگ اس ملک کی طرف حیرت و استعجاب کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ چین جب اپنے تمام منصوبے مکمل کر لے گا تو اس کی ہمہ جہت صلاحیت میں حیرت انگیز اضافہ ہو جائے گا مگر سر دست ہمارا روئے سخن فقط چین پاکستان اقتصادی راہداری کی طرف ہے اور ہم اس امر پر اجمالی روشنی ڈالیں گے کہ اس منصوبے کی دونوں ملکوں کے لیے کس قدر اہمیت و افادیت ہے۔

ظاہر بات ہے کہ چین پاکستان اقتصادی راہداری منصوبے کی وجہ سے چین کو بحر ہند کے گرم پانیوں تک رسائی حاصل ہو جائے گی اور اسے مشرق وسطیٰ سے توانائی کی درآمدات میں سہولت میسر آ جائے گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کو بھی چند اقدامات اٹھانے سے شدید توانائی بحران سے نجات مل جائے گی۔ اس منصوبے کی وجہ سے پاکستان میں واٹر، سولر اور تھرمل پاور پلانٹس کی یکے بعد دیگرے تنصیب ہو رہی ہے جس کی وجہ سے پاکستان کو ۱۳۴ ارب ڈالر کی بچت ہوگی۔ اس منصوبے میں ایران، روس اور سعودی

عرب کی شمولیت کی شدید خواہش نے اس کی اہمیت دو چند کر دی ہے۔ یہ اقتصادی منصوبہ ترقی پذیر پاکستان کے لیے امکانات کی ایک وسیع کائنات ہے۔ پاکستان کی ہمہ جہت اقتصادی ترقی کے سوتے اسی منصوبے سے پھولیں گے۔ اس معجز نما اقتصادی کرشمے کا ایک بڑا حصہ کوہ قراقرم کے سنگلاخ اور دشوار گزار ترین پہاڑی سلسلے کے دروں سے گزرتا ہے۔ ان راستوں سے سڑک گزارنے میں بے شائبہ و بلا مبالغہ خون جگر شامل ہوا ہے۔ جس کسی نے ان راستوں سے سفر کیا ہے، اسے علامہ اقبال کا یہ شعر جو انہوں نے ہسپانیہ میں مسجد قرطبہ کی حیرت انگیز تعمیر کا مشاہدہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ ضرور ذہن میں آتا ہے:

نقش ہیں سب نا تمام ، خون جگر کے بغیر  
نغمہ ہے سودائے خام ، خون جگر کے بغیر

سی پیک کے منصوبے کا، جسے ہم نے معجز نما کہا ہے، ایک دوسرا پہلو، جو اب تک پوری توجہ حاصل نہیں کر سکا، یہ ہے کہ اس کی بدولت پاکستان کی بحری قوت میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔ سی پیک کے تحت چین پاکستان کو آٹھ ایٹمی آبدوزیں دے رہا ہے، جو ہماری بحریہ کی صلاحیت کو مزید فعال اور مستحکم بنا دیں گی۔

فی زمانہ گوادر بندرگاہ کو تجارتی مقاصد کے لیے ترقی دی جا رہی ہے لیکن وہ دن دور نہیں جب اسے دفاعی مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جائے گا۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری منصوبے سے پاکستان کے چاروں صوبوں کو معاشی فوائد حاصل ہوں گے اور اس سے یقیناً وطن عزیز میں مجموعی طور پر خوشحالی کے دور کا آغاز ہوگا۔

انتہا پسندی، دہشت گردی، غربت، جہالت اور بے روزگاری کا خاتمہ، اس منصوبے کے وہ ثمرات ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سی پیک منصوبے سے پاکستان کے آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک، امریکہ اور دوسرے ممالک پر معاشی انحصار کی ضرورت نہیں رہے گی۔ گویا یہ منصوبہ ہماری معاشی آزادی کی مضبوطی کی ضمانت ہے اور یہ بات کہنے میں کوئی خوف تردید نہیں ہے کہ یہ منصوبہ ہماری معاشی ترقی اور خوشحالی کا پاسپورٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت نے جو ہمیں اپنا بڑا دشمن گردانتا ہے اور ہمیں ذک پہنچانے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتا، سی پیک منصوبے کو سبوتاژ کرنے کے لیے تیس کروڑ ڈالر مختص کیے ہیں اور اس حوالے سے اپنی تخریب کارانہ سرگرمیوں کا آغاز بھی کر دیا ہے جس کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ ایک تو اس نے مقبوضہ کشمیر میں نبتے کشمیریوں پر ظلم و بربریت کا سلسلہ بڑھا دیا ہے، دوسرے ایل او سی (لائن آف کنٹرول) پر چھیڑ خانی شروع کر دی ہے اور تیسرے اس منصوبے کے بحری راستے میں بد معاشی پر کمر بستہ ہے۔ چند روز پہلے ایک بھارتی آبدوز ہمارے پانیوں میں گھس آئی مگر ہماری بحریہ کو چونکا دیکھ کر اسے راہ فرار اختیار کرتے بنی۔ چونکہ سی پیک منصوبے کی کامیاب تکمیل کی گارنٹی ہماری مسلح افواج نے بطور ادارہ دی ہے، اس لیے ابھی تک بھارت کی مذموم سرگرمیاں مسلسل ناکامیوں سے دو چار ہو رہی ہیں۔ ہم بطور پاکستانی قوم اس امر سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ پاکستان کی مجموعی ترقی و خوشحالی ہمارے ازلی دشمنوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ وہ تھوڑا سا مزید انتظار کریں، اس منصوبے کی وجہ سے پاکستان کا آنے

والا کل انھیں ایسی کئی مزید حیرتوں سے دوچار کرے گا۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گوادر کے بارے میں، جو سی پیک منصوبے کا محور ہے، مختصراً چند حقائق بیان کیے جائیں۔ گوادر میں سارا سال تیز و تند ہواؤں کا راج رہتا ہے، اس لیے اس جگہ کا نام گوادر پڑ گیا۔ کل تک گوادر غریب مچھیروں کی بستی تھی اور یہ خطہ سلوقی سلطنت کا حصہ تھا اور اس علاقے کے لوگوں کو ”ماہی خوراں“ کہا جاتا تھا، ہوتے ہوتے یہی لفظ ”مکران“ بن گیا۔ ابتدا میں بلوچستان کا نام بھی مکران تھا اور شاید اس بنا پر ابھی تک اس ساحلی پٹی کو ساحل مکران کہا جاتا ہے۔ گوادر کراچی سے مغرب کی جانب سات سو کلومیٹر کی دوری پر اور خلیج فارس سے مشرق کی جانب ساڑھے تین سو کلومیٹر دور واقع ہے۔ ایرانی بندرگاہ چابہار سے اس کا زمینی فاصلہ تقریباً ایک سو کلومیٹر ہے جو ۶ نوٹیکل جتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ گوادر ایسا علاقہ شمار ہوتا تھا جہاں سیکڑوں میل تک نہ کوئی آدم نہ آدم زاد، ایک طرف تاجدنگاہ ریت کے ٹیلے تو دوسری جانب قدرت کا بیش بہا عطیہ یعنی آئینے کی طرح صاف و شفاف اور وسیع و عریض سمندر کی فلک شکاف شور مچاتی جھاگ اڑتی لہریں جو چٹانوں سے سرکلراتی نظر آتی ہیں۔ اس علاقے کو، جو کسی زمانے میں سلوقی سلطنت کا حصہ شمار ہوتا تھا اور مغلوں کی عظیم سلطنت کا حصہ بھی رہا، نامعلوم وجوہ کی بنا پر ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ خان آف قلات نے جب اپنی بیٹی کی شادی سلطنت عمان کے شہزادے سے کی تو گوادر کو ایک شکارگاہ کے طور پر بیٹی کے جہیز میں دے دیا چنانچہ ایک عرصے تک گوادر سلطنت عمان ہی کا حصہ رہا۔ حکومت پاکستان نے اسے پچاس سال پہلے سلطنت عمان سے خرید کر یکم جولائی ۱۹۷۱ء کو صوبہ بلوچستان میں ضلع گوادر کے طور پر ضم کر دیا۔

مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ اب زمانہ بدل گیا ہے اور دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے۔ اب انھیں اپنے اور اپنی اولاد کے تابناک مستقبل کے لیے زمانے کا ساتھ دینا ہوگا اور اگر اب بھی وہ پرانی ڈگر پر چلیں گے تو یہ ان کی ناسمجھی ہوگی۔ انھیں قدرت کے اس شاندار عطیے پر خداوند کریم کے بعد اپنے وطن عزیز کی حکومت اور چین کا بھی شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان کا علاقہ جلد ہی ترقی یافتہ دنیا کے شانہ بشانہ چلے گا۔

گوادر پورٹ کے بروئے کار آنے پر پاکستان اقتصادی لحاظ سے ”ٹیک آف“ کی پوزیشن میں آ گیا ہے۔ یہ تاریخی منصوبہ پاکستان کی مجموعی معاشی ضروریات کا وہ حتمی علاج ہے جسے قوم نے بالآخر اپنے آزمودہ دوست چین کی مدد سے پایا ہے۔ اس معجزاتی اور کرشاتی منصوبے کا مرکز و محور، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، ہمارا صوبہ بلوچستان ہے۔ سی پیک اور گوادر پورٹ کے معاملے میں بلوچ عوام کی سوچ کو مثبت کرنے اور انھیں درست طریقے سے فائدہ پہنچانے کے لیے فوری طور پر خب سے لے کر چین و ژوب تک ہر ضلع میں ایسے ٹیکنیکل ٹریننگ سنٹرز قائم کیے جا رہے ہیں جہاں مکینیکل، الیکٹریکل، الیکٹرونکس، ریفریجیشن اور ٹیلی کمیونیکیشن سمیت تمام ممکنہ شعبوں میں میٹرک پاس طلبہ و طالبات کو تعلیم دی جائے گی۔ یہ بات طے پا گئی ہے کہ ان ٹیکنیکل سنٹرز کو ہنگامی طور پر سی پیک

منصوبے کی تحت قائم کر کے ہر ضلع میں چینی زبان کی تعلیم کا فوری طور پر آغاز کیا جائے۔ بلاشبہ دہئی آج ایک بین الاقوامی شہر اور دنیا بھر کے لیے نمایاں تجارتی مرکز بن چکا ہے۔ دہئی نے اپنی بندرگاہ اور انٹرنیٹ پورٹ کو ٹیکس فری قرار دے کر ایسی پالیسیاں تشکیل دی ہیں کہ یہ جگہیں دنیا بھر کی تجارتی سرگرمیوں کا محور بن گئی ہیں۔ ہمیں گوادری کو انہی خطوط پر ترقی دینا ہوگی۔ اس کے لیے ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم گوادری میں بیٹھے پانی کی فوری فراہمی کے منصوبوں کو ہنگامی بنیادوں پر مکمل کریں۔ اس کے علاوہ ایسے اقدامات اٹھانے کی بھی ضرورت ہے جس سے گوادری جدید شہری سہولتوں سے آراستہ ہو سکے۔ ہمیں مجموعی طور پر بلوچستان کے عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کو اولین ترجیح بنانا چاہیے تاکہ وہ لوگ اس منصوبے کے شیریں ثمرات سے مستفید ہو سکیں۔ بلوچستان میں تعلیم کی طرح صحت کی سہولیات بھی ناپید ہیں چنانچہ اس طرف بھی بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سی پیک ضمنی منصوبوں میں سرکاری ملازمتوں کی میرٹ پر فراہمی بھی ایک ایسا ناگزیر اقدام ہے جس پر عمل درآمد کیا جانا چاہیے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر بلوچی عوام کا معیار زندگی بلند ہوگا تو ہمارا دشمن انھیں ملک و ملت کے خلاف استعمال نہیں کر سکے گا۔

بفضل تعالیٰ گوادری دنیا کے سب سے بڑے بحری تجارتی راستے پر واقع ہے جو اپنے قدرتی شاندار محل وقوع اور زبردست تعمیر جدید ترین گہرے پانیوں کی بندرگاہ کے باعث عالمی سطح پر معروف ہے۔ آنے والے وقت میں نہ صرف پاکستان بلکہ چین، افغانستان اور وسط ایشیا کے ممالک کی بحری تجارت کا دار و مدار اسی بندرگاہ پر ہوگا اور ہمیں یہ معجزہ دکھانا ہوگا کیونکہ بقول علامہ اقبال:

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں  
جو ضربِ کلیسی نہیں رکھتا ، وہ ہنر کیا !



## ۱۵ توہم پرستی اور ہمارا معاشرہ

آج کا دور انسانی ترقی کے عروج کا دور ہے۔ انسان چاند پر قدم جمانے کے بعد سے نئے سیاروں اور ان دیکھے جہانوں کی کھوج اور ان تک رسائی میں لگا ہوا ہے۔ ایک طرف تو یہ اور دوسری طرف جدید ذرائع نے دنیا کو گلوبل ویلیج بنا کر رکھ دیا ہے۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھا کوئی بھی شخص کسی دوسرے شخص سے لمحوں میں ہم کلام ہو سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان ذرائع کے سبب دنیا بھر کی معلومات تک رسائی ایک کلک کی دوری پر دھری رہتی ہے۔ سائنسی ترقی کی اس معراج پر بھی انسان تہذیبی اور معاشرتی سطح پر کئی حوالوں سے زوال کا شکار چلا آ رہا ہے۔ ان میں سے ایک برائی جو دوسرے معاشروں کی نسبت ہمارے معاشرے میں کم ہونے کا نام نہیں لے رہی، وہ ہے ”توہم پرستی“۔ سائنس کی بنیاد عقل اور عقلی دلائل پر ہوتی ہے جب کہ توہم پرستی کا کوئی عقلی جواز موجود نہیں ہوتا۔ لفظ ”توہم پرستی“ کے لغوی معنی بھی وہم کی پرستش یا پوجا اور خلاف عقل باتوں کو تسلیم کرنا کے ہیں۔ بد قسمتی سے ہمارا معاشرہ توہم پرستی کے جال میں اس قدر الجھ چکا ہے کہ اس سے ٹھٹھکا رہا پانا جوئے شیر لانے کے مترادف لگتا ہے۔

لوگ جہالت، کم علمی، دینی شعار سے غفلت اور اسلامی تعلیمات سے دوری کے باعث اپنی مذہبی اقدار و روایات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اندھا دھند توہم پرستی کا پرچار کرنے والوں کا شکار ہو گئے ہیں اور جعلی عالموں کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ انسان تو انسان وطن عزیز میں تو جانوروں اور پرندوں کے ناموں تک سے دلی مرادیں وابستہ کر لی جاتی ہیں۔ اس سائنسی دور میں اس طرح کے واہموں کی قطعاً گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم عطا کی ہے، اسے اچھائی، برائی کا شعور دیا ہے۔ حق اور باطل میں تمیز کرنے کے لیے انبیاء و رسل بھیجے گئے اور آسمانی کتابیں نازل کی گئیں۔ روحانی بالیدگی اور ذہنی وفکری نشوونما کا نتیجہ یہ ہے کہ دلوں سے خوف، ڈر اور نفع نقصان کے اندیشے نکال دینے چاہئیں۔

وہ مسلم معاشرہ جس کی بنیاد ہی یقین اور تقویٰ پر ہے اور جن کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی اجازت اور علم کے بغیر یہاں پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ وہ وحدہ لا شریک ہے اور کوئی بھی مخلوق اس کے منصب تک پہنچنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ وہ خالق ہے اور اپنی مخلوق کا سوال کرنا، مخلوق کا اللہ سے امیدیں وابستہ کرنا اور پھر نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا انھیں بے حساب نوازنا اس ذات باری تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اس نے انسانوں کو جس لغزش، خطا یا گناہ سے بار بار متنبہ کیا ہے، وہ شرک ہے، انسانی زندگی کا یہ واحد گناہ ہے جس کی معافی نہیں ہے۔

اس عقیدہ تو حید کا پیروکار ہونے کے باوجود ہم لوگ اگر توہم پرستی کا شکار ہو رہے ہیں تو یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ ہم نہ صرف اپنے عقائد سے روگردانی کر رہے ہیں بلکہ ان خرافات میں پڑ کر اپنا وقت اور پیسہ دونوں برباد کر رہے ہیں۔ اگر ہم تاریخ کے اوراق سے رجوع کریں یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں پر نظر کریں تو پتا چلتا ہے کہ ان غیر اسلامی رویوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ پاکستانی معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں نہ صرف غریب اور ان پڑھ طبقہ دین میں ملاوٹ اور خرابی کا باعث ہے

بلکہ معاشرے کا بظاہر پڑھا لکھا اور باشعور ہونے کا دعویٰ کرنے والا ایک وسیع حلقہ بھی ان خرافات کا شکار ہے۔ ان غیر اسلامی اور غیر عقلی تصورات کے راسخ ہونے کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ زوال وادبار کا شکار ہو گئی۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور نظم ”ساقی نامہ“ میں لکھا:

حقیقت خرافات میں کھو گئی

یہ اُمت روایات میں کھو گئی

جب صورت یہ بنی تو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ساقی نامہ میں ہی اُمتِ مسلمہ کے زوال کا نقشہ ان لفظوں میں کھول کے رکھ دیا:

بجھی عشق کی آگ ، اندھیر ہے

مسلمان نہیں ، راکھ کا ڈھیر ہے

ہم لوگ اپنی مذہبی اقدار کو اس قدر کھوکھلا کر چکے ہیں کہ شرپسند عناصر ان کا فائدہ اٹھا کر ہمیں ہمارے اپنے لوگوں کے خلاف کر رہے ہیں اور ہم ان کے ہاتھوں کٹھ پتلیاں بنے ان کے اشارہ ابرو پر رقص کنناں ہیں۔ شہروں کا حال بھی دیہاتوں سے کچھ مختلف نہیں۔ کہیں ساس اپنی بہو کے خلاف تعویذ گنڈے کروا رہی ہے تو کہیں بہو اپنی ساس کا ناطقہ بند کرنے کے لیے جعلی بیروں فقیروں اور عاملوں کی جبین گرم کر رہی ہے۔ کچھ معصوم لوگوں کو اولاد دینے کے نام پر ٹوٹا جا رہا ہے اور کچھ لوگ فکرِ معاش سے تنگ آ کر ان بیروں فقیروں اور عاملوں کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

بعض لوگ اس حد تک اخلاقی زوال کی پاتال میں گر چکے ہیں کہ اپنے مذموم مقاصد کی خاطر لوگوں کی جان لینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ دیہاتوں میں لوگ خودی قرضے لے کر اپنے مقدمات کے حسبِ منشا فیصلے کروانے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے جعلی بیروں کا کاروبار چکاتے دکھائی دیتے ہیں۔

توہم پرستی کی ایک اور قسم جس کا شکار ہمارا معاشرہ ہو رہا ہے اور جو اس دور میں زمانہ جاہلیت کی تصویر پیش کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ آج بھی بیٹی کو بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔ بیٹی کے پیدا ہونے پر آنسو بہانے جاتے ہیں اور رشتہ دار باقاعدہ افسوس کرنے آتے ہیں۔ بیٹے کی آرزو کے لیے کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ شوہر کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے تعویذ دھاگوں کا سہارا لیا جاتا ہے جب کہ گھر میں ہر وقت افراتفری میں رہتا ہے۔ مزید برآں اور کچھ نہ ہو تو مختلف توہمات کے نتیجے میں کئی کام روک دیے جاتے ہیں۔ بعض دنوں کو منحوس قرار دیتے ہوئے سفر سے گریز کیا جاتا ہے اور بعض دنوں کو سعد تصور کرتے ہوئے ضروری کام انجام دینے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

توہم پرستی کی زندہ مثالیں ہمیں اپنے معاشرے میں ملتی ہیں مثلاً: اگر کالی بلی راستہ کاٹ جائے تو اُس راستے پر جانا درست نہیں سمجھا جاتا، کانچ کا برتن ٹوٹ جائے تو اسے برا شگون سمجھا جاتا ہے۔ گھر کی مُنڈیر پر کوا کا مین کا مین کرے تو اسے مہمان کی آمد کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ انڈین ٹیلی ڈراموں اور فلموں نے ان توہمات کو مزید فروغ دیا ہے جس کے ہمارے معاشرے پر بدترین

اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

بجائے اس کے کہ ہم اس کی اصلاح کریں ہم آئے دن تو ہم پرستی کا شکار ہو کر اپنے مقاصد سے دُور ہوتے جا رہے ہیں جو کہ ہمارے معاشرے کی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

تو ہم پرستی ہمارا طرز احساس اور طرز حیات بن چکی ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تو ہم پرستی ترقی کی شاہراہ پر آگے بڑھنے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، جو لوگوں کو نئی ٹیکنالوجی اور نئے تغیرات کو قبول نہیں کرنے دیتی۔ لوگ فرسودہ رسوم و رواج کو سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔ یہ افسوس ناک صورت حال نہ صرف معاشرتی طور پر بلکہ معاشی اور سیاسی طور پر بھی ہمارے معاشرے کو کمزور کر رہی ہے۔

معاشرے کے تمام طبقات کو بیدار ہونا ہوگا اور ایسے اقدامات اٹھانا ہوں گے جو لوگوں کو توہمات کی پُر فریب دُنیا سے نکال کر حقیقت کی دُنیا سے رُو شناس کرائیں۔ ایک باشعور اور صحیح الفکر معاشرے کا قیام ہمارا اولین مقصد ہونا چاہیے۔ یہ ملک و قوم کی ترقی اور سالمیت کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ عوام ان توہمات کی دلدل سے نکل کر پاکستان کو درپیش مسائل کا مقابلہ مکمل یکسوئی اور تن دہی سے کر سکیں۔ اس طرح کی سماجی بُرائیوں کے خاتمے کے لیے معاشرے کے ہر فرد اور ادارے کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔



## ۱۶ اُردو کی مقبولیت کے اسباب

اردو اس وقت دنیا کی چند بڑی زبانوں میں سے ایک ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں میں چینی اور انگریزی کے بعد تیسری بڑی زبان اردو ہے۔ اس کے بولنے اور سمجھنے والے دنیا کے تقریباً ہر خطے اور ہر ملک میں موجود ہیں اور اس کے حلقہ اثر کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ انگریزی کے بعد دنیا کی سب سے بڑی زبان ہے۔ پاکستان میں اردو کو قومی زبان کا درجہ حاصل ہے اور یہ ملک بھر میں رابطے کی واحد زبان ہے۔ اگرچہ پاکستان میں صوبائی سطح پر پنجابی، سندھی، بلوچی، پشتو، سرائیکی اور پوٹھوہاری وغیرہ بولی جاتی ہیں مگر ان کا دائرہ اثر صرف مقامی سطح تک محدود ہے جب کہ اردو واحد زبان ہے جو طورخم سے کراچی تک، سمجھی، بولی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔ بلکہ بھارت، بنگلہ دیش اور سارک کے دوسرے ملکوں میں بھی اس کی مقبولیت کچھ کم نہیں۔ یہاں کے بیشتر باشندے، بالخصوص شہری آبادیوں میں رہنے والے اردو بولتے اور سمجھتے ہیں اور اردو پڑھنے لکھنے والوں کی تعداد بھی کروڑوں میں ہے۔ گویا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جنوبی ایشیا میں اردو وہ زبان ہے جسے طورخم سے چٹاگانگ اور کوہ ہمالیہ سے لے کر جزائر مالدیپ تک قبول عام کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک اور یورپ، امریکہ، کینیڈا، افریقہ، آسٹریلیا اور ایشیا کے دوسرے ملکوں میں بھی اردو بولنے اور سمجھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ دنیا کی بیشتر معروف یونیورسٹیوں مثلاً کیمبرج یونیورسٹی، آکسفورڈ یونیورسٹی، کنگز کالج لندن، لندن یونیورسٹی، کولمبیا یونیورسٹی، شکاگو یونیورسٹی، انٹرنیشنل یونیورسٹی کیلیفورنیا، میک گل یونیورسٹی کینیڈا وغیرہ میں ضرورت کے تحت اردو کی تدریس کے شعبے قائم ہیں، جن میں اردو سیکھنے والوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ لطف یہ ہے کہ متذکرہ یونیورسٹیوں کے علاوہ بھی دنیا کی کئی اور یونیورسٹیوں میں اردو میں پی ایچ ڈی تک کی ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ پاکستان کی یونیورسٹیوں میں بھی دوسرے ملکوں سے طلبہ اردو پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں اردو جاننے اور بولنے والوں کی مجموعی تعداد ڈیڑھ ارب سے متجاوز ہے جو اردو کی عام مقبولیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

اردو بجائے خود ترکی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی لشکر یا فوج کے ہیں۔ مغل شہنشاہ شاہجہاں کے دور حکومت میں جو شاہی لشکر دہلی میں مقیم رہا وہ اردو یا اردوئے معلیٰ کہلاتا تھا اور چونکہ یہ زبان لشکری بولتے تھے۔ اس لیے یہ زبان اردو کہلائی۔ اسی لیے پہلے پہل ثقہ قسم کے لوگ اس میں بول چال کرنے سے بچنے کی کوشش کرتے اور اس کے لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے رہے لیکن رفتہ رفتہ اس کے قدم جمتے گئے۔ مغلیہ سلطنت کے دور انحطاط میں اس میں خوب نکھار پیدا ہوا۔ عوام کے ساتھ ساتھ خواص نے بھی اسے اپنایا۔ شعرا نے اسے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا اور اس میں بہت کچھ صفائی پیدا کی اور نئی نئی تراش خراش سے اسے خوب آراستہ و بجا آراستہ کر دیا۔ مغلیہ

سلطنت کے زوال کے بعد برصغیر پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ انگریز ہندو اور مسلمانوں دونوں سے الگ بالکل ایک غیر اور اجنبی قوم تھی جو سات سمندر پار سے آئی تھی۔ اس کی زبان، اس کی تہذیب، اس کے معاشرتی حالات یہاں سے بالکل جداگانہ تھے مگر اس قوم کے لیے بھی، برصغیر میں مضبوطی سے قدم جمانے کے لیے، سوائے اردو کا سہارا لینے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اس طرح غیر مہوس طریقے سے انگریز بھی اردو کی ترویج و اشاعت کا تیسرا بڑا سبب ہوئے۔

اردو بلاشبہ ایک مرکب زبان ہے لیکن ہندی نژاد ہے۔ جس پر عربی، ترکی، فارسی اور انگریزی کے اثرات سب سے زیادہ ہیں۔ مختلف زبانوں کے الفاظ بنیادی عناصر کی صورت میں اس کثرت سے اور اس طرح اردو میں داخل ہو گئے ہیں کہ اب انھیں اس مرکب سے علیحدہ کرنا محال ہے اور شاید اسی وجہ سے اردو کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ یہ دوسری زبانوں کے الفاظ اپنے اندر بآسانی جذب کر لیتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس میں ہر شخص کے لیے ایک انجانی سی کشش ہے۔ دوسری بات یہ کہ اردو جن جن زبانوں سے مل کر بنی ہے ان تمام زبانوں کی بیشتر خوبیاں بھی اس میں آگئی ہیں۔ مثلاً ہندی میں یہ خوبی ہے کہ اس کے الفاظ نرم و شیریں اور کول ہیں اور ان میں ایک دل آویزی موجود ہے۔ عربی میں جو فصاحت و بلاغت ہے وہ کسی دوسری زبان میں نہیں۔ فارسی میں شیرینی کے ساتھ ساتھ ایک شان ہے۔ چنانچہ یہ تمام خوبیاں اردو میں موجود ہیں۔

اردو کا بنیادی ڈھانچا اگرچہ مقامی خمیر سے تیار ہوا ہے لیکن یہ اپنی ساخت کے اعتبار سے بین الاقوامی مزاج کی مخلوط زبان ہے۔ اردو میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے، ہندی، عربی، فارسی زبانوں اور مقامی بولیوں کے الفاظ اس کثرت سے داخل ہیں کہ ان کا شمار کرنا محال ہے۔ اس کے علاوہ اس میں انگریزی، اطالوی، پرتگالی، ترکی، جرمن، چینی، سائنڈے نیوین، فرانسیسی، ولندیزی، یونانی اور دیگر زبانوں کے الفاظ بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ یہ الفاظ روزمرہ کی تقریر و تحریر میں بے کھٹکے بولے اور لکھے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ دو اقدادہ دیہاتوں میں بھی برابر مستعمل ہیں۔ ان میں سے زیادہ تعداد انگریزی الفاظ کی ہے۔

ان زبانوں کے الفاظ دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ یہ اردو ہی کے لیے بنے تھے اور ان زبانوں کا نام تو ہم محض تنکھٹا لیتے ہیں۔ اس سے یہ بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اردو میں غیر زبانوں کے الفاظ کو اپنے اندر سونے کی کس قدر صلاحیت ہے۔ اردو کے اس مخلوط مزاج ہونے کے نتیجے میں یہ ہوا ہے کہ اردو کے ہر جملے میں کئی کئی زبانوں کے الفاظ شامل ہوتے ہیں اور ان الفاظ اور جملوں کے سننے والا، چہ جائیکہ اردو سے نا بلدی ہی کیوں نہ ہو، کسی نہ کسی حد تک محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ اس زبان سے مانوس ہے یا کچھ نہ کچھ الفاظ سے شناسائی ضرور رکھتا ہے۔ یہ احساس اسے اردو کے قریب تر لانے میں مدد ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جن اجنبیوں نے اردو سیکھنے کی کوشش کی ہے وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ راقم الحروف نے خود دیکھا ہے کہ وہ طلبہ جو پنجاب یونیورسٹی اور سنٹل کالج کے شعبہ اردو میں اردو سیکھنے کی غرض سے ایران، چین، جاپان، کوریا، تھائی لینڈ، مصر، سعودی عرب، اردن، عراق، آسٹریلیا، امریکہ اور برطانیہ وغیرہ سے آتے ہیں، چند ہی مہینوں میں اردو میں اچھی خاصی گفتگو کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اردو کی کتابیں پڑھ لیتے ہیں

اور اردو لکھنا بھی سیکھ جاتے ہیں۔

اردو میں دخیل الفاظ کئی جہتوں سے اردو میں داخل ہوئے۔ یہ جہتیں کون کون سی ہیں، یہ بحث ایک علیحدہ باب ہے۔ بہر کیف ان دخیل الفاظ کے تفصیلی مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ بحیثیت مجموعی اردو میں یہ تین صورتوں سے آئے ہیں: بعض الفاظ جوں کے توں اردو میں داخل ہو گئے ہیں، بعض کا حلیہ اور تلفظ بدل گیا ہے اور بعض الفاظ کچھ کے کچھ ہو گئے ہیں۔ لیکن بہر طور اب یہ اردو کے الفاظ ہیں۔ بقول انشا اللہ خاں انشا: ”ہر وہ لفظ جو اردو میں آ گیا، اردو کا ہے۔“ یہ اصول آج بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ عمل آج بھی جاری ہے۔ اس پر نہ کوئی قدغن لگا سکتا ہے اور نہ ہی اردو کا مزاج کسی قدغن کے قبول کرنے کو تیار ہے۔ اس طرح اردو کے سرمائے میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ ہر زندہ زبان کا اصول ہے کہ وہ دوسری زبانوں کے الفاظ کسی نہ کسی صورت میں قبول کر لیا کرتی ہے لیکن بہر طور اردو میں یہ خاصیت سب زبانوں سے زیادہ ہے۔ اردو کی اس صلاحیت کا اندازہ سب سے پہلے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کو ہوا جو برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں اسلام کا پیغام پہنچانے کی غرض سے آئے۔ ان کی اپنی مادری زبان کچھ بھی رہی ہو مگر وہ عوام میں رہ کر عوام سے عوام کی زبان میں مخاطب ہوئے۔ چنانچہ متاثرین نے ایسے لوگوں کے اقوال، وظائف اور ملفوظات وغیرہ کو حرز جان بنا لیا۔ ان کا یہ فیض آج بھی ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ اسی طرح غیر ملکوں کے سیاحوں کی زبان کے بہت سے الفاظ بھی ملکی زبان کا جزو بنتے رہے اور مغرب سے سفارت کار اور مشنری برصغیر پاک و ہند میں آئے تو انھوں نے بھی اسی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا کیونکہ اس کے بغیر ان کا گزارہ نہ تھا۔ ان مبلغوں، سیاحوں، سفارت کاروں اور مشنریوں کے ذریعے ہی مختلف اقوام اس زبان سے روشناس ہوئیں اور یہاں کے بہت سے الفاظ ان کی زبانوں میں بھی داخل ہوئے۔ اور ظاہر ہے یہ سب باتیں اردو کی مقبولیت کا باعث بنیں۔

اردو کی مقبولیت کا ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ چونکہ اردو کا جنم کئی زبانوں کے اتقاقی اختلاط سے ہوا ہے اس لیے ان زبانوں کے حروف ابجد بھی اس میں آ گئے ہیں اور اس وقت اس زبان میں سب سے زیادہ آوازوں کے حروف کا نظام مستعمل ہے۔

اردو کی یہ خاصیت بھی ہے کہ اس میں ہر زبان کے الفاظ خواہ وہ کسی بھی لہجے اور کیسے ہی مشکل مخرج سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں، باسانی جزو بدن ہو جاتے ہیں۔ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں ہر ملک کی آب و ہوا کا لطف اور ہر موسم کا سماں موجود ہے۔ یہاں کے باشندے جس زبان کو چاہتے ہیں اس میں جلد ہی اس قدر مہارت پیدا کر لیتے ہیں کہ اس کے اہل زبان بھی تمیز نہیں کر سکتے۔ اور تو اور یہاں کے بعض پرندوں کو بھی یہ ملکہ حاصل ہے کہ آپ ذرا سی محنت سے انھیں دنیا کی ہر زبان سکھا سکتے ہیں اور وہ اس زبان میں جلد ہی بولنے لگتے ہیں۔ بنگلہ دیش کی مینا اور پاک و ہند کے راطوٹے کی بولی پر صاف انسان کا گمان ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر لطف یہ ہے کہ یہاں کے بعض لوگ بعض جانوروں کی بولی بول کر اس خوبی سے نقل کرتے ہیں کہ ان جانوروں کو بھی ٹھنڈے میں ڈال دیتے ہیں۔ اردو کی مقبولیت کا ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ دنیا کی بیشتر زبانوں کے مقابلے میں اردو تحریر کم سے کم جگہ اور وقت لیتی ہے۔ اس کے علاوہ اردو میں یہ وصف بھی ہے کہ اس میں مصدر سازی کے ایک نہایت کارآمد نظام کا سلسلہ موجود ہے یعنی اردو کے

لازم مصادر کو متعدی مصادر میں اور متعدی مصادر کو متعدی المصدری مصادر میں آسانی کے ساتھ ڈھالا جاسکتا ہے۔ مثلاً: لکھنا سے لکھانا اور لکھوانا، اٹھنا سے اٹھانا، اور اٹھوانا، پکنا سے پکانا اور پکوانا، پینا سے پلانا اور پلوانا، ہنسا سے ہنسانا اور ہنسانا وغیرہ۔ مصدر سازی کے اس نظام سے جملوں کی ساخت مختصر اور آسان ہو جاتی ہے اور مفہوم بھی بخوبی ادا ہوتا ہے جب کہ بہت سی زبانوں مثلاً انگریزی میں بھی اس طرح کا کوئی نظام موجود نہیں ہے۔

اردو کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ اس میں ہم معنی، مترادف اور متضاد الفاظ کثرت سے موجود ہیں جس سے اردو بولنے یا لکھنے والا ان الفاظ کے انتخاب میں ایک طرح کی سہولت پاتا ہے۔ اس کے علاوہ اردو میں امدادی افعال کا ایک آسان اور موثر نظام رائج ہے جس کی وساطت سے تحریر و تقریر میں نہ صرف بلاغت اور زور پیدا ہو جاتا ہے بلکہ اکثر اوقات جو فصاحت اور فرق پیدا ہو جاتا ہے وہ ایسا نازک اور پر لطف ہوتا ہے جو بیان میں نہیں آسکتا اور اس طرح انسانی جذبات بھی آسانی کے ساتھ ادا کیے جاسکتے ہیں۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے الفاظ کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ ہے۔ جبکہ اصطلاحی الفاظ کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ الفاظ کی اتنی بڑی تعداد سوائے انگریزی کے غالباً دنیا کی کسی اور زبان میں موجود نہیں۔ چنانچہ اردو کا یہ رنگارنگ ذخیرہ الفاظ، اس کا بین الاقوامی مزاج، مصدر سازی کے بعض عمدہ اصول، افعال معاون کے استعمال کی سہل صورتیں، ہم معنی، مترادف اور متضاد الفاظ کی کثرت وغیرہ ایسی خصوصیات ہیں جو اردو کو دنیا کی تمام زبانوں میں ممتاز اور مشرف کرتی ہیں اور اس کی مقبولیت کی نئی راہیں کھولتی ہیں۔ اردو ایک سہل الخارج، سرلیج الفہم، ہمہ گیر، ہمہ صفت موصوف اور مرغوب خاص و عام زبان ہے اور، اردو سمجھنے، بولنے اور لکھنے والوں کے لیے وجہ افتخار ہے۔

## مضامین کے لیے دیگر عنوانات

(۲) عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی	(۱) اتحاد عالم اسلام
(۳) اپنی مدد آپ	(۳) قومی تہوار
(۶) غالب: شاعرِ امروز و فردا	(۵) سیلاب کی تباہ کاریاں
(۸) شہری زندگی کے مسائل	(۷) تحریک پاکستان
(۱۰) حقوق العباد	(۹) شہری اور دیہی زندگی کا موازنہ
(۱۲) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا تصورِ جمہوریت	(۱۱) حب الوطنی
(۱۴) کتاب دوستی	(۱۳) تندرستی ہزار نعمت ہے
(۱۶) وہشت گردی: ایک ناسور	(۱۵) جمہوریت اور جمہوری رویے
(۱۸) ڈینگلی بخارا اور حفاظتی تدابیر	(۱۷) پیدائشی عزم سحر رکھتے ہیں
(۲۰) میرا پسندیدہ شاعر	(۱۹) ای۔ کامرس: جدید انداز تجارت
(۲۲) عالمگیری کے تقاضے	(۲۱) میری پسندیدہ کتاب
(۲۴) محنت میں عظمت	(۲۳) گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
(۲۶) ہمارا ماحول اور شجرکاری	(۲۵) عزم و استقلال
(۲۸) اطاعت والدین	(۲۷) تعمیر وطن میں طلبہ کا کردار
(۳۰) ملکی سلامتی کے لیے معاشی استحکام کی ضرورت و اہمیت	(۲۹) معاشرتی مسائل اور ان کا حل
(۳۲) جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی	(۳۱) تجارت کی قدیم اور جدید صورتیں
(۳۴) باغبانی: ایک دل چسپ مشغلہ	(۳۳) سیر و سیاحت: تعلیم بھی تفریح بھی
(۳۶) پالتو جانور	(۳۵) فوگ اور سموگ سے بچاؤ
(۳۸) ملازمت نہیں اپنا کام	(۳۷) انفارمیشن ٹیکنالوجی
(۴۰) سائنسی انداز فکر کی ضرورت	(۳۹) آداب مطالعہ
(۴۲) سفارش اور اقربا پروری کے نقصانات	(۴۱) فنون لطیفہ کی جمالیات
(۴۴) سوشل میڈیا: فوائد اور نقصانات	(۴۳) اسلام میں گداگری کی مذمت
(۴۶) ٹیکنیکل ایجوکیشن	(۴۵) مسئلہ کشمیر